شاید

فائزہ افتخار

فائزہ افتخار

ساحل

ناولٹ

وہ حویلی آج بھی ویسی ہی تھی جیسی پہلے تھی۔
وہی سرخ اینٹوں کی دیواریں۔۔۔
وہی روغن ویٹیا میں لپٹے کاہی رنگ کے جھروکے۔۔۔
وہی سفید 'سرخ' وہی اس کے ستونوں پہ لگی چقیں
۔۔۔ وہی کیلے کے درختوں کے جھنڈ کے اس پار سے جھانکتے کھنڈر کے مینارے۔۔۔
اور جب میرے قدموں کے نیچے چرمراتے زرد پتوں نے آہ بھری تو مجھے احساس ہوا کہ نہیں۔۔۔
یہ حویلی آج ویسی نہیں جیسے پہلے تھی۔

سرخ اینٹوں کی دیواروں میں کائی جمی تھی۔
جھروکوں سے پٹتی روغن ویٹیا کسی جوان بیوہ کی اجاڑ کلائیوں کی طرح ٹنڈ منڈ تھی۔
اور اس سفید 'سرخ' سبز اور سیاہ چوکور چپس کے فرش والے برآمدے کی خنکی میں اب ہڈیوں تک کو جما دینے والی برف تھی اور کیلے کے درختوں کے جھنڈ سے جھانکتے کھنڈر کے میناروں کا بہت سا حصہ بھر بھرا ہو کے گر چکا تھا۔ اور آج اس حویلی میں نہ قلقاریاں تھیں۔۔۔ نہ ہنسی کی چہکار۔۔۔ ایک سناٹا مکمل سکوت۔۔۔ پردے ہوا سے سرسرا ضرور رہے تھے لیکن شاید ہوا نے بھی اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔
یہ وہ زمین تھی۔۔۔ وہی آسمان۔۔۔ وہی در و دیوار۔۔۔
وہی پھول پتے۔۔۔ وہی جھروکے۔۔۔ وہی آنگن تھا۔۔۔
جہاں میری محبت نے پہلی بار آنکھیں کھولیں۔

☼ ☼ ☼

وہ گہری نیند سو رہا تھا مگر یکلخت سے اس نے آنکھیں کھول دیں جیسے کسی نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کے جگایا ہو۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔۔۔ مگر کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا وہ دم سادھ کے باہر سے آتی سسکیوں کی آواز سننے لگا۔ یہ سسکیاں جیسے اسے کھینچ کر پہلے بستر سے اتار کے کھڑکی تک لائیں پھر انہی سسکیوں نے اسے پردہ ہٹا کے باہر جھانکنے پہ مجبور کیا۔ ہال میں سامنے والے بڑے سے طاؤسی تخت پہ بیٹھی وہ لڑکی سر جھکائے سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس سے پانچ چھ سال تو بڑی ہو گی۔ شاید پندرہ سال کی یا پھر زیادہ سے زیادہ سولہ سال کی۔۔۔ اس نے چہرہ آگے کر کے کچی نیند سے جاگی آنکھیں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی وہ چہرہ جو اس کی محبت کا پہلا چہرہ بننے والا تھا۔
مگر بھلا محبت کا چہرہ بھی یونہی آسانی سے نظر آیا کرتا ہے۔ ہونہہ بد ھو۔
اس کے ننگے پیر اسے بے اختیار کمرے سے باہر ہال تک لے گئے۔

☼ ☼ ☼

میری نظریں ہال کے وسط میں بچھے اس طاؤسی تخت پہ تھیں جس پہ آج بھی گہرے قرمزی رنگ کا مخملیں بچھونا تھا۔۔۔ دونوں اطراف میں گاؤ تکیے۔۔۔ مگر آج وہ خالی تھا اس پہ وہ نہ تھی۔

ہال میں آج بھی جابجا بہت سی شمعیں رکھیں تھیں۔ مگر سب کی سب بجھی ہوئیں۔

وہی بڑے دادا کی جلالی تصویر۔۔۔ جسے بچپن میں دیکھ کے میں شرارت کرتے کرتے سہم جایا کرتا تھا اور لڑکپن میں دیکھ کے شرارت سے ہنس پڑتا تھا۔۔۔ لیکن آج اس قد آدم تصویر میں جھانکتے بڑے دادا کے نقوش میں جلال نہیں ملال نظر آرہا تھا۔

یہ ہال پوری حویلی کا مرکز تھا۔ ہمہ وقت بھرا بھرا رہتا۔۔۔ جسے کسی کو ڈھونڈنا ہوتا۔۔۔ وہ ہال میں آجاتا۔۔۔ لیکن آج یہاں کوئی نہیں تھا۔

بس ایک چیز تھی۔۔۔ جو سالوں پہلے بھی تھی آج بھی ہے اور جانے کب تک رہنے والی ہے۔

اس کی سسکیوں کی گونج۔

میرے قدم مجھے اسی طاؤسی تخت کی جانب لے گئے' جہاں سے کئی سالوں سے اس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ میرے ترسے ہوئے ہاتھ اس کے مخملیں بچھونے کو سہلانے لگے۔

اس کی سسکیوں نے پہلی بار مجھے جھنجوڑا تھا مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ کسی اور کے آنسو آپ کے دل کو گیلا کیسے کرتے ہیں۔

☼ ☼ ☼
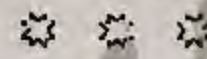
نائٹ سوٹ میں ملبوس اس نو سالہ بچے کے چھوٹے چھوٹے قدم ہال کے چکنے سفید فرش پر بے اختیار اٹھ رہے تھے اور نظریں طاؤسی تخت پہ اب تک گھٹنوں میں سر دیے کر روتی اس سیاہ لباس والی لڑکی پہ مرکوز تھیں۔۔۔ وہ سیاہ رنگ جیسے سارے ہال پہ چھا چکا تھا۔ اسے اس سیاہ رنگ کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ہال کے وسط میں بچھی سفید چادریں بھی نہیں۔۔۔ ان پہ بیٹھی سیپارے پڑھتی وہ سب آنٹیاں بھی نہیں' جو اب تلاوت کرتے کرتے سر اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسے ان سسکیوں کے علاوہ کچھ سنائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ اپنی ماں نائلہ کی آواز بھی نہیں۔۔۔ جو دوپٹے سے نم آنکھوں کے گوشے خشک کرتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"سعد۔۔۔ بیٹا آپ آج اتنی جلدی جاگ گئے؟" وہ سب کے درمیان سے گزرتا بس اس سیاہ رنگ کی جانب بڑھ رہا تھا جو جلد ہی اس کے وجود کو اپنے رنگ میں رنگنے والا تھا۔

"بس کرو بیٹی۔۔۔ جانے والوں کو آنسوؤں سے تکلیف ہوتی ہے۔" رقیہ خالہ نے اسے تسلی دی اور وہ سوچنے لگا۔

"جانے والوں کو؟ آنے والے کو بھی ہو رہی ہے تکلیف ان آنسوؤں سے۔"

"باپ اور ماں دونوں کو کھویا ہے اس نے' اس اتنی سی عمر میں اتنا بڑا صدمہ۔"

نائلہ نے افسوس سے اس سیاہ وجود کو دیکھا تو وہ بے چین ہو اٹھا۔

"نہیں۔۔۔ کوئی مت دیکھے اسے کوئی نظر نہ ڈالے اس پہ۔۔۔ سوائے میرے۔"

یہ بے چینی اس کے قدموں میں بجلی بھر گئی اور وہ اگلے ہی پل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ اٹھے اور اس جھکے ہوئے سر کے بکھرے بکھرے بھورے ریشمی بالوں پہ ٹھہر گئے۔۔۔ اس لمس پہ وہ سسکیاں تھمیں اور اس لڑکی نے سر اٹھا کے اپنے سامنے کھڑے اس حیران آنکھوں والے لڑکے کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ آنسوؤں سے رندھے گلے کو تر کرتا اب اپنا ہاتھ اس کے بالوں سے اس کے رخسار تک لایا اور اپنی انگلی سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اسے احساس تک نہ ہوا کہ اس کے اپنے گال گیلے ہو چکے ہیں۔

نائلہ کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری رشتے دار عورتیں بھی اس بچے کے اس عجیب و غریب عمل کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اچانک اسے نجانے کیا

ہوا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ اور وہ سیاہ ملبوس والی لڑکی اپنا غم بھول کے اسے سینے سے لگا کر چپ کرانے لگی۔

اب ہال میں دونوں کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

وہ میں تھا۔ سعد رضوان... نو سال کا سعد رضوان... اور وہ ام ہانی تھی... پندرہ سال کی ام ہانی سلمان... میری ہنی...

پہلا رشتہ آنسوؤں کا تھا۔ اس کے آنسوؤں سے میرے آنسوؤں کا... پھر جب جب میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے... میرے بھی آنسو بہہ نکلے... "کیا یہ محبت ہے؟"

میرے سوال نے اس سنسان ہال کو اور بھی اجاڑ اور بیابان کر ڈالا۔

وہ سسکیاں تک سوچ میں پڑ گئی تھیں... تبھی تو ایک سکوت چھا گیا۔ اس جان لیوا سکوت کو توڑنے کے لیے میں نے اپنا سوال پھر سے دوہرایا۔

"کیا یہ محبت تھی؟ کیا یہ محبت ہے؟"

میرا سوال اس سناٹے میں گونج کے رہ گیا۔ اور پھر ہوا نے سرگوشی کی۔

"شاید..."

اور ہوا کی اس سرگوشی نے ہال میں واحد جلتی اس شمع کو بھی بجھا ڈالا... جس کی پگھلتی موم کچھ حرفوں میں ڈھل رہی تھی اور یہ حروف اسی جواب میں ڈھل رہے تھے۔

"شاید۔"

☼ ☼ ☼

رسا پور کے اس نواحی قصبے میں گرمیوں کے آغاز تک بھی راتیں کافی ٹھنڈی رہتی تھیں۔ اور آج تو شام کو ہونے والی ہلکی ہلکی بوندا باندی نے الماری کے اوپر والے خانے میں سنبھال کے رکھی گرم شالیں پھر سے نکلوا دی تھیں۔

نائلہ نے شال اوڑھتے ہوئے بڑی حیرت سے رضوان سے کہا تھا۔ "سعد نے کتنی عجیب حرکت کی!"

"بچہ ہے... بچوں کا دل نرم ہوتا ہے۔ ام ہانی کا رونا اس سے دیکھا نہیں گیا۔"

رضوان کو ہر بات کی گہرائی میں جانے کی عادت نہیں تھی۔ وہ قہوے کے گھونٹ بھرتے کھڑکی کے پاس کھڑے باہر اترتی دھند کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں مگر سعد عام بچوں جیسا نہیں ہے۔ وہ تو کبھی کسی بات کو دل پہ نہیں لیتا اور مجھے تو یاد بھی نہیں کہ آخری بار وہ کب رویا تھا اور کل اپنے چچا اور چچی کے ایکسیڈنٹ اور وفات کا سن کے بھی اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا... یونہی کھیل میں مگن رہا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔"

"ظاہر ہے... اس نے سلمان کا صرف نام سن رکھا تھا چچا سے کوئی وابستگی تھی کہاں... یوں بھی بچوں کے لیے موت اتنی سفاک حقیقت نہیں ہے جتنی ہمارے لیے۔"

"اسی لیے تو حیرت ہے اس کے یوں رونے پر۔" اپنے قہوے کی پیالی ہونٹوں سے لگائے ہوئے بھی نائلہ ابھی تک اس حیرت میں تھی۔

"نائلہ وہ اکیلا ہے... نہ بہن... نہ بھائی... تم اس

لیے ام ہانی کے یہاں آنے پہ پریشان تھیں کہ پتا نہیں
سعد اس کے آنے اور مستقل یہاں رہنے کو کیسا لے
گا کہ اب اس کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی اس گھر میں
رہے گا تو تمہارا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اس نے دل سے
ام ہانی کو قبول کر لیا' بلکہ اکیلے پن کی وجہ سے اس میں
جو عجیب سی تنہائی پسندی آگئی تھی۔ وہ بھی اب ختم ہو
جائے گی۔ اس کا ام ہانی کے دکھ میں رونا ظاہر کر رہا ہے
کہ وہ اب نارمل بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہا ہے۔"
رضوان کے مفصل جواب نے بھی نائلہ کی تشفی نہ
کرائی۔

"مگر سوال یہ ہے کہ کیا ام ہانی یہاں ایڈجسٹ ہو
جائے گی۔ سعد کے تو صرف بہن بھائی نہیں ہیں۔
ورنہ وہ رہا تو ایک بھرے پرے کنبے میں ہے جبکہ
سلمان بھائی نے محبت کی شادی کی بہت بھاری قیمت
چکائی۔ ساری عمر خاندان سے کٹ کے رہے۔ ہم سب
ام ہانی کے اپنے سہی۔ مگر اس کے لیے اجنبی ہیں۔ کیا
وہ ہمارے ساتھ رہ لے گی۔"

"سمجھ دار بچی ہے وہ جانتی ہے اب ہمارے سوا اور
کوئی نہیں ہے اس کا۔" رضوان اب عادت سے مجبور
اس بحث سے ذرا بے زار نظر آ رہے تھے۔

"کہیں تمہیں اس کی فکر تو نہیں کہ اب ایک اور
ذمے داری تمہارے سر پہ آگئی ہے؟" اور اس سوال
نے تو نائلہ کے دماغ کا فیوز ہی اڑا دیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں اتنی کم ظرف
ہوں؟" اس نے قہوے کی پیالی میز پہ پٹخی اور ہو گئی
شروع۔

جب سے بیاہ کے آئی ہوں ذمے داریاں ہی تو نبھا
رہی ہوں۔۔۔ ساس سسر کی۔۔۔ پھر دادا جان ہیں اور یہاں
وہ آپ کی ہمشیرہ ایک مستقل عذاب۔"

رضوان نے کمبل منہ تک تان نے میں ہی عافیت
سمجھی۔ نائلہ نے سر جھٹک کے بڑبڑاتے ہوئے قہوے
کی پیالی دوبارہ اٹھائی۔

"ہونہہ۔ ہمشیرہ صاحبہ کے ذکر پہ چپ سادھ لیتے
ہیں۔ مگر نند کے تذکرے نے منہ کا ذائقہ ایسا کڑوا کر
دیا تھا کہ قہوہ بھی تلخ سا لگنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اور رضوان کی ہمشیرہ مہ پارہ بیگم کے مزاج کی تلخی کو
تو کسی کے تذکرے کے بہانے کی ضرورت بھی نہیں
تھی۔ یہ خدا کا خاص کرم تھا ان پر۔۔۔ اس وقت بھی
ماتھے پہ بل ڈالے۔ اپنی ستواں ناک کو ایک خاص
زاویئے تک چڑھائے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے
ہوئے مختلف شیلفوں میں سے رنگ برنگ کی دوائیں
اپنی ہتھیلی پہ نکالتی جا رہی تھیں۔ اور بڑے سے نواڑی
رنگلے پلنگ پہ لیٹے بڑے دادا کھانستے تھے۔۔۔ آہ بھرتے
تھے۔

"ھک ھا۔۔۔ میں بڈھے ویلے جوان اولاد کے
صدمے اٹھانے جوگا ہی رہ گیا۔۔۔ پہلے پتر گیا پھر اب
جوان پوترا۔۔۔ جانے کی عمر تے میری تھی۔"

"تو چلے جاتے ناں۔"

مہ پارہ نے بڑبڑا کے گلاس میں پانی انڈیلا۔۔۔ پانی کے
چھینٹے گلاس میں چھن چھن گرنے کی آواز میں
مہ پارہ کی بڑبڑاہٹ نہ بھی دبتی تو تب بھی بڑے دادا کی
سماعتیں اب ایسی نہ رہی تھیں کہ وہ سن پاتے۔

"کی کہیا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ یہ دوائیں کھائیں۔ یہ نیلی والی گولی
۔۔۔ یہ رہی سفید والی گولی اور یہ پیلی گولی۔"

اس نے پی آئی اے کی ایئر ہوسٹس کے سے انداز
میں گلاس آگے کیا۔ قطرے چھلک کے بڑے دادا کے
کرتے پہ گرے۔

"ہم گولیاں بھی ایسے دیتی ہے جیسے گولا مار رہی ہو۔
بڈھے دادا کی خدمت کرنا تجھے بار لگتا ہے پوری
حویلی میں اور کام کیا ہے تجھے۔"

چلا کے بولنے سے ان کی پھیپھڑوں نے احتجاجا" دوبارہ
کھانسی کا دورہ شروع کر دیا۔

☼ ☼ ☼

یہ بڑے دادا تھے۔ یعنی دادا کے بھی بڑے۔۔۔
میرے ابو رضوان کے دادا۔۔۔ جب سے ہوش سنبھالا

تھا انہیں اسی رنگلے نواڑی پلنگ پہ۔ کبھی کھانستے تو کبھی ڈانٹتے ہی دیکھا تھا۔ ان کی جوانی کی یادگار ایک بارعب اور جلالی تصویر ہال میں آویزاں تھی۔۔۔ اور یہ جلال اور رعب صرف اس تصویر میں نہیں تھا۔ بڑے دادا کے مزاج سے آج بھی سب خائف رہتے تھے۔ وہ دواؤں کے سہارے چل رہے تھے اور پوری حویلی کو چلا رہے تھے۔ آج بھی ابو ان کی اجازت اور مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ مہ پارہ پھوپھو کی شادی بھی۔

ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کے معاملات آپس میں ہی نمٹائے جاتے ہیں۔ پھوپھو کی قسمت۔۔۔ ان کے جوڑ کا یا تو ذات برادری میں کوئی تھا ہی نہیں۔ یا تھا تو ان کو نہ ملا اور باہر سے آئے رشتے کے لیے کبھی بڑے دادا مانے ہی نہیں۔۔۔ ابو کے دبے دبے دلائل کے باوجود۔۔۔ اور یہ اصول صرف گھر کی عورتوں کے لیے نہیں تھے۔۔۔ سلمان چچا نے جب اپنی پسند سے انہیں آگاہ کیا تو ان کے آڑے بھی یہی اصول آئے۔ مگر وہ کوئی مہ پارہ پھوپھو تھے جو ماتھے پہ بل لے کر بڑبڑاتے ہوئے حویلی کی دیواروں میں تلخ زندگی گزار دیتے۔۔۔ انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پہ اپنی پسند کو اپنایا اور اسی پاداش میں انہیں خاندان سے الگ کر دیا۔۔۔ ساری زندگی انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ ایبٹ آباد میں گزاری۔۔۔ ابو ان سے رابطے میں رہے۔۔۔ شاید کبھی کبھی چھپ چھپ کے مل بھی آتے تھے، مگر بڑے دادا سے ان کو کبھی معافی نہ دلا سکے۔۔۔ یہاں تک کہ چچا اپنی چہیتی بیوی کے ساتھ ایک کار حادثے کا شکار ہو کے یہ دنیا ہی چھوڑ گئے۔ اور ان کی اکلوتی بیٹی ام ہانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حویلی میں آگئی۔

نہیں شاید۔۔۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں بھی۔

اس کی روئی روئی آنکھیں اداس اداس چہرہ مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا تھا۔۔۔ میں خود خاصا آدم بیزار اور سڑیل قسم کا بچہ تھا۔۔۔ لیکن اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے کے لیے ہر جتن کرنے پہ تیار تھا۔۔۔

اس کی خاطر جوکر تک بنتے یہ۔۔۔ میں جو کمرے میں گھسا گیمز کھیلتا رہتا تھا اب کبھی اس کو چھت پہ پتنگ اڑا کے دکھا رہا ہوتا تو کبھی اس کے لیے آم کے درخت پہ چڑھا کیریاں توڑ رہا ہوتا۔ اسے آنکھ مچولی کھیلنا بہت پسند تھا اور مجھے اسے آنکھوں پہ دوپٹا باندھے میری تلاش میں گھومتے دیکھنا۔ اور میں چپ چاپ ایک جگہ کھڑا اسے تکتا رہتا۔ چھپنے کی کوشش بھی نہ کرتا۔ بھلا میں اس کی نظروں سے اوجھل کیوں رہنا چاہتا اور جب وہ مجھے کاندھوں سے تھام کے خوشی سے چلاتی۔

"ڈھونڈ لیا میں نے۔۔۔ سعد مل گیا مجھے۔" تو میرے اندر سکون سا اتر آتا۔ میں اسے مل جانا چاہتا تھا۔

اور ایک میں ہی تو تھا پوری حویلی میں جس کے ساتھ وہ باتیں کرتی تھی۔ ہنستی تھی۔ کھیلتی تھی۔ باقی سب کے ساتھ وہ کھل ہی نہ پا رہی تھی۔ امی اس کا بے حد خیال رکھتیں، ابو اس پہ اتنا پیار لٹاتے، بڑے دادا تو لگتا تھا سلمان چچا کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کی تلافی اسی کے لاڈ اٹھا کے کرنا چاہتے تھے۔ بس ایک مہ پارہ پھوپھو تھیں جو ذرا لیے دیے رہتیں اس کے ساتھ۔ مگر وہ کوئی اتنی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ہی ایسا تھا اس معاملے میں وہ رواداری اور انصاف سے کام لیتیں۔ سب کو ایک سی بے مروتی اور سرد مہری سے نوازتی تھیں۔ پھر بھی وہ جیسے اپنے اندر سمٹی رہتی وہ اپنے نہیں، کسی اور کے گھر میں رہ رہی ہے۔ ایک ایسے گھر میں جہاں اس کی ماں کو کبھی قدم رکھنے کی اجازت نہ ملی۔ ایک ایسے گھر میں جس کے دروازے ہمیشہ کے لیے اس کے باپ پہ بند کر دیے گئے تھے۔ یہ احساس اس کے اندر سے نہیں جاتا تھا۔

حویلی کی نسبت وہ حویلی کے پچھلے گوشے والے اس کھنڈر نما حصے میں زیادہ خوش تھی۔ جو بڑے دادا کے بھی دادا کے وقتوں کی یادگار تھا۔ اس کی خاطر میں بھی وہیں جانے لگا اس کے ساتھ۔۔۔ اور چونکہ اس کا دل وہاں لگتا تھا میرا بھی لگنے لگا۔ ہم نے اس کھنڈر کو ایک نام دیا۔۔۔ خواب نگر۔۔۔ یہ خواب نگر ہمارا تھا۔۔۔ ہم دونوں کا۔۔۔ ہم پہروں یہاں بتا دیتے۔ وہ کالج سے اور میں اسکول سے آنے کے بعد کتابیں بھی یہاں اٹھا لاتے۔ پڑھتے، کھیلتے، باتیں کرتے۔۔۔ اسے دیواروں پہ کارٹون بنانے کا بہت شوق تھا۔ بہت اچھی ڈرائنگ بھی تھی اس کی۔ جب دل چاہتا کمال قسم کے اسکیچز اور پینٹنگز بھی بناتی۔۔۔ مگر خواب نگر کی شکستہ دیواروں پہ صرف کارٹونز۔۔۔ مزے مزے کے کارٹونز اور میں۔۔۔ میری ڈرائنگ تو ہمیشہ سے بہت بری تھی۔۔۔ مگر اس کے لیے کچھ تو کرنا تھا میں نے۔۔۔ ایک دن چاک اٹھایا۔۔۔ اور ایک دیوار پہ اس کا اور اپنا نام لکھ دیا۔۔۔ اس سے کچھ دیر پہلے میں کسی بات پہ اس سے ناراض ہوا تھا۔ نہیں۔۔۔ ناراض نہیں ہوا تھا۔۔۔ ناراض ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا تاکہ وہ مجھے منائے اور اس نے مجھے منایا۔ میں مان گیا پھر اپنا اور اس کا نام دیوار پہ لکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"ہنی۔۔۔ آج کے بعد جب بھی ناراضی کے بعد ہماری پھر سے دوستی ہوا کرے گی۔۔۔ میں یہاں اپنا اور تمہارا نام لکھوں گا۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"بدھو۔۔۔ پھر تو جلد ہی یہ سب دیواریں تمہارے اور میرے نام سے بھر جائیں گی۔۔۔ پھر میں کارٹونز کہاں بناؤں گی۔"

"تو ہم کم کم ناراض ہوا کریں گے ناں۔۔۔"

میں نے حل نکالا اور وہ پھر سے ہنس پڑی اور زمین پہ کوئلے سے لکیریں کھینچنے لگی۔ یہ اس کا پسندیدہ کھیل تھا اسی سے متعارف ہوا تھا میں اس کھیل سے اور اس کا نام سن کے ہنس بھی پڑا تھا۔

"اشٹاپو۔۔۔ یہ کیسا نام ہے بھلا۔۔۔ کتنا فضول نام۔"

"بدھو۔۔۔ تمہیں کیا پتا تم اپنے روم میں بیٹھے بس ویڈیو گیمز کھیلا کرو۔۔۔ جو مزا ایسے کھیلوں میں ہے وہ ویڈیو گیمز میں کہاں۔"

پھر میں بھی اکثر اس کے ساتھ اشٹاپو کھیلنے لگا اور اکثر رات کو وہ مجھے کہانی بھی سنایا کرتی۔ مجھے کہانی سننے سے زیادہ کھلے آسمان کے نیچے ستاروں کی چھاؤں میں، آنگن میں بچھے پلنگ پہ اس کے برابر لیٹ کرا سے

محسوس کرنا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

"اس کے زخم گہرے تھے مگر شہزادی کو محسوس نہ ہوئے کیونکہ شہزادہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس لیے اس کے زخم بھرتے گئے۔"

"تمہارے زخموں میں بھی کبھی درد نہیں ہوگا ہنی ۔۔۔ کیونکہ میں بھی تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔" میں نے کہانی میں دخل دیا تو اس کی کھلکھلاہٹ دور اوپر ستاروں سے جا ٹکرائی۔

"بدھو۔۔۔ وہ والی محبت نہیں شہزادے کو شہزادی سے دوسری والی محبت تھی اور قسم کی۔"

"کیا محبت کی بھی قسمیں ہوا کرتی ہیں ہنی؟"

یہ میرا پہلا سوال تھا جس نے اسے لمحے بھر کے لیے چپ کر دیا تھا۔ پھر اس کے لبوں سے ایک سرگوشی سی آزاد ہوئی۔

"شاید۔"

✡ ✡ ✡

اور میں اس ویرانے میں کھڑا ہوں۔۔۔ اسی بازگشت میں۔

"شاید۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید۔"

میں نے اس حویلی کے سنسان' اجاڑ ویرانے میں کسی کو کھوجنا چاہا۔۔۔ کسی بھی جانب کوئی نہیں تھا اور ہر جانب وہ تھی۔

اس کے ہونے اور اس کے نہ ہونے کے درمیان ہی معلق تھا میں کب سے۔۔۔

"ہاں۔۔۔ محبت کی بھی قسمیں ہوا کرتی ہیں۔" مجھے طاؤسی تخت پہ پھر سے سیاہ وجود سسکیاں لیتا نظر آیا۔

"کہیں محبت عبادت کے وضو سے پاک ہوتی ہے۔" اور پھر مجھے برآمدے کے سرخ' سبز' سفید اور سیاہ چپس والے سرد فرش پہ وہ جائے نماز بچھائے سفید دوپٹے کے ہالے میں سجدہ کرتی نظر آئی میرے قدم آگے بڑھے۔

"تو کہیں محبت' غرض کے کالے بادلوں میں دھندلائی ہوئی ہوتی ہے۔"

اور جیسے ہی حسد' غرض اور رقابت کی آگ سے سیاہ ہوتے چہرے والے سعد رضوان پہ میری نظر پڑی ۔۔۔ میرے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس بے پناہ مکروہ چہرے کو دیکھ کے میں نے حیرت سے سوچا تھا۔ کیا واقعی یہ میں تھا؟

"کہیں محبت ہوس کی تپش سے گھبرائی ہوتی ہے۔"

اور دور کہیں ہانی کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر نظر آ رہا تھا ۔۔۔ زرد لباس میں مایوں کی دلہن ہراساں چہرے والی ام ہانی ۔۔۔ اور وحشت کے عالم میں اسے کاندھے سے پکڑ کے جھنجوڑتا سعد رضوان۔

"اور کہیں محبت طلب کی پیاس میں بے کل۔"

میں نے گھبرا کے اس کے کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے نظر ہٹائی تو سامنے ایک اور مکروہ منظر تھا۔

شکست خوردہ' زخم خوردہ' مایوس سعد رضوان آنسوؤں کے ساتھ روتا' گڑگڑاتا ام ہانی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑا تھا اور وہ اس کی وحشت و دیوانگی سے سہمی لرز رہی تھی۔

"اور کہیں ۔۔۔ کہیں محبت نفرت کے زہر میں ڈوبی ہوئی۔"

اور جب دھندلی آنکھوں کے سامنے دلہن بنی ام ہانی نے سعد رضوان کو شدت کے ساتھ تھپڑ دے مارا تو میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور آنکھیں بند کر لیں ۔۔۔ مگر بند آنکھیں اور بہت کچھ دکھانے لگیں۔

✡ ✡ ✡

"کیوں جاؤں میں ہاسٹل؟"

میں جھنجلا اٹھا تھا ابو کے اس نئے آرڈر پہ ۔۔۔ مگر ان پہ میری جھنجلاہٹ اور احتجاج کا کوئی اثر نہ پڑا۔

"کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔"

ان کے لہجے کی سختی اور قطعی پن کا اثر زائل کرنے کے لیے امی نے وہی بات ذرا مکھن میں بھگو کے کی۔

"تمہارے ابو نے تمہارے مستقبل کے لیے ہی یہ فیصلہ کیا ہے سعد یہاں اس چھوٹے سے شہر میں تم کیا تعلیم حاصل کرو گے؟"

"اچھا؟ تو جب بنی نے لاہور جا کے NCA میں ایڈمیشن لینا چاہا تھا تب آپ سب نے مخالفت کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا کہ ایسی کون سی پڑھائی ہے جو اس شہر میں رہ کے نہیں ہو سکتی۔"

"سعد وہ لڑکی ہے۔" امی نے جیسے اپنی دانست میں کوئی انکشاف کیا تھا مجھ پہ۔

"اچھا تو وہ لڑکی ہے اس لیے اس کے فیوچر کی کوئی پروا نہیں... میرے فیوچر کی ہے؟ میں نہیں جانے والا کہیں۔"

دو ڈھائی سال پرانا مقدمہ نکال کے میں اب لڑ رہا تھا اس کی حمایت میں وہ بالکل صحیح مجھ سے بدظن ہو سکتی تھی۔

"سعد... تم..."

اس سے پہلے کہ ابو ڈانٹ کا ایک لمبا سیشن شروع کرتے امی نے ان کا ہاتھ دبا کے انہیں منع کر دیا۔

"میں بات کرتی ہوں رضوان۔"

"پاگل ہو گیا ہے کیا یہ؟"

"گھر سے دور کبھی نہیں رہا ناں... اس لیے۔"

"تو کیا ساری عمر تمہاری گود میں بیٹھ رہے گا۔"

ان کو بحث میں الجھا دیکھ کے میں پیر پٹختا وہاں سے نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

اور بھلا دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ام ہانی سے بہتر ساتھ اور خواب نگر سے بہتر جگہ اور کون سی تھی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ... بہت کیا پڑھ ہوئے تم؟"

کوئلے سے دیوار پہ کارٹون بناتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"وہی... جو تم نے پڑھا۔"

"بد تمیز... میں نے تو ہسٹری اور لٹریچر کے ساتھ بی اے کیا اور تم نے کرنی ہے انجینئرنگ اور اس کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہو گا۔"

"تم بھی تو آرٹسٹ بننا چاہتی تھیں اور اس کے لیے نیشنل کالج آف آرٹس جانا چاہتی تھیں... مگر تمہیں تو کسی نے اجازت نہ دی۔"

"تو میں بن تو گئی آرٹسٹ۔" وہ کوئلہ پھینک کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے فخر سے مجھے دیوار پہ بنا کارٹون دکھانے لگی۔

"یہ دیکھو... مگر انجینئر ایسے خود بخود نہیں بنا جاتا۔"

"نہیں تو نہ سہی... نہیں بنوں گا۔ اگر اس کے لیے ہاسٹل جانا شرط ہے۔" میں اڑا ہوا تھا وہ میرے برابر بیٹھ گئی۔

"سمجھ گئی... تم کیوں نہیں جانا چاہتے۔" اس کی بات پہ میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا... تو تم واقعی جانتی ہو کہ وہ کیا ہے، جو مجھے یہاں باندھے ہوئے ہے... کیوں نہیں جا سکتا میں دور؟"

"ہاں... تمہارا ڈر..." اس کے اطمینان بھرے جواب پہ میں جل اٹھا۔

"ڈر؟"

"ہاں ناں۔" وہ میرے جلنے کڑھنے کا مزا لے رہی تھی۔

"ڈرتے ہو اکیلے رہنے سے... چہ چہ... بے چارہ ننھا سا بچہ... کیسے رہے گا اکیلے۔"

"میں بچہ نہیں ہوں سمجھی... آئی بڑی۔" میری ناراضی پہ وہ ہنس پڑی۔

"ہاں... ہوں تو بڑی اور تم چھوٹے۔"

"اچھا؟ ذرا اٹھنا تو۔" میں جھٹ کھڑا ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے بھی اپنے برابر کھڑا کرنے کے لیے کھینچنے لگا۔

"یہاں کھڑی ہو ذرا... ساتھ ایسے اب بتاؤ یہ میں چھوٹا ہوں؟ تم چھوٹی ہو پورے پانچ انچ۔"

"اور تم پورے پانچ سال... اتنا ہی شوق ہے نہ بڑا بننے کا تو جاؤ... جا کے دکھاؤ ہاسٹل اور رہو اکیلے۔"

وہ چڑا بھی رہی تھی اور اکسا بھی رہی تھی۔ میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا... پھر میں نے بھی اکسانے کی کوشش کی۔

"سوچ لو... چلا گیا تو یاد آؤں گا تمہیں۔"

"آ جانا۔۔۔ میں خوشی خوشی کرلوں گی تمہیں یاد۔"
اس کے اطمینان نے مجھے تاؤ دلا دیا اور میں نے فوراً ہی جانے کا فیصلہ کرلیا' ٹھان لی کہ اب اسے یاد آ کے رہوں گا اور ایسے یاد آؤں گا کہ مزا چکھادوں گا اور بھیجے مجھے دور۔۔۔

☆ ☆ ☆

"یہ سب چھوڑو سلمیٰ اور پہلے جا کے وہ سارے کپڑے پریس کردو جو میں نے سعد کے نکال کے رکھے ہیں۔۔۔ مجھے پیکنگ کرنی ہے اس کی۔"
نائلہ نے آتے ہی سلمیٰ کی گلوخلاصی کرائی جو مہ پارہ کے سامنے بیٹھی اس کے لیے سیب چھیل رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی جی جی بھی سن رہی تھی۔ فوراً شکر کا کلمہ پڑھتی اٹھی۔
"جی بی بی جی۔۔۔"
"مان گیا وہ جانے کے لیے؟" مہ پارہ نے دانتوں سے سیب کترتے اور آنکھوں سے نائلہ کو چٹکی لیتے پوچھا۔
"میں نے ہانی سے کہا تھا کہ اسے سمجھائے۔۔۔ مان گیا۔" ام ہانی کا نام کیا تھا۔ گویا تیتا مرچ تھی جو مہ پارہ کے حلق تک میں لگ کے سی سی کرا گئی۔
"ام ہانی نہ ہوئی۔ گیدڑ سنگھی ہو گئی جو سعد کو سمجھائی اور ہر بات منوائی۔"
وہ نکمس کے بولی تھی اور نائلہ نے حسب عادت رسان سے اس کے اعتراض کو ٹالنا چاہا۔
"اس کی مان جو لیتا ہے وہ۔"
"بھابھی۔۔۔ آپ کے دل کو کچھ ہوتا نہیں ہے؟ اولاد وہ آپ کی ہے اور مانتا وہ ہر بات اس کی ہے۔"
"دنیا ہوا مان جاتا ہے یہی کافی ہے۔"
"آپ بہت بھولی ہیں بھابھی۔۔۔" ام ہانی نے اسے ڈھال بنا رکھا ہے۔۔۔ وہ نہ صرف اس سے آپ کی باتیں منواتی ہے بلکہ اپنی بھی ہر بات اسی کے ذریعے آپ لوگوں سے منوا لیتی ہے۔"
"نہیں مہ پارہ۔۔۔ ام ہانی کبھی کچھ منوانا تو دور کی بات مانگتی تک نہیں۔ میری تو حسرت ہی ہے کہ وہ کبھی مجھے ماں سمجھ کے کوئی فرمائش کرے۔"
"لو۔۔۔ یاد نہیں؟ لاہور جا کے داخلہ لینے کے لیے اس نے ایسے سعد کو ڈھال بنایا تھا۔۔۔ وہ اتنا پدا سا لڑکا ڈٹ کے کھڑا ہو گیا تھا اس کے لیے۔"
مہ پارہ تکی بیٹھی تھی آج نائلہ کو ام ہانی کے سب کردہ ناکردہ گناہ یاد دلانے کے لیے مگر نائلہ نے بھی شاید صبر گھول کے پی رکھا تھا جو مہ پارہ کا ایک ایک وار اٹھاتا جا رہا تھا۔
"تو کون سا اس کی یا سعد کی مان لی گئی تھی۔۔۔ کب جانے دیا اسے دادا جی نے اور تمہارے بھائی صاحب نے۔"
"ٹھیک ہی تو کیا۔۔۔ میں تو خود اس حق میں نہیں تھی کہ وہ دوسرے شہر جا کے پڑھتی وہ بھی لڑکوں کے ساتھ بھابھی پرائی بیٹی کی ذمے داری بہت بھاری ہوتی ہے اور پھر اس کی ماں۔۔۔ کچھ ڈھکا چھپا ہوا تو ہے نہیں کسی سے۔"
"مہ پارہ۔۔۔" اب نائلہ اپنی ناگواری چھپا نہ سکی۔
"جو دنیا میں نہیں۔۔۔ اس کا ذکر کیا تو اچھے لفظوں میں کرو یا نہ کرو۔"
"اب جو سچ ہے۔ وہ سچ ہے بھابھی۔۔۔ دنیا سے لوگ جاتے ہیں۔۔۔ ان کے کارنامے ہیں۔ وہ تو پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔ ہمارے بھائی سے اس کی ماں کی دوستی یونیورسٹی میں ہی تو ہوئی تھی اور وہ سارے خاندان سے ٹکر لے کر اس سے کورٹ میرج کرکے الگ ہو گیا تھا۔ ایسی ماں کا کچھ اثر تو آتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اس پہ بہت کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ ذرا سی ڈھیل اس لڑکی کو۔۔۔"
بات کرتے کرتے مہ پارہ کی نظر سامنے پڑی تو وہ منہ بنا کے چپ ہو رہی۔۔۔ باہر سے آتی ام ہانی اس کی بات سن کے دہلیز پر ہی جمی رہ گئی تھی۔۔۔ مہ پارہ تو سر جھٹک کے پھر سے سیب کترنے میں مشغول ہو گئی اور نائلہ کچھ نہ کرتے ہوئے شرمندہ ہو گئی ام ہانی کے سامنے۔
"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی ام ہانی۔۔۔ ذرا

میرے ساتھ سعد کی پیکنگ تو کروانا۔"

"جی تائی اماں۔"

بجھے بجھے انداز میں کتنی سست قدموں سے وہ نائلہ کے پیچھے چل دی۔

ہمیشہ کی طرح م۔یارہ کی باتوں کو جلد ہی ذہن سے اتار کے وہ پھر سے مسکراتے ہوئے مگن انداز میں کپڑے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی میں بیڈ پہ کہنی کے بل بیٹھا اسے تکے جا رہا تھا۔

"کچھ رہ گیا ہے تو بتا دو۔" ایک سوٹ کیس بند کرنے کے بعد اس نے بیگ کھولا۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو یہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں تو بتا دو ناں۔۔۔ کونسی ضروری چیز ہے؟ پیک کر دوں۔"

"بتا تو دوں۔۔۔ مگر تم پوری نہیں آؤ گی اس میں۔"

میری نظریں اس کے چہرے سے ہٹ نہ پا رہی تھیں۔

"بدتمیز۔" اس کی کھلکھلاہٹ میرے سوٹ کیس اور بیگ میں بھر گئی۔

"چلو اب سو جاؤ۔ صبح جلدی نکلنا ہے تمہیں۔"

وہ بیگ بیڈ کے پاس رکھ کے چلی گئی۔ میں کچھ دیر ہلتے پردے کو دیکھتا رہا۔ پھر اچھل کے بیڈ سے نیچے اترا اور الماری کھول کے اپنے شب خوابی کے لباس کے نیچے چھپا کے رکھا وہ چھوٹا سا چکنا سا سرمئی پتھر نکالا جس پہ ام ہانی کے ان گنت لمس قید تھے اسے ہتھیلی پہ رکھتے ہی میرے ہونٹوں سے مسکراہٹیں پھوٹنے لگیں۔ یہ وہ پتھر تھا۔ جو کل کھیل کے دوران میں نے غائب کیا تھا جب ام ہانی کمر پہ دوپٹا کسے اپنے پسندیدہ کھیل اشاپو کے لیے خواب گھر کے کچے آنگن کو کوئلے سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔۔۔ پھر اس نے پتھر کو حسب عادت چوم کر نشانہ تاک کر پھینکا۔۔۔ اور ایک ایک خانے پہ پیر جماتی۔ کودتی آگے بڑھی اور جیسے ہی اس کی نظر چوکی۔۔۔ میں پتھر اٹھا کے بھاگ نکلا۔ وہ پلٹی تو مجھے سرپٹ بھاگتے دیکھ کے چلائی تھی۔

"سعد۔۔۔ رکو کہاں جا رہے ہو کھیلنا نہیں تھا تو بتا دیتے سعد۔"

مگر مجھے جو چاہیے تھا۔ وہ میں لے اڑا اس چکنے سرمئی پتھر کو میں نے سوٹ کیس میں سب سے نچلی تہ میں چھپا دیا۔

☆ ☆ ☆

بڑے دادا کا کمرہ۔

نواڑی رنگلا پلنگ۔ تپائی پہ رکھی رنگ برنگی دوائیں، صراحی اور پیتل کا گلاس۔ پلنگ کے ساتھ نیچے رکھا اگالدان۔

پائنتی رکھی بروکیڈ کی رضائی۔ عقب پہ ٹنگی بندوق ۔۔۔

اور بڑے دادا کی وہی آہیں۔ وہی کھانسی وہی سرد آہیں۔

اور ان آہوں اور کھانسی کے درمیانی وقفے میں بار بار کچھ کہنے کی کوشش کرتے ابو۔۔۔

مجھے اب جمائیاں آنے لگیں۔۔۔ کب سے ابو انہیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"وہ صبح سعد کو۔۔۔" اور کھانسی کا دورہ۔

"وہ آپ سوئے ہوں گے اس وقت تو میں نے سوچا ابھی۔۔۔" رضوان نے دوبارہ کہنے کی کوشش کی۔ مگر ۔۔۔

اس بار ذرا زیادہ طویل ہو گیا کھانسی کا دورانیہ۔۔۔ اور میری جمائیاں بھی یہ ذرا تھمیں تو وہ آہیں بھرنے لگے جو قدرے غنیمت تھیں۔

"بس اب ابھی اسے دعا دے کر رخصت۔۔۔" اب کے جو دورہ پڑا تو میری جمائیوں نے ہی ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لی۔۔۔ میں ابو کی بات مکمل ہونے کی امید چھوڑ کے اب بڑے دادا کی دواؤں کے لیبل پڑھنے لگا۔

"نہ بھیج اسے لہور۔" ابو کی بات تو کیا پوری ہوتی تھی۔ بڑے دادا نے اپنی شروع کر دی۔

"لہور جا کے منڈے خراب ہو جاتے ہیں سلمان کا حال یاد نہیں؟ وہ تو پھر بھلے وقت تھے۔۔۔ اب تو ماحول اور خراب ہو گیا ہے۔ لہور بھیجنے سے اچھا ہے اسے ولایت بھیج دے۔"

ان کے مشورے پہ ابو مسکرا دیے۔
"تو کیا ولایت جاکے لڑکے خراب نہیں ہو سکتے دادا جی؟؟"
"نہ اوتھے کی خراب ہونا۔ زیادہ سے زیادہ میم لے آئے گا۔ چنگا لے آوے۔ بچے سوہنے ہوں گے۔ نیلی آنکھوں سنہرے بالوں والے۔ مگر لہور نہ بابا۔ توبہ توبہ۔"
پھر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں سرہانے رکھی چھڑی اٹھا کے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے متوجہ کیا۔
"اوئے۔"
"جی بڑے دادا۔"
میں نے پسلی سہلائی۔ بڑے زور کی چبھی تھی چھڑی۔
"گل سن۔ خبردار جو تو نے وڈے بازار کا رخ کیا تو۔ میں ٹانگیں چیر دوں گا تیری۔"
"ہیں؟ وڈا بازار؟" میں ہونق سا ان کے دونوں کو تکنے لگا۔ ابو خاصے جز بز لگ رہے تھے۔
"دادا جی! آپ بھی کیا۔ اسے کیا پتا ان باتوں کا۔"
"کیوں؟ یہ چھوٹا کاکا ہے؟ تجھے کیا پتا نئی نسل کا کتنی کھوچل اور میسنی ہے اندرو اندری۔ سعد جیسے مجھے پتہ چلا کہ تو وڈے بازار جانے لگا ہے تو تیری خیر نہیں۔"
انہیں دوبارہ کھانسی کا دورہ پڑا اور ابو نے آنکھ سے مجھے کھسکنے کا اشارہ کیا۔
"ابو۔ یہ وڈا بازار کونسا ہوتا ہے؟"
نکلتے نکلتے میں نے سرگوشی میں پوچھا تو جواب میں انہوں نے تگڑی سی گھوری ڈالی۔

٭٭٭

علی الصباح نکلنا تھا۔ میں جانتا تھا وہ اس وقت کہاں ہو گی اس لیے بیگ اٹھائے سیدھا برآمدے میں آیا جہاں وہ جائے نماز بچھائے فجر کی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھی۔ میں دو قدم دور کھڑا چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کتنا اچھا لگتا تھا نا مجھے اسے یوں دیکھتے چپ جانا۔ دعا مانگنے کے بعد اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے پاس بلایا۔ میں وہیں گھٹنوں کے بل ٹھنڈے فرش پہ بیٹھ گیا۔ وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔
"ہنی۔۔۔ میں جن۔۔۔"
اس نے گھور کے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو میں پھر سے اپنے دل پسند شغل سے خود کو بہلانے لگا۔
اس کے دھلے دھلے چہرے پہ بند پلکوں کا ہلکا سا ارتعاش۔ ورد کرتے لب۔ پھر اس نے میرا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کر اپنے نزدیک کیا اور میرے دائیں کان میں پھونکتے ہوئے کہا۔
"فی امان اللہ۔۔۔"
"مجھے روک لو ہنی۔۔۔"
اور یہ تو میں پچھلے تین دنوں میں اسے کتنی بار کہہ چکا تھا۔
"فضول باتیں۔ پڑھنے کی چوری کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"
وہ دوپٹے کے پلو کی گرہ کھولتے ہوئے کچھ نکال رہی تھی۔
"آدھی جان تو میری جانے کے خیال سے نکل رہی ہے۔ باقی آدھی تم ناراضی کی دھمکی دے کر نکال دو۔"
اس نے کپڑے کی ایک دھجی میرے دائیں بازو پہ باندھنی چاہی۔
"اب یہ کیا ہے؟؟"
"امام ضامن۔"
اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو صرف لہجہ نہیں تھا جو بھیگ رہا تھا آنکھوں کے گوشے بھی تھے۔ میں نے انگلی کی پور پہ اس کی پلک پہ لٹکا آنسو چن لیا۔
"اسے بھی باندھ دو ساتھ۔ کیا کرو گی چھپا چھپا کے۔" وہ مسکرا دی۔
"بدھو۔"
"سعد۔"
مہپارہ پھوپھو کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"جاؤ ناں... دیر نہ ہو جائے۔" اس نے کاندھے سے پکڑ کے میرا رخ موڑا۔

"سب وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور تمہاری باتیں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔"

میں نے آنکھوں میں اس کا چہرہ بھرنا چاہا مگر کسی طرح سماتا ہی نہیں تھا۔ آنکھیں تو سب چھوڑ کے جاتا تھا۔ جانتا تھا مجھے رخصت کرنے وہ کبھی بھی باہر تک نہیں آئے گی۔ اس لیے میں نے کہا بھی نہیں اور جتنے نقوش میری دو آنکھوں میں سما سکتے تھے' ان کو ہی سمیٹ کر چل دیا جہاں مسلسل ہارن پہ ہارن بج رہے تھے۔

"آ بھی جاؤ سعد... تمہارے ابو کا ہاتھ نہیں ہٹنے والا ہارن سے۔" یہ امی تھیں جو پتا نہیں کیسے خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

"میرا شونا مونا جا رہا ہے؟"

اور یہ مہ پارہ پھوپھو تھیں جو میرے دونوں گال نوچتے ہوئے لاڈ جتا رہی تھیں۔ وہ لاڈ جو سال میں ایک آدھ بار آتا۔

میں نے ان سے اپنے گال چھڑاتے ہوئے اور کار میں بیٹھتے ہوئے ایک نظر مڑ کے پیچھے ڈالی۔ اس کے کمرے کی کھڑکی بند تھی۔ مگر جالی کے پردے کے پیچھے اس کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ جو فوراً" ہی ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی اداسی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹی... آنسوؤں کو اب کسی کا پردہ نہیں تھا۔ وہ دیوار پہ لگی اپنی اور سعد کی ان گنت تصویریں دیکھنے لگی۔ ہنستی مسکراتی تصویریں... زندہ جاگتی تصویریں۔

"ساری زندگی کوئی دوست نہیں بنا میرا... تم بھی نہ بنتے... کم از کم ایک اور اداسی تو میرے حصے نہ آتی۔"

"ہانی بی بی۔" سلمٰی نے جھانک کر پکارا۔

"بی بی جی کہہ رہی ہیں آپ کی خالہ کا فون ہے۔ آ کے سن لیں۔"

"خالہ؟" وہ چونکی۔

"ہاں جی... ولایت والی خالہ... وہ جو عید کے عید فون کرتی ہیں۔"

☼ ☼ ☼

ہاسٹل کی بلڈنگ کو دیکھتے ہی میرا دل ہولنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سنٹرل جیل کے سامنے کھڑا ہوں۔ ابو بڑے اطمینان سے ڈرائیور کو سامان اندر رکھوانے کا کہہ رہے تھے۔ پھر مجھے ڈپٹنے لگے۔

"اب بس بھی کرو سعد... مرد بنو یہ تمہارا پہلا قدم ہے گھر سے باہر ابھی تمہیں بہت آگے بڑھنا ہے۔"

میں برے برے منہ بناتا سر ہلا رہا تھا۔

"میں ہر ویک اینڈ پہ ڈرائیور کو بھیج دیا کروں گا۔"

"شکریہ اس عنایت کا۔"

"اور ہاں... سنو۔"

میرے جلے کٹے لہجے پہ بھی انہوں نے مزید ڈانٹنے سے پرہیز کیا اور کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگے۔

"وہ... دراصل... دادا جی کی بات نے میرے دل میں بھی وہم سا بیٹھ دیا ہے۔ دوستوں کے معاملے میں احتیاط کرنا۔ نہ تو ہر کسی سے یاریاں گانٹھنا... نہ ہر جگہ منہ اٹھا کے چلے جانا خاص طور پہ وہاں تو بالکل بھی نہیں۔"

"وہاں کہاں؟"

"وہیں... جہاں کا دادا جی نے بھی منع کیا تھا۔"

"اوہ... اچھا وہ وڈا بازار..." مگر میرا اس جگہ کا نام لینے سے ہی ابو کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"اوں ہوں۔ بالکل بھی نہیں ہرگز نہیں سمجھے۔"

کچھ نہ سمجھنے کے باوجود میں نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"دھیان سے سلمٰی یہ آلو کے چھلکے اتار رہی ہو یا تربوز کے اتنے موٹے؟ جلدی کس بات کی ہے؟ ایسے ہبڑ دھبڑ لگائی ہوئی ہے؟ نہیں جانا ہے تجھے؟" نائلہ کی جھڑکیاں سن کے سلمٰی کا تو جیسے دل کا چور پکڑا گیا۔

"نہیں بی بی جی۔ توبہ۔ میں نے بھلا اتنے شام ڈھلے کہاں جانا ہے۔"

اور پھر مہ پارہ کو آتے دیکھ کے سلمٰی کا رنگ اور فق ہو گیا۔ نائلہ تو ایک آدھ سوال کے بعد جان چھوڑ دیتیں۔ انہوں نے بھلا کہاں جان خلاصی کرنا تھی۔ مگر مہ پارہ کے اندر تو آگ ہی کھد بد لگی تھی سویرے سے۔ سلمٰی پہ دھیان کہاں دیتیں۔

"خیر تو ہے بھابھی۔ یہ ام ہانی کی خالہ کہاں سے زندہ ہو گئیں۔"

"یوں کہو۔ کہ بھانجی کی محبت زندہ ہو گئی۔"

"ہاں جی۔ عید سے پہلے ہی فون کر دیا انہوں نے اس بار۔" سلمٰی کے بولنے کی دیر تھی کہ نائلہ نے پہلے تو اسے باہر چلتا کیا۔

"ہر بات میں ناک گھسیڑتی ہے۔ جاؤ جا کے دادا جی سے پوچھو۔ رات کے کھانے میں دلیا لیں گے یا کھچڑی؟"

اس کے جانے کے بعد نائلہ نے پانی پیتی مہ پارہ کو بڑی رازداری سے بتایا۔

"غنیمت ہے۔ خیال تو آیا خالہ کو بھانجی کا اور وہ بھی نیک خیز۔ اس کا چھوٹا بیٹا جو ڈاکٹری کر رہا ہے اس کے لیے؟" اور مہ پارہ کو یہ سنتے ہی اچھو لگ گیا۔

☼ ☼ ☼

کروٹیں لے لے کر ہی میں تھک گیا تھا۔ ایک عجیب سی بے کلی تھی۔ دل کا کوئی کونہ خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔ شعیب۔ میرا روم میٹ۔ کجراتیا۔ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھ کتاب سے بار بار نظر ہٹا کے مجھے دیکھتا۔ اور میں مزید چڑ جاتا۔ آخر اس سے رہا نہیں گیا۔

"یا بات ہے؟ نیند نہیں آ رہی؟"

دل تو چاہا۔ کہوں "تمہیں کیا؟ تم کتاب میں منہ دو۔" مگر بے بسی سے انکار میں سر ہلا کے رہ گیا۔

"پہلی بار گھر سے دور ہوئے ہو؟"

"ہاں پہلی بار۔ پہلی بار دور ہوا ہوں اور احساس ہو رہا ہے کہ دور ہونا کسے کہتے ہیں۔"

"عادی ہو جاؤ گے میں تو بچپن سے ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ آرمی آفیسر کا بیٹا جو ہوا۔ چلو تمہیں بہلانے کے لیے کہیں گھمالاتا ہوں۔ کہاں چلو گے؟" وہ کتاب بند کرتے ہوا اٹھا اور مجھے اچانک یاد آیا۔

"سنو۔ یہ وڈا بازار کہاں ہے لاہور میں؟"

"واٹ۔" وہ پہلے چونکا پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"کیوں؟ دادا جی کو کیوں اعتراض ہو گا؟" نائلہ حیرت سے بولیں۔

"تمہیں ان کے خیالات کا اندازہ تو ہے۔ سلمان کی سالی کا بیٹا ہمارے لیے غیر ہے اس کی بیوی کو ہی تو ساری زندگی بہو کے طور پہ قبول نہیں کیا انہوں نے۔ کہ غیر برادری کی ہے۔" رضوان کے کہنے پہ وہ جھنجلا اٹھی۔

"اور وہ جو ولایت سے میم لانے کے لیے کہہ رہے تھے سعد کو۔ وہاں کون سی برادری بیٹھی ہے ہماری۔"

"یونہی کہا ہو گا اور پھر بھی گزرے سالوں نے اتنا تو فرق ڈالا ہے اب خاندان میں نئی بہوئیں باہر سے آئی ہیں۔ مگر بیٹی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسا ابھی تک نہیں ہوا۔"

"آخر پہلی بہو بھی تو کوئی لایا ہو گا۔ کسی کو تو اس معاملے میں بھی پہل کرنی ہے۔ اب کل پرسوں تک وہ لڑکا آ رہا ہے۔ مل تو لیں۔"

"نائلہ۔ ایک غیر جوان لڑکا۔ وہ بھی لندن پلٹ۔ ہمارے گھر آ کے رہے۔ وہ بھی کچھ دن کے لیے ہماری بچی کو جانچنے پرکھنے۔ وہ بالکل پسند نہیں کریں گے۔"

"ایک تو دادا جی نے حویلی پہ 1925ء کا آئین نافذ کر رکھا ہے۔ اب کون سا زمانہ رہا ہے ایسی باتوں کا۔ ہمارے لیے غیر سہی۔ ام ہانی کا تو سگا خالہ زاد ہے اور وہ اسے ہانی کو جانچنے پرکھنے کے لیے نہیں بھیج رہیں۔ ہمیں کہا ہے کہ ہم لڑکے کو دیکھ بھال لیں تو وہ اگلے

مینے آکے باقاعدہ رسم کریں۔"

"اور وہ جو تین چار دن رہنے کے بعد ام ہانی کو ناپسند کر کے چلا گیا تو؟" رضوان نے خدشے کا اظہار کیا۔

"کمی کیا ہے ام ہانی میں اور ماں نے بیٹے کو کچھ سمجھا کے ہی بھیجا ہو گا۔ ولایتی لوگ ہیں۔ بنا بیٹے کی رضامندی کے اتنی بڑی بات منہ سے نہیں نکالی ہو گی انہوں نے اور دیکھیں رضوان۔۔۔ رشتے ناتے ایسے ہی طے ہوتے ہیں۔ لڑکی بیاہنی ہے کہ نہیں؟ یا بہن کی طرح اسے بھی حویلی میں سجا کے رکھنا ہے۔"

"ایک تو تمہیں ہر موقعے پہ میری بہن چبھنے لگتی ہے۔" رضوان نے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ دیا۔ پتا تھا کہ مہ پارہ کی بات نکلی ہے تو دور تک جا پہنچے گی۔

"اللہ کے فضل سے ہے ہی ایسی نوکیلی۔۔۔ چبھ، چبھ جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے آنے دو لڑکے کو آگے جو ام ہانی کا نصیب وہ اتنی اچھی ہے اس کے ساتھ اچھا ہی ہونا چاہیے۔ سو دا جی کو بھی سمجھا دیں گے۔"

☼ ☼ ☼

شعیب اپنے تئیں بڑا مجھے بہلانے نکلا تھا۔ لاہور کی رونقیں، روشنیاں، گہما گہمی ان سب نے میری وحشت میں مزید اضافہ ہی کیا تھا۔۔۔ بہت ہی برے موڈ میں واپس آتے ہی میں نے اسے کال کی اور لڑنے لگا۔

"تم بہت بری ہو۔۔۔ بالکل بھی اچھی نہیں ہو۔۔۔ تم مجھ سے ملی بھی نہیں جاتے ہوئے۔"

"تم حرکتیں بھی تو بچوں والی کرتے ہو۔۔۔ اگر مجھ سے ملتے ہوئے رونے لگ جاتے تو سب کتنا مذاق بناتے تمہارا۔" اس کے بہانے کو میں خاطر نہ لایا۔

"جھوٹ، تمہیں ڈر تھا کہ تم خود رونے نہ لگ جاؤ۔" سچی بات سن کے اس نے بات ہی بدل دی۔

"اچھا تو تم نے لڑنے کے لیے فون کیا ہے؟"

"نہیں تمہاری آواز سننے کے لیے، پتا ہے ابھی تمہاری آواز سن کے کیسا لگا؟"

"کیسا لگا؟"

میں چپ ہو گیا جو محسوس ہوا تھا اس کی آواز سن کے وہ شاید لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی کچھ تو کہنا تھا۔

"اس وقت تمہاری آواز سننا ایسا ہے ہنی۔۔۔ جیسے گرمیوں کے روزے میں مغرب کی آواز سننا۔"

"آ رہی ہوں تائی اماں۔"

اس کی بلند پکار میں میری آدھی بات دب ہی گئی۔ نجانے باقی کی آدھی بھی اس نے سنی تھی یا نہیں۔

"میں بعد میں بات کرتی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

تھا تو رات کا پہلا پہر مگر سکوت آخری پہر والا چھایا تھا۔ ایک تو اماوس، اوپر سے جاتا جاڑا اور پھر شام سے ہونے والی بوندا باندی سب لحافوں میں دبکے پڑے تھے ایسے میں سلمیٰ کے پیروں کی پازیب خوب ہی راز کھول رہی تھی۔

تائی اماں کی بات سن کے اپنے کمرے کے لیے جاتی ام ہانی نے اس پازیب کی چھنک کو خوب پہچان لیا اور فوراً" ہی پچھلے دالان کی جانب کھلنے والے دروازے کی جانب آ کے اسے آن لیا۔

سلمیٰ گلابی کروشیے سے بھری سیاہ چادر میں سمٹ کے رہ گئی۔ اسے اس وقت ام ہانی کی گھورتی نظریں مہ پارہ کی نظروں سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔

"سلمیٰ تم اتنی رات کو باغیچے میں کیا کر رہی تھی۔"

"وہ میں۔۔۔ میں ہانی بی بی۔"

"پچھواڑے سے آ رہی ہو؟"

ام ہانی کی نظریں ساتھ ساتھ ادھر ادھر کسی اور کے وجود کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔ مگر دور تک صرف پیڑوں کے سیاہ ہیولے نظر آ رہے تھے۔

"میں تو۔"

"جھوٹ مت بولو میں نے خود دیکھا ہے۔"

ام ہانی نے ڈپٹ کر کہا تو سلمیٰ بالکل ہی ڈھے گئی۔ اور لگی واسطے دینے۔

"بی بی جی کو نہ بتانا ہانی بی بی۔۔۔ اللہ پاک کا واسطہ ہے

...پنجتن کا واسطہ۔"

"میں تو نہیں بتا رہی مگر یہ کم بخت تمہاری پازیبیں ضرور بتا دیں گی کسی دن' ان کو اتار کے دفعان ہوا کرنا۔"

ذرا سی چھوٹ کیا ملی کہ سلمیٰ چادر کا کونہ دانتوں میں دبا کر شرمانے لگی۔

"اس کو پسند ہے جی اور اسی کا تحفہ ہے۔ اسے پہنتی ہوں تو جی اٹھتی ہوں۔"

"بس جی لیا... اب یہی پازیبیں شور مچا کے تجھے مروائیں گی۔"

☼ ☼ ☼

"بے کار رہا... تم نے ٹھیک کہا تھا۔ تمہارا دل نہیں لگ سکتا یہاں۔"

شعیب مجھے بے زار سا بیڈ پہ پڑا دیکھ کے افسوس سے سرہلا رہا تھا۔

"بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ یہاں کیا۔ کہیں بھی نہیں لگے گا... کیونکہ..."

وہ ذرا سا رکا۔ پھر کھوجتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"کیونکہ دل تم کہیں اور لگا بیٹھے ہو۔"

کسلمندی سے لیٹے میں نے ایک دم آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ وہ اپنے اندازے کی درستگی پر مسکرا رہا تھا۔

"میں صحیح کہہ رہا ہوں؟"

میری ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے سوال کا جواب دیا وہ مزید بے تکلفی دکھاتا برابر پھیل کے لیٹ گیا۔

"کچھ بتاؤ گے نہیں؟"

"اوں ہوں... پہلے اسے تو بتا دوں۔"

☼ ☼ ☼

ناشتے کی میز پہ آلو کی بھجیا اور تل والے پراٹھے رکھتے ہوئے نائلہ کو سعد کی یاد پہلے سے کچھ بڑھ کے آئی۔

"آج تیسرا دن ہے سعد کو گئے۔"

"تین دن اور صبر کے ساتھ گزار لو... ویک اینڈ پہ بلوا لیتا ہوں۔" رضوان نے تسلی دی۔

"وہ جی مہمان آگئے ہیں ولایت والے۔"

سلمیٰ کے آکے اطلاع دینے پہ رضوان پہلا نوالہ توڑتے توڑتے رکے اور جلدی سے اٹھے۔

"اوہو... نائلہ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں دلایا ہمیں ڈرائیور بھیجنا چاہیے تھا ایئرپورٹ۔"

"کچھ زیادہ جلدی نہیں دکھائی امہ ہانی کی خالہ نے؟"

مہ پارہ انڈوں کا حلوہ کھاتے ہوئے بھی حلق کی تلخی کو محسوس کر رہی تھیں۔

"بیٹی کا معاملہ ہے۔ جتنی جلدی فرض ادا ہو جائے اتنا اچھا۔"

نائلہ نے رضوان کے پیچھے پیچھے جاتے جاتے کہا ...اور جلتی بھنتی مہ پارہ نے ہاتھ کا چمچہ پیالی میں واپس پٹخا۔

"ہاں اب سب کو جلدیاں سوجھ رہی ہیں میرے تو سر کے بال بھی پکا ڈالے بٹھا بٹھا کے۔" اور وہ اپنا موڈ تب بھی ٹھیک نہ رکھ سکی جب جنید بڑے مودب انداز میں سب کے درمیان بیٹھا ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں مسلسل کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"تمہارے گھر میں سب خیریت ہے بیٹا۔" نائلہ کے پوچھنے کے دوران مہ پارہ مسلسل جنید کی نظروں کی بے چینی نوٹ کر رہی تھی۔

"جی سب ٹھیک ہیں ماما نے سلام بھجوایا ہے۔"

"وعلیکم اسلام... سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" رضوان کے سوال کے جواب میں بھی وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"جی نہیں آرام سے کٹ گیا۔"

"کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" آخر مہ پارہ سے رہا نہ گیا۔

"جی نہیں کسی کو بھی نہیں۔" بے چارہ بوکھلا کے رہ گیا۔

"آپ کی حویلی بہت خوب صورت ہے۔"

"امہ ہانی اسکول سے بس آتی ہی ہوگی۔" نائلہ نے

مسکرا کے وہ جواب دیا۔ جس کا سوال وہ کر نہ پا رہا تھا۔

"اسکول؟" جنید کے استفسار پہ رضوان نے وضاحت کی۔

"سلمان کی وفات کے بعد میں نے اس کے نام سے قصبے میں ایک ٹرسٹ اسکول اور ایک چھوٹا سا ہاسپٹل بنوایا تھا۔ اپنی ایجوکیشن مکمل کرنے کے بعد ام ہانی ہی اس اسکول کو دیکھ رہی ہے۔"

"اوہ... thats great۔"

اسی وقت ام ہانی اندر داخل ہوئی... اور جھجکتے سنبھلتے سلام کیا۔

"السلام علیکم۔"

مہپارہ نے جنید کے چہرے پہ وہ پسندیدگی دیکھی... جو ام ہانی کی پہلی جھلک کے بعد ہی نمایاں ہو گئی تھی۔ ان کی بے آرامی اور بڑھ گئی... وہ پہلو بدلنے لگی۔

"اوہ... کیسے ہیں آپ؟ خالہ کیسی ہیں وہ کیوں نہیں آئیں؟ انہیں بھی ساتھ لے آتے۔"

اس کا جواب جنید کی بجائے نائلہ نے بڑی ہی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیا۔

"آجائیں گی... وہ بھی آجائیں گی... بہت جلدی ان شاء اللہ۔"

☼ ☼ ☼

اور میرے دل کا ایک نہیں جیسے ہر کونا خالی ہو رہا تھا۔ بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو نقش میں آنکھوں میں سمو کے لایا تھا۔ پتا نہیں وہ دھندلے کیوں پڑ رہے تھے کیا؟ آنکھوں کی نمی اتنی بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے اندازہ نہیں تھا یہ جگہ اتنی خوب صورت ہو گی۔" جنید نے جھروکے سے جھانکتے ہوئے دور تک پھیلے سبزے کا نظارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پہلے کبھی پاکستان نہیں آئے؟"

"آیا تھا۔ دو بار... مگر ایک تو اس جگہ کبھی نہیں آیا' صرف لاہور اور کراچی گیا... دوسرا بہت پرانی بات ہے آخری بار جب آیا تو کوئی بارہ تیرہ سال کا تھا۔"

"کب کی بات ہے یہ؟" وہ یونہی پوچھ رہی تھی... بات برائے بات مگر وہ مسکرا اٹھا۔

"آپ میری Age جاننا چاہ رہی ہیں تو ڈائریکٹ پوچھ لیں۔"

"نہیں نہیں۔" وہ شرمندہ ہو اٹھی... بلاوجہ ہی۔

"میں آپ کی Age جان کے کیا کروں گی؟"

"جاننی چاہیے آپ کو میرے بارے میں سب کچھ جاننا چاہیے... اسی لیے تو آیا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ جنید کی اس بات پہ کچھ غور کرتی اندر سے آتی فون کی مسلسل آواز نے اسے پلٹنے پہ مجبور کیا۔

"ایکسکیوزمی... میں ذرا فون سن لوں۔" جنید بھی اس کے پیچھے پیچھے ہال تک آگیا۔

"ہیلو۔"

دوسری جانب میں تھا جو بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"کہاں تھیں تم؟ اتنی دیر سے فون اٹھایا؟"

"پہلے تم بتاؤ... تم کہاں ہو یہ ٹائم تو تمہاری کلاس کا ہے۔" ام ہانی نے رعب جھاڑنا چاہا... جسے میں ذرا خاطر میں نہ لایا۔

"ہاں... لیکچر درمیان میں چھوڑ کے آیا ہوں۔ اب تم نہ شروع کر دینا اپنا لیکچر میں تمہیں مس کر رہا ہوں بہت۔"

"نہ پڑھنے کے بہانے۔" ام ہانی نے ہنسی روکی۔

"تم نے مجھے یاد کیا؟" میں بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں... دو تین دن تو کافی۔"

"اور اس کے بعد؟ کافی سے بھی بہت زیادہ؟" میرے لہجے کی امید اور بڑھی۔

"نہیں... پھر ٹائم ہی نہیں ملا... آج صبح جنید آ گئے۔ ان کو کمپنی دے رہی ہوں۔ کل انہیں فارم ہاؤس اور اپنا اسکول بھی دکھانا ہے۔"

"کون جنید؟" میں چونکا۔

"کزن ہیں میرے۔"

"وہ تو میں ہوں۔" میں باقاعدہ برا مان گیا۔

"بدھو۔۔۔ تم اکیلے تھوڑا ہی ہو۔۔۔ کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔" اس بات پہ تو جیسے میرا فیوز ہی اڑ گیا۔ میں نے کال فوراً "کٹ" دی۔

"ارے۔۔۔ سعد ہیلو۔"

اور ریسیور رکھتی مڑی جنید صوفے پہ بیٹھا کسی میگزین کے ورق الٹ رہا تھا۔

"سوری۔۔۔ سعد کی کال تھی۔۔۔ کزن ہے میرا۔"

"وہ تو میں ہوں۔" جنید نے میگزین رکھتے ہوئے اسے مسکرا کے دیکھا۔

"آپ اکیلے تھوڑا ہی ہیں اور پھر آپ تو صرف کزن ہیں۔۔۔ وہ تو اور بھی بہت کچھ ہے میرا سب سے اچھا دوست میرے بچپن کا ساتھی۔۔۔ میرے ہر دکھ سکھ کا شریک۔"

"وہ تو میں بھی ہو سکتا ہوں۔"

ام ہانی دوسری بار اس کی بات پر ٹھٹکی۔۔۔ اور الجھی پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"نہیں، جو سعد ہے وہ کوئی اور نہیں ہو سکتا اس کی جگہ کوئی اور لے ہی نہیں سکتا۔"

فون بند کرنے کے بعد ہی میں سن سا بیٹھا رہا جیسے دماغ میں جھکڑ چل رہے ہوں۔

"بدھو۔۔۔ تم اکیلے تھوڑا ہی ہو۔" میرے ہاتھوں پیروں میں جان ہی نہ رہی۔

"کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔" ام ہانی کی اتراتی آواز نے ان بے جان ہاتھ پیروں میں جیسے روح پھونک ڈالی۔۔۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں کوئی اور نہیں ہو سکتا کوئی اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔"

"اور اگلے ہی پل میں بھاگتا ہوا کالج کے گیٹ سے روڈ پہ تھا۔

✲ ✲ ✲
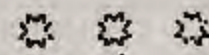
ام ہانی جنید کو قصبے کی سیر کرانے لے جا رہی تھی۔

"پتا نہیں آپ کو یہ جگہ پسند بھی آئی ہے یا نہیں۔"

"ابھی تک تو جو دیکھا ہے۔۔۔ وہ بہت پسند آیا ہے۔۔۔ دل سے۔"

جنید کے الفاظ۔۔۔ اس کا لہجہ ہر بار ام ہانی کو الجھا سا جاتا تھا۔ وہ ایک بار پھر الجھن بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی مگر جنید کے چہرے پہ ایک سادہ معصوم سی مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

"میرا مطلب ہے یہ حویلی بہت شاندار ہے۔"

دونوں کے قدم بڑے سے لکڑی کے پھاٹک کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جنید مڑ مڑ کے پیچھے دیکھ رہا تھا پھر پوچھے بنا رہ نہ سکا۔

"وہ کیلے کے جھنڈ کے پیچھے جو کھنڈر نما عمارت نظر آ رہی ہے کیا وہ بھی حویلی کا ہی حصہ ہے؟"

"جی کہہ سکتے ہیں۔" وہ بھی چلتے چلتے رکی۔

"مگر اب استعمال میں نہیں ہے۔ تقریباً پچاس ساٹھ سال سے۔" "واؤ۔۔۔ پھر تو میں اسے ضرور دیکھنا چاہوں گا۔" جنید کی فرمائش پہ وہ کچھ تذبذب کا شکار ہو گئی۔

"اسے دیکھ کے آپ کیا کریں گے۔ چند بوسیدہ دیواریں، گرتی چھتیں اور خود رو گھاس میں جنگلی پودے۔"

"یہ بتا کے تو آپ نے میرا شوق اور بھی بڑھا دیا ہے۔ ارے کہیں آپ اس پرانی جگہ پہ جاتے ہوئے ڈر تو نہیں رہیں۔"

"جی نہیں۔۔۔ میرا تو بچپن اور لڑکپن وہیں کھیلتے گزرا ہے ڈر کیسا وہ جگہ تو میری سہیلی ہے۔"

"میں آپ کی سہیلی سے ملنا چاہوں گا۔ ابھی۔"

جنید اسی جانب بڑھ گیا تو ام ہانی اسے روکتے روکتے ہچکچا سی گئی اور پھر چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی۔

کھنڈر ویرانی اور وحشت سے منسوب ہوتا ہے۔۔۔ مگر یہ خواب نگر عجب تھا۔ یہاں آتے ہی اندر کی تنہائی دوست بن جاتی تھی اور وحشت نیم خوابیدہ سی ہو جاتی تھی۔۔۔ جنید نے بھی وہی سکون محسوس کیا وہاں آ کے۔

پیروں تلے آ کے کسمسا کے کراہتے زرد پتے۔۔۔ بڑے سے برگد کے پیڑ تلے کچی مٹی پہ چاک سے بنے

امہانی کے پسندیدہ کھیل کا خاکہ۔

پیڑ کے دوسری جانب لٹکتا جھولا۔۔۔ جس پہ اب کھمبیاں اگ آئی تھیں۔

آنگن کے وسط میں لال کناروں والا کنواں۔۔۔ جس کا ڈول ہوا کے دوش پہ ہلتا ایک کھنک سی پیدا کر رہا تھا۔ جنید بھی مبہوت سا ہو گیا۔

"بیوٹی فل۔۔۔"

"کچھ اور آگے بڑھ کے راہداری کے اکھڑے فرش پر پیر جماتا جماتا وہ رکا۔۔۔ راہداری کی داہنی دیوار ساری کی ساری مختلف تصویروں سے بھری تھی۔۔۔ کہیں قدرتی مناظر کو ابھارا گیا تھا تو کہیں ناشناسا نقوش والے چہرے۔

"یہ آرٹ ورک؟"

"میرا شوق ہے۔" جنید کے پوچھنے پہ بتاتی بتاتی وہ کچھ شرمائی۔

"بہت آرٹسٹک مزاج ہے آپ کا۔۔۔"

راہداری پچھلے دالان میں نکلتی تھی وہاں پہنچ کر جنید پھر سے رکا۔۔۔ اس بار نظروں میں حیرت اور بھی نمایاں تھی۔ دیواروں پہ۔ دروازوں پہ۔۔۔ ستونوں پہ۔۔۔ جا بجا سعد اور امہانی کا نام بمع تاریخ کے لکھا تھا نام وہی تاریخ ہر بار مختلف۔۔۔

"اور۔۔۔ یہ؟ یہ کس کا شوق ہے؟" اب وہ سنجیدہ تھا۔

"یہ سعد کا شوق ہے۔"

❁ ❁ ❁

میں پہلی بار نوکل بس میں بیٹھا تھا اس سے پہلے صرف راستوں میں آتے جاتے پاس سے گزری ان بڑی بڑی رنگین بسوں کے پیچھے لکھے صرف اشعار ہی پڑھے تھے۔ مگر اب میں دوسرے بہت سے مسافروں کے ساتھ تھا اس میں بجتے اعلا ذوق کے میوزک سے بھی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا خود کو۔

ہاں' بہلانے کی کوشش۔۔۔ دھیان بار بار امہانی کی ان ہی الفاظ میں اٹک جاتا تھا جو نیزے کی طرح کھبے تھے دل میں۔

"تم اکیلے تھوڑا ہی ہو۔۔۔ کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔"

یہ الفاظ۔۔۔ ان کی چبھن۔۔۔ ان کی جلن اس چند گھنٹے کے سفر کو بہت طویل۔۔۔ بہت کٹھن اور بہت تکلیف دہ بنا رہی تھی۔ پہلے میں نے دھیان ہٹانے کے لیے ادھر ادھر جائزہ لینا چاہا۔

سامنے والی سیٹ پہ براجمان سرمئی ٹوپی برقعے والی خاتون۔۔۔ جن کی گود میں بڑا سا ٹفن تھا اور ٹفن سے اٹھتی دیسی گھی کی خوشبو' ان کے ساتھ بیٹھی ان کی چودہ پندرہ سال کی بیٹی جس کے نقوش اس کی کم عمری کی چغلی کھا رہے تھے مگر نظروں کی بے باکی۔۔۔ میں نے گھبرا کے نگاہیں دوسری جانب کیں۔

ایک نو بیاہتا دیہاتی جوڑا۔۔۔ مرد نے شاید شادی کے دن سے لے کر آج تک یہ بوسکی کا شلوار قمیص اور واسکٹ تبدیل نہیں کی تھی۔ پسینے کی بدبو کے بھبکے یہاں تک آ رہے تھے مگر اس کی نارنجی جوڑے' نارنجی لپ اسٹک اور گولڈن سینڈل والی بیوی اس سے چپکی بیٹھی مسکرا رہی تھی۔۔۔ مسکراتے ہوئے اس کے ماس خورے کے شکار مسوڑھے عجیب کراہیت دلا رہے تھے۔ میں نے گھن کھاتے ہوئے رخ ہی بدل لیا۔

وہاں ایک مولوی صاحب ڈکار پہ ڈکار لیے توند کھجا رہے تھے۔۔۔ اور جب ڈکاروں کا سلسلہ تھمتا تو کنڈیکٹر کو بے ہنگم موسیقی بند کرنے کی نصیحت کرتے۔

میں نے آخر اس موسیقی میں ہی پناہ لینی چاہی بصارت کا امتحان بہت لے لیا تھا۔ شاید سماعتیں ہی اس سفر کی دشواریوں کو سہل بنا دیتیں۔

"تیرے جیا مینوں ہور نہ کوئی۔۔۔
ڈھونڈاں جنگل 'بیلہ' روہی۔۔۔
چھیتی مڑیں وے طبیبا۔۔۔
نئیں تے میں مر گئی آں۔۔۔"

مجھے سچ میں سکون سا آنے لگا۔۔۔ آنکھیں موند کے میں کچی پکی سڑک کی وجہ سے ملنے والے ہچکولوں کے مزے لینے لگا۔

سانوں گھائل کرکے خیر خبر نہ لئی آ...

چھیتی مڑیں وے طبیبا...
نئیں تے میں مر گئی آں...

اچانک بس ایک جھٹکے سے رکی... میری سماعتیں اب عجیب سے شور سے جھنجلا اٹھیں... کوفت سے آنکھیں کھولیں تو بس ایک ویران' اجاڑ سڑک پہ رکی کھڑی تھی۔

"اوئے اینہوں تیرے سوہرے نیں؟؟" ایک اکھڑ سے شخص نے کنڈیکٹر سے استفسار کیا۔

"بس خراب ہوگئی ہے جی... ٹیم لگے گا۔"

میری بے چینی' بے کلی پھر سے عود کر آئی... دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح میں بھی بس سے نیچے اترا... پیروں کے نیچے سنگلاخ زمین شاید اتنی نہیں تپ رہی تھی۔ جتنا سینک میرے دل سے اٹھ رہا تھا... تپتے جلتے وجود نے مجھے ایک پل وہاں نہ کھڑا ہونے دیا اور میں پیدل چل پڑا۔ جیسے باقی کا ڈیڑھ گھنٹے کا سفر انہی قدموں پہ تو کروں گا۔

تیرے عشق نچایا...
کر تھیا تھیا...
تیرے عشق نچایا...

پندرہ بیس منٹ شاید پندرہ صدیوں پہ محیط ہوگئے تھے۔

"کوئی اور... کوئی اور... کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔" یہ کوڑے مجھے ننگے بدن پہ پڑتے اور چابک کھائے گھوڑے کی طرح میں سرپٹ بھاگنے لگتا۔

اور پھر سامنے سے آتے ٹرالر کو دیکھ کے میں نے یونہی لفٹ کا اشارہ بھی کر دیا۔ نہیں... میں تھکا نہیں تھا اس وقت تھکن کا احساس ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر میں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ خلاف امید چارے سے بھرے اس ٹرالر میں بھی جگہ دے دی گئی اب میں ایک گھنٹے تک وہاں پہنچ سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھے دوستوں میں... اور پھر بچپن کے دوستوں میں جھگڑے تو ہوتے ہی ہیں۔"

وہ دیوار پہ لکھے اپنے اور اس کے نام پر محبت سے ہاتھ پھیرتی جنید کو بتا رہی تھی۔

"ہم بھی خوب لڑتے ہیں اور پھر مان جاتے ہیں۔ پھر جھگڑے کے بعد ہونے والی صلح پہ سعد اپنا اور میرا نام یہاں لکھتا ہے اور تاریخ بھی۔"

بتاتے بتاتے وہ مڑی اور ہنس پڑی۔

"بدھو۔"

"لگتا ہے جیسے آپ دونوں زیادہ تر جھگڑتے ہی رہتے ہیں... سب دیواریں بھر چکی ہیں یعنی ہر بار نئے سرے سے ہونے والی دوستی کی روایت ہے یہ۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"تو ایک نئی دوستی کی شروعات بھی اسی روایت سے ہونی چاہیے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ زمین پہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ ام ہانی اس کی بات کا مطلب تو نہ سمجھی مگر جب اسے زمین سے ایک چاک کا ٹکڑا اٹھا کے سیدھا ہوتے دیکھا تو چونک گئی۔

"ہوں... تو آج ڈیٹ کیا ہے؟؟"

وہ چاک کا ٹکڑا ہاتھ میں لیے دیوار پہ خالی جگہ تلاش رہا تھا۔

"نہیں... پلیز... جنید۔" وہ گھبرا گئی مگر جنید نظر انداز کرتا ایک کونے میں اپنا نام لکھنے لگا۔

"جنید..." وہ احتجاجاً چلا اٹھی۔

"جھگڑا نہیں ہوا تو کیا ہوا... مگر دوستی تو ہوئی ہے آج۔"

"ہاں... وہ تو ٹھیک ہے... مگر آپ پلیز آپ یہاں۔" وہ گھبراہٹ کے عالم میں اب اسے اپنا نام لکھتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے نام کے بالکل ساتھ۔

"چلیں دیکھتے ہیں ہم اپنا نام یہاں کتنی بار لکھیں گے۔ Hopefully زیادہ بار نہیں کیونکہ ہم بہت کم لڑیں گے۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں... یہ جگہ۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"چلیں۔۔۔ اب آپ کا اسکول دیکھ لیں۔"

جیب سے رومال نکال کے ہاتھ صاف کرتا وہ آگے چل پڑا۔ ام ہانی نے چلتے چلتے مڑ کے بے بسی سے اپنے اور جنید کے نام کو دیوار پر لکھا دیکھا۔ اسے یکایک ہی جنید کا ساتھ چبھنے سا لگا۔۔۔ فضول آدمی بلاوجہ کی بے تکلفی۔

☼ ☼ ☼

"سلمی۔۔۔ سلمی۔۔۔ او سلمی۔۔۔ منحوس۔"

مہ پارہ سلمی کو پوری حویلی میں پکارتی پھر رہی تھی۔ نائلہ نے دیکھ کر بتایا۔

"وہ تو صبح کی نکلی تھی حکیم سے دوا لانے کا کہہ کر ابھی تک نہیں لوٹی۔"

"کس بات کی دوا۔۔۔ ہٹی کٹی تو ہے اور کونسے کوہ قاف کے حکیم سے دوا لینے گئی ہے جو شام کر ڈالی آپ نے بھی ناں بھابھی۔ حد سے زیادہ چھوٹ دے رکھی ہے ملازموں کو۔۔۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں۔۔۔ منہ زور جوانی ہے اور اس ملازم پیشہ طبقے پہ تو جوانی ویسے بھی اندھی بہری ہو کے آتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ ہاتھ ملتی رہ جائیں۔"

مہ پارہ پھر شروع ہو جاتی تو کون چپ کرا سکتا تھا۔ نائلہ نے وہاں سے کھسک لینے میں ہی عافیت جانی۔

"توبہ ہے مہ پارہ۔۔۔ تمہیں تو موقع چاہیے۔"

"ہونہہ۔۔۔ رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے ہیں اب تو حویلی کے۔" مہ پارہ ناگواری سے بھابھی کو جاتا دیکھ کے بڑبڑانے لگی۔

"کہاں تو منڈیر پہ دوپٹا تک دھو کے نہیں ڈالا جاتا تھا کہ آتے جاتے کی نظر بہو بیٹی کے آنچل پہ نہ پڑے اور اب۔۔۔ دیکھو تو ام ہانی کو صبح سے اس غیر مرد کے ساتھ سیر سپاٹے کرنے کے لیے چھوڑا ہوا ہے۔"

تو پیا سے مل کے آئی ہے
بس آج سے نیند پرائی ہے
پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے
سلمی گنگناتی۔۔۔ بہکے قدموں کے ساتھ ڈولتی پھاٹک سے داخل ہو رہی تھی۔

"تو لاکھ چلے ری گوری۔"

اور مجھے ایک دم سے اپنے سامنے دیکھ کے اس کی گنگناہٹ سہم گئی۔

"تھم۔۔۔ تھم۔۔۔ کے۔"

"سنو ہنی سکول سے آ گئی؟" میں نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"وہ تو جی۔۔۔ گئی ہی نہیں۔" حواسوں میں آتے ہوئے سلمی نے ذرا غور سے میرا جائزہ لیا۔ شاید وہ میرے بالوں میں پھنسے۔۔۔ اور کپڑوں پہ لگے گھاس پھونس کو دیکھ کے حیران ہو رہی تھی۔

"اندر ہے؟"

مجھے تسلی ہوئی۔ میں بھی تو ابھی ابھی آیا تھا۔ اندر نہیں گیا تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ میں صبح جب نکلی تھی حویلی سے تو وہ وہاں پیچھے کھنڈر لے کر جا رہی تھیں ولایت والے مہمان کو۔"

"کیا؟"

مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میری سلطنت پہ شب خون مارا ہو۔۔۔ چند منٹ پہلے بھاگتا ہوا ہی اندر داخل ہوا تھا۔ پھر سے بھاگتے ہوئے اپنے خواب نگر کی طرف جانے لگا۔ لیکن میں بھاگا نہیں تھا۔۔۔ میں تو گویا اڑ کے وہاں پہنچا تھا۔۔۔ ہانپتے ہوئے میں نے اسے تلاش کرنے کے لیے نظر دوڑائی۔۔۔ وہ وہاں نہیں تھی۔۔۔ نہ لورا۔۔۔ مگر کچھ تھا کچھ غیر معمولی کچھ انجانا سا جو مجھے کھٹک رہا تھا میں اس کی کھوج لگائے بنا یہاں سے واپس کیسے جا سکتا تھا اور پھر میری نظروں نے اس انجان چیز کو دریافت کر لیا۔ اور سامنے کی دیوار پہ لکھا ام ہانی کا نام تھا۔ لیکن غیر معمولی اور چونکانے والی بات یہ تھی کہ وہ میری لکھائی میں نہیں تھا اس سے بھی بڑھ کے جھنجوڑنے والی بات یہ تھی کہ اس نام کے ساتھ اس بار سعد رضوان نہیں بلکہ کسی جنید کا نام لکھا تھا۔

"تم اکیلے تو نہیں ہو۔۔۔ کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے؟"

ایک نشتر سا چلا تھا میرے دل پہ...

اس چھوٹے سے اسکول میں چار کمرے تھے اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جس کے درودیوار اس کے ہاتھ کی بنی تصویروں سے محروم ہوں۔

"یہاں کے غریب بچوں کو تعلیم دے کر مجھے سکون ملتا ہے۔ بڑے دادا نے ابو کی یاد میں یہ ٹرسٹ اسکول بنا کے ان کی روح کو بھی وہی سکون دیا ہے۔"

"تم اتنی ٹیلنٹڈ لڑکی ہو۔ بہت کچھ کر سکتی تھیں اور بہت کچھ کر سکتی ہو۔" جنید سچ مچ متاثر نظر آرہا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ یہاں کے ڈگری کالج سے سمپل سا بی اے کرنے کے بعد تم اس اسکول میں خود کو ضائع کر رہی ہو۔" ام ہانی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"اگر دل کا سکون خود کو ضائع کر کے ملتا ہے تو میں خود کو بار بار ضائع کرنا چاہوں گی۔" اب جنید کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

"شام ہو گئی چلتے ہیں اب۔" وہ گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے تشویش سے کہنے لگی۔

"یہاں کا Sun set دیکھنے کا بھی اپنا ہی چارم ہو گا۔ نہر کے پاس بیٹھ کے سورج کو غروب ہوتے دیکھتے ہیں۔"

"نہیں... شام سے پہلے پہلے ہر حال میں واپس جانا ہو گا ورنہ پھوپھو..."

جماعت کے دروازے پہ مجھے کھڑا دیکھ کے وہ بات کرنا بھول گئی۔ میرا آنا تو غیر متوقع تھا ہی... مگر شاید میری حالت نے اس کو زیادہ چونکایا تھا۔

اس ابتر سفر کے ابتر ترین حالات میرے حلیے اور لباس سے ظاہر ہو رہے تھے۔ میلی شرٹ، بکھرے بال، تھکن، پسینہ لیکن اس کے علاوہ میرے چہرے پہ میری آنکھوں میں جو بہت سے شکوے رقم تھے۔ وہ اسے زیادہ ہراساں کر رہے تھے۔

"سعد..."

اس نے پکارا... مگر میرے اندر اس پکار نے بھی آج شگوفے نہیں کھلائے... میری نظریں یونہی شرر برساتی رہیں... جنید مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر میں ذرا توجہ نہیں دے رہا تھا اس پہ... اور نہ ہی ام ہانی... وہ تشویش سے میری جانب بڑھ رہی تھی۔

"کیا ہوا سعد؟ تم ٹھیک ہو؟ یوں بنا بتائے اچانک؟"

اسے میرے اچانک آنے پہ تشویش تھی... میری نظروں کے گلے شکوے اسے سمجھ نہیں آرہے تھے۔ میں اور تپ گیا ایک سلگتی ہوئی نظر میں نے جنید پہ ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جانے لگا۔ وہ مجھے پکارتی پیچھے تک آئی تھی۔

"سعد... سنو تو کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" یہ پوچھنے کی ضرورت باقی تھی اب... میں تقریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا... پھر میں نے دروازہ لاک کر دیا۔ کیوں بتاتا میں اسے کہ کیا ہوا؟ خود جانے... خود سمجھے... ناراض ناراض سا اب میں دروازے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

اب ہو گی دستک۔

ابھی ہو گی...

بس... آئی ہو گی وہ۔

☆ ☆

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

فائزہ افتخار

سائبان جاں

دوسری قسط

ام ہانی کے تلووں کے نیچے جیسے انگارے بھرے ہوئے تھے زمین پہ لگا ہی نہیں پارہی تھی بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑتی ہوئی بند دروازے کے اس پار پہنچ کے سعد سے اس کی ناراضی کا سبب پوچھ لے۔ حالانکہ پوچھا کیا۔ جانتی تو وہ تھی مگر پوچھتی۔ جواب سنتی۔ تب ہی منانے اور وضاحت دینے کی نوبت آتی نال۔ مگر پھر اس کے چلتے چلتے پیر تھم گئے۔

اس کے اور بند دروازے کے بیچ مہ پارہ پھوپھو کھڑی اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"یہ وقت ہے تمہارے گھر لوٹنے کا؟"

ہمیشہ کی طرح ان کے سرد الفاظ سے زیادہ ان کے برفیلی نظروں نے اسے حواس باختہ کردیا۔

"جی وہ پھوپھو پتا نہیں کیسے دیر ہو گئی دھیان ہی نہیں رہا۔"

نظریں جواب دینے کے دوران بھی ان کے پیچھے والے بند دروازے پہ دستک دے رہی تھیں۔

"دھیان قابو میں رکھا کرو بی بی۔ اتنی اوسان خطا کرنے اور آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے فاختاؤں کو زیادہ اونچی اڑان بھرنا راس نہیں آتی۔ ایک بلندی پہ جانے کے بعد وہ اندھی ہو جاتی ہیں۔"

"جی؟"

اس کی حیران نظروں میں مزید ہراس پیدا ہوا۔

"ولایت جانے کے خیال سے ہی تو اڑی پھر رہی ہو۔ بھابھی نے بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ سوچے بنا کہ ابھی صرف ذکر چھیڑا ہے بات بنی نہیں ہے۔ چار دن گھومنے پھرنے اور موج مستی کرنے کے بعد وہ ٹکا سا جواب دے کر چلا گیا تو ہونہہ۔"

زہر اگلنے کے بعد وہ سر جھٹکتی ہوئی ام ہانی کو اسی حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا چھوڑ کے آگے بڑھ گئیں۔ ام ہانی ایک غوطہ کھا کے نکلی جھرجھری سی لی اور ان کے پیچھے لپکی۔

"پھوپھو۔ پھوپھو ایک منٹ۔" اور ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"کیسا جواب، پلیز کھل کے بتائیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ آپ۔ آپ کہہ کیا رہی ہیں؟"

"لو ہو۔ اتنی ہی بھولی ہو ناں تم۔ اسی لیے آگے پیچھے گھوم رہی ہو اپنے اس کزن کے دل لبھا رہی ہو اس کا کہ تمہاری خالہ نے رشتہ جو ڈال دیا ہے مگر لڑکی یہ ولایت پلٹ لڑکے ہیں ماں کے کہنے پر نہیں کرتے زندگی کے فیصلے، ہاں گھومنا پھرنا الگ بات ہے۔"

اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور سوال کرتی مہ پارہ یہ جا وہ جا۔

کتنی ہی دیر سکتے کے عالم میں کھڑے رہنے کے بعد ام ہانی ہوش میں آئی اور ان الجھے ہوئے طنز میں ڈوبے سوالوں کے جواب لینے نائلہ کے پاس پہنچی جو الگ الجھی ہوئی تھیں پہلے ہی سے۔

ایک تو سعد کا بے وقت بنا بتائے آجانا، پھر آتے ہی کمرے میں بند ہو جانا، اس پہ رضوان کا اس کی گوشمالی کے لیے اسے طلب کرنا اور پھر یہ گھرداری کے بکھیڑے، وہ رانی کے سر پر سوار اسے دوپہر کے کھانے

کے لیے ہدایت بھی دے رہی تھیں کہ ایک تو دلوا جی کو کھانا پورے ساڑھے بارہ بجے چاہیے ہوتا ہے دوسرا مہمان بھی موجود تھا گھر میں مگر دھیان تھا کہ گول کمرے میں اٹکا تھا جہاں رضوان بے چینی سے چکر کاٹتے سعد کے انتظار میں تھے اور اوپر سے ام ہانی نے مزید انہیں حواس باختہ کر دیا۔

"پلیز بتایئے ناں بڑی امی۔"

"ایک تو یہ مہ پارہ۔" پلاؤ کا بگھار بھونتے انہیں جی بھر کے نند پہ تاؤ آیا۔

"بہت جلدی ہوتی ہے اسے ہر کام کی اب بھلا کوئی تک ہے اس بے ڈھنگے انداز میں بتانے کی۔"

"مطلب وہ سچ کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں... میں بھی تمہیں آج رات بتانے ہی والی تھی مگر ذرا سلیقے سبھاؤ سے۔ ایسے نہیں کہ گھما کے سر پہ دے ماری بات۔"

لونگیں گن کے ڈالتے ہوئے وہ ناگواری سے کہنے لگیں جبکہ ام ہانی رونے والی ہو گئی۔

"مگر... مگر... وہ تو مگر کیوں؟"

نائلہ اب کیا کیا فکر پالتیں اس کے آنسوؤں سے ڈبڈباتی آنکھیں دیکھتیں، مہ پارہ سے دو دو ہاتھ کرنے جاتیں یا سعد کی مدد کو پہنچتیں، جو وہاں باپ کے سامنے سر جھکائے ان کا غضب سہہ رہا تھا یا پھر اس پلاؤ کے چوچلے اٹھاتیں آخر ممتا جیت گئی۔

"رضوان پتا نہیں کب سے سعد کی کلاس لے رہے ہیں، مجھے تو فکر ہو رہی ہے ارے بچہ ہے، دل گھبرا گیا ہو گا نئی جگہ پہ... آ گیا۔ اب کیا اس پہ عدالت لگے گی؟ تم ذرا یہ پلاؤ دیکھنا میں ہو کے آؤں۔"

وہ چلی گئیں یہ دیکھے بغیر کہ ام ہانی ان کے پلاؤ کو دیکھنے کے لائق بھی ہے اس وقت یا نہیں۔

☼ ☼ ☼
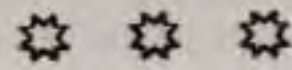
میں بے حس و حرکت سر جھکائے کھڑا تھا۔ ابو کی آواز چاروں جانب گونج ضرور رہی تھی مگر میری سماعتوں کو جھنجوڑنے میں ناکام تھی میں کچھ دیکھ رہا تھا تو صرف اس کے نام کے ساتھ لکھا کسی اور کا نام... میں کچھ سن رہا تھا تو اس کی وہ کھنکتی ہنسی جو میرے لیے نہیں کسی اور کے لیے تھی۔

"تمہیں کچھ عقل ہے یا نہیں؟ کب بڑے ہو گے... تیسرے ہی دن ہاسٹل سے منہ اٹھا کے گھر چلے آئے عجیب بچکانا پن ہے۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے سعد؟ آخر تم نے پڑھنا ہے کہ نہیں؟"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو رضوان؟"

امی کے مدد کے لیے پہنچنے پہ بھی میں نے نظر اٹھا کے دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔

"ایک دن کے لیے گھر چلا بھی آیا تو ایسا کونسا فرق پڑ گیا پڑھائی پہ؟"

امی کی انگلیاں میرے ماتھے پہ پڑے بالوں کو محبت سے سلجھا رہی تھیں میں پھر بھی پتھر بنا رہا۔

"نائلہ تم خاموش رہو مجھے اس سے پوچھنے دو۔"

"مجھ سے پوچھیں... میں نے بلایا ہے اسے اب ماں کے کہنے پہ بھاگا آیا تو ڈانٹ بھی کھائے الٹا... واہ۔"

امی نے ہمیشہ کی طرح یہ بھی اپنے سر پہ لے لیا اور میں نے ایک بار بھی انہیں ممنون نظر سے نہ دیکھا۔

"تم نے؟ حد ہوتی ہے نائلہ تم اپنی ممتا کو کنٹرول میں رکھو ورنہ اکلوتا بیٹا نکما رہ جائے گا۔"

اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میرے بے حد چاہنے والے امی ابو میں کوئی تلخی کوئی چپقلش کوئی گرما گرم بحث ہوئی تو وجہ میں ہی تھا۔

ان الفاظ میں کچھ تھا... جس نے میرے پتھر وجود میں اچانک دراڑیں ڈالیں اور میں سر اٹھا کے امی کو دیکھنے پہ مجبور ہو گیا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں وہ سعد سے ہی زیادہ قریب ہے، اس سے ہی دل کی بات کرتی ہے، میں نے سوچا جنید کے بارے میں اس کی رائے اور مرضی میں سعد کے ذریعے ہی پوچھ لوں۔"

"رائے...؟ مرضی؟"

میرے دل و دماغ میں یہ لفظ ٹن ٹن کر کے خطرے کی گھنٹی کی طرح بجنے لگے۔

"عورتیں بہت جلد باز ہوتی ہیں۔ تمہیں ابھی سے یہ فکر ہو گئی۔ ابو ابھی تک جھنجلا رہے تھے اور امی ان کی جھنجلاہٹ کے جواب میں جو وضاحتیں دے رہی تھیں ان سے میں جھنجلا رہا تھا۔

"جلد بازی کرنی پڑتی ہے رضوان۔ ہانی کی خالہ کا فون آیا تھا جنید نے بتا دیا ہے انہیں کہ اسے لڑکی پسند ہے ہم نے بھی تو اب کوئی جواب دینا ہے۔"

اس سے زیادہ سننے کی مجھ میں نہ ہمت تھی نہ ضرورت رہی تھی اب میں تیزی سے مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جانے لگا۔ ابو کے مزید خراب ہوتے مزاج کی پروا کیے بغیر جواب میری شکایت لگا رہے تھے۔

"دیکھی تم نے اس کی بدتمیزی؟ پوچھے بغیر چلا گیا۔"

میرا رخ سیدھا کھنڈر کی جانب تھا اور میری توقع کے عین مطابق وہ وہاں مجھ سے پہلے موجود تھی۔ مگر جو وہ کر رہی تھی وہ ضرور خلاف توقع تھا ایک کوئلہ ہاتھ میں لیے وہ دیوار پہ لکھے اپنے اور جنید کے نام پہ سیاہی پھیر رہی تھی۔ میں چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی جس کی ہم نے توقع بھی نہیں کی ہوتی وہ ہو جائے یا ہو رہا ہو تو احساس ہوتا ہے کہ توقع نہ کرنے کے باوجود ہمارے دل کے اندر کہیں اس کے ہو جانے کی خواہش کتنی شدید ہوتی ہے۔

امہانی ہاتھ جھاڑتی ہوئی مڑی۔

"بس؟ اب خوش؟ اسی پہ ناراض تھے ناں؟ اس وجہ سے منہ پھلائے پھر رہے تھے کل سے۔"

"جب تمہیں پتا تھا میں ناراض ہو جاؤں گا تو ایسا کیا ہی کیوں؟"

"میں کیوں کروں گی؟ پاگل ہوں کیا؟ جنید نے لکھا تھا۔"

"یعنی وہ پاگل ہے؟" میں جل اٹھا۔

"میں نے منع کیا تھا اسے سعد۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہیں اس جگہ سے کتنی محبت ہے۔ ان دیواروں سے ان اینٹوں سے اس کنویں سے یہاں کے چپے چپے سے تم نے کبھی یہاں پہ رینوویشن بھی نہیں ہونے دی تو تم کسی اور کا نام ان دیواروں پہ کیسے برداشت کر سکتے ہو۔"

وہ اتنے قریب آ کے اتنے نرم لہجے میں مجھے موم کر رہی تھی کہ میں پگھل گیا۔ موم نے پگھلنا ہی ہوتا ہے۔

"صرف دیواروں پہ؟" مگر میرے اس سوال کو شاید اس نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔

"اچھا... اب جانے دو غصہ یہ بتاؤ اچانک کیسے آئے؟"

"کیوں، رنگ میں بھنگ ڈال دیا میں نے؟"

موم پگھل بھی جائے تو کچھ دیر سلگ کے دھواں تو دیتا ہے سو ہی دھواں میں اب تک اگل رہا تھا۔

"کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ ایک تو تمہارا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کس بات پہ ناراض ہو جاؤ اور مجھ سے تو تمہیں خاص دشمنی ہے کہ ذرا ذرا بات پہ نخرے دکھاتے ہو۔"

"تم سے دشمنی نہیں۔" میں چلتے چلتے رکا اور اپنی دھڑکنیں لمحہ بھر کو سمیٹ کر ہمت کر کے کہہ دیا ہے۔

"تم سے محبت ہے اور جن سے محبت ہو ان ہی سے ناراض بھی ہوتے ہیں۔"

کہنے کو تو کہہ ڈالا پھر بری طرح ڈر گیا بھلا یہ بھی کوئی یوں منہ پھاڑ کے کہنے والی بات تھی چلتے چلتے اور اس نے برا مان لیا تو؟ مگر نہیں وہ تو مسکرا دی تھی۔

"اچھا؟ اور یہ جو میں تمہارے پیچھے پیچھے تمہاری منتیں کرتی پھرتی ہوں تمہاری فضول بے کار ناراضیوں پہ تمہیں مناتی رہتی ہوں۔ یہ بھی میری محبت ہی ہے ورنہ اتنی پروا میں کی کبھی میں نے کسی کی؟"

"سچ۔؟"

"اور نہیں تو کیا۔۔ بدھو۔"

وہ چہرے پہ آئی لٹ کو کان کے پیچھے کرتی۔۔ مہندی کی باڑ پہ ہاتھ پھیرتی لاپروائی سے چلتی جا رہی تھی۔

"سنو۔۔ یہ کیوں آیا ہے؟" اس کی لاپروائی پل بھر کے لیے ڈگمگائی ٹالتے ہوئے کہنے لگی۔

"بس ایسے ہی گھومنے۔"

"جانتا ہوں میں اچھا؟ بتاؤ مت مجھے۔" مجھے پھر سے بگڑتا دیکھ کے وہ رکی اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

"مگر میں نہیں جانتی تھی یقین کرو ابھی پتا چلا۔"

"اس کی ہمت کیسے ہوئی، رکھ کے دو لگانی تھیں اسے۔" میرے پاس تو ہر بات کا ایک ہی حل تھا رکھ کے دو لگانا۔

"پاگل ہو تم۔ ایسا تھوڑا ہی کر سکتی تھی میں۔"

"میں لگاؤں جا کے؟ ابھی روتا روتا واپس بھاگے گا۔"

"خبردار جو کوئی فضول حرکت کی تو۔"

ام ہانی نے آنکھیں نکال کے مجھے رعب میں لینا چاہا۔

"کیوں؟ بہت اچھا لگ رہا ہے کیا شادی کرلو گی اس سے؟" مجھے خود بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میری زبان سے الفاظ نہیں۔ انگارے نکل رہے ہوں۔

"نہیں کرنا چاہتی، مگر کروں گی یا نہیں یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ سعد مجھ سے میری مرضی کون پوچھ رہا ہے۔"

اس کی بے بسی مجھ سے دیکھی نہ گئی۔۔ میں اس کے ہاتھ تھام کے بے ساختہ کہہ اٹھا۔

"میرے لیے، بہت اہم ہے تمہاری مرضی میں پوچھ رہا ہوں۔"

"تمہیں بتانے کی ضرورت ہے کیا، تم نہیں جانتے؟"

چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے وہ سوال کیا جو میرے اندر کئی کھڑکیاں کھول گیا۔

"میں یہاں سے نہیں جانا چاہتی سعد۔۔ بالکل بھی نہیں۔" اور ان کھلی کھڑکیوں سے آتی تازہ ہوا نے مجھے اندر تک ٹھنڈا کر دیا۔

"اور تم یہاں سے کبھی کہیں جاؤ گی بھی نہیں، میں جانے ہی نہیں دوں گا۔ دیکھ لوں گا سب کو۔"

اس کے ہاتھ دبا کے میں نے یقین دلایا۔

☼ ☼ ☼
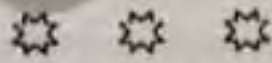
امی نے ابو کو نجانے کون سی تسلیاں دی تھیں کہ اب ان کا موڈ قدرے بہتر تھا اور وہ کھانے کے دوران مجھ پہ شعلے برساتی نظروں سے دیکھنے سے گریز کر رہے تھے لیکن میں جانتا تھا یہ وقتی ہے۔ جو کرنے کی میں نے ٹھان لی تھی۔ اس کے بعد یہ شعلے صرف نگاہوں سے نہیں برسنے تھے۔

"ام ہانی میری خواہش تو یہ تھی کہ تمہاری گریجویشن مکمل ہوتے ہی تمہارے فرض سے آزاد ہو جاتی مگر تمہارا الم غلم جھنگ کا شوق خیراب تو ایک سال میں تم نے یہ شوق بھی پورا کر لیا۔"

امی کی تمہید سے ام ہانی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کیا ذکر چھڑنے والا ہے وہ بے چین نظر آنے لگی۔

"اور ہمارے نہ سہی تمہارے تو خاندان کا ہے۔ تمہاری سگی خالہ ہیں وہ میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے۔"

ابو نے اضافہ کیا میں نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ واپس پلیٹ میں رکھ کے سب کے چہروں پہ ایک گہری نظر ڈالی۔

"میں خود بہت مطمئن ہوں اچھا لڑکا ہے شریف خوش مزاج' خوبرو اور سب سے بڑھ کے اپنا۔" امی کی بات پہ میں نے پلیٹ پرے کھسکائی۔

"مگر میں مطمئن نہیں ہوں۔" ایک لمحے کے لیے تو سب حیران رہ گئے۔ لاتعلقی سے کباب چٹنی میں بھگو بھگو کے کھاتی مہ پارہ پھوپھو بھی۔

"تمہارا مطمئن ہونا۔۔۔ یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا سعد' یہ ام ہانی کا معاملہ ہے اور ہم اسی سے بات کر رہے ہیں۔" ابو پرانے موڈ میں آنے لگے۔

"بالکل یہ ام ہانی کا معاملہ ہے اس کی زندگی کا آپ ایسے یکطرفہ فیصلے کیسے کر سکتے ہیں۔"

پھوپھو نے بڑی جتاتی ہوئی سی نظر امی پہ ڈالی جس کا مفہوم بھانپ کے وہ بھی جز بز ہو گئیں۔

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہم ام ہانی سے ڈسکس کر رہے ہیں۔"

"نہیں امی آپ اسے بتا رہی ہیں کہ' آپ سب کی یہی مرضی ہے اور اسے ہر حال میں جواب ہاں میں دینا ہے۔"

"سعد خاموش اب تم حد سے بڑھ رہے ہو۔"

ابو کھڑے ہو گئے میں نے بھی نشست چھوڑ دی ام ہانی دم سادھے ہراساں نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ حد پار کر نہیں رہا بھائی جان۔ اس سے کروائی جا رہی ہے۔" پھوپھو نے ام ہانی کو گھور کے کہا اس کا رنگ مزید فق کیا۔

"میں آپ سے صاف کہہ رہا ہوں۔ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ آپ لوگ اپنی مرضی سے جو فیصلہ کریں گے۔ ہنی کو اسے ماننا ہو گا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

وارننگ دیتا میں وہاں سے نکل گیا۔ یہ دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ اب وہاں اس بات کو کیا کیا رنگ

دبے جائیں گے۔" ماحول کو مزید بھڑکانے میں مہ پارہ پھوپھو پیش پیش تھیں۔

"کیا غلط کر دیا ہم نے؟ کیا یہ لڑکی ہماری ذمے داری نہیں؟ اور کیا اس کے ماں باپ زندہ ہوتے تو اس کے لیے یہ فیصلہ خود نہ لیتے؟ مگر اس لڑکی نے تو ہمیں کبھی کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اتنی خود مختاری اور خود سری؟"

"مہ پارہ۔۔۔ تم ہانی پہ کیوں بگڑ رہی ہو۔ اس نے تو کچھ نہیں کہا یہ تو سعد ہی دن بدن۔۔۔"

"بھائی جان تو آپ کا خیال ہے سعد یہ سب بدتمیزی بلاوجہ کر کے گیا ہے؟ اس نے ہمیشہ کی طرح سعد کے کاندھے پہ رکھ کے بندوق چلائی ہے۔ ذرا سے بچے کو اس کے ماں باپ کے مقابلے پہ تن کے کھڑا کر دیا اور اب خود معصوم بنی بیٹھی ہے۔"

ام ہانی کے آنسو ٹپ ٹپ کر کے اس کی گود میں رکھے ہاتھوں پہ گر رہے تھے۔

"اور بھابھی آپ کیوں رو رہی ہیں اب؟ میں تو ہمیشہ سے کہتی آئی ہوں نہ موقع دیں اسے سعد کو ہتھیار بنانے کا۔" ان کے بھڑکانے پہ وہ اور بھی شدت سے رو دیں۔

"تم نے ہمیشہ اپنے اور میرے درمیان فاصلے رکھے ہانی۔ تم آئیں تو مجھے لگا میری زندگی میں بیٹی کی کمی پوری ہو جائے گی۔ مگر تم نے مجھے ماں تو کیا کچھ بھی نہ سمجھا کچھ نہیں کہا، کچھ نہیں مانگا، کوئی فرمائش، کوئی ضرورت، کوئی شکایت، کچھ بھی نہیں۔"

"نائلہ تم بات کو کس طرف لے کر جا رہی ہو۔"

"اب بھی یہی ہوا ہے رضوان، اگر اسے اس رشتے پہ کوئی اعتراض تھا تو بیٹی بن کے مجھ سے کہتی مجھ پہ اعتبار کرتی۔ لیکن اس نے سعد کے ذریعے بات پہنچائی۔"

ام ہانی کے دل کو ان آنسوؤں بھرے مان بھرے گلے سے بڑی ٹھیس پہنچی وہ اٹھ کے ان کی جانب آئی۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے تائی اماں۔۔۔ میں نے کبھی کوئی فاصلہ نہیں رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ فرمائش یا شکایت کی نوبت ہی نہیں آنے دی آپ نے کبھی میری ہر ضرورت ماں کی طرح بن کہے پوری کی اور میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے سعد سے بالکل نہیں کہا کہ وہ آپ سے یہ بات کرے۔ ہاں میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ میں اس ملک سے باہر نہیں جانا چاہتی تھی، جہاں میرے اماں ابا کی یادیں ہیں۔ بس آپ سے کہنے میں جھجک رہی تھی۔"

محبت سے کہتے اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا تو وہ پسیج گئیں اور اسی محبت سے جھک کے اس کا ماتھا چوم لیا جو مہ پارہ کو مزید سلگانے کے لیے کافی تھا۔

"تو سعد سے دکھڑا تو رویا ہو گا جو وہ اتنی سرکشی دکھا کے گیا ہے جیسے وہی تمہاری والی وارث ہو۔"

"مہ پارہ بات کو بڑھاؤ مت۔ سعد عمر کے اس حصے میں ہے جہاں اپنے بڑے ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے۔ وہ گھر کے اہم معاملات میں دخل دے کر ہمیں اپنے ہونے کا احساس دلا رہا ہے اور بس۔۔۔"

"رضوان ٹھیک کہہ رہے ہیں اور پھر وہ ہانی سے اٹیچ بھی بہت ہے اس کے اتنے دور جانے کے خیال سے جذباتی ہو گیا ہو گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اس کی ضد کی خاطر اسے بھی بٹھائے رکھیں حویلی میں، ایک سے بھلی دو۔"

اور اسی ساری بحث اور ہنگامے سے دور میں جنید کا ہاتھ تھامے اسے گھسیٹتے ہوئے کھنڈر کی جانب لے جا رہا تھا۔ وہ حیران پریشان، ناگواری سے خود کو چھڑاتا پوچھتا جا رہا تھا۔

"سنو! کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

اور گھسٹتا جا رہا تھا۔۔۔ گھسٹتا جا رہا تھا اور پوچھتا جا رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔"

میں نے سیدھا اسے وہیں لا کے کھڑا کیا، جہاں اس نے ام ہانی کے نام کے ساتھ اپنا نام لکھنے کی جسارت کی تھی۔ اب وہاں پھیلی ہوئی سیاہی کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس پہ نظر پڑتے ہی وہ چپ ہو گیا۔

"تمہیں جواب چاہیے تھا ناں ۔۔۔ یہ ہے جواب۔"

"یہ کیا حرکت ہے۔ تمہارا یہ بچکانا رویہ میری سمجھ سے باہر ہے۔" اس کی بات پہ میں طنز سے مسکرایا۔

"تمہیں لگتا ہے یہ حرکت میں نے کی ہے ۔۔۔ جا کے دیکھو جنید کو کلے کی یہ سیاہی اتنی گہری ہوتی ہے کہ دھونے کے باوجود ابھی تک ہنی کے ہاتھوں سے گئی نہیں ہوگی۔"

"اوہ۔"

سمجھ دار تھا سمجھ گیا وہ بھی جو میں نے بتایا' وہ بھی جو میں نے نہیں بتایا ۔۔۔ میں نہیں جانتا اس نے اپنی ماں کو ۔۔۔ ہنی کی خالہ کو کیا کہہ کر مطمئن کیا بس اتنا پتا ہے کہ اگلے دو گھنٹوں کے اندر اندر وہ یہاں سے چلا گیا اور تیسرے گھنٹے میں اس کی ماما نے بڑے شرمسار انداز میں فون پہ ماما سے معذرت کرلی۔

☼ ☼ ☼
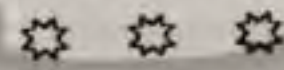
وہ گیلے بالوں کے ساتھ برآمدے میں بچھے تخت پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہوتے ہی خنکی بڑھ جاتی ہے تو اس نے شال بھی اوڑھ رکھی تھی۔ میں ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا وہیں رک گیا۔

بس اتنی سی بات تھی ۔۔۔ صرف تین گھنٹے ۔۔۔ تین گھنٹوں کے اندر اندر میں اپنے اور اس کے درمیان آنے والے کسی بھی شخص کو بھگا سکتا ہوں۔

"سچ سچ بتاؤ سعد تم نے کیا کہا تھا اسے کہ وہ یوں چلا گیا۔" مجھ پہ نظر پڑتے ہی وہ پوچھنے لگی۔

"لاحول پڑھی تھی میں نے صرف۔" میں اس کے ساتھ ہی تخت پہ نیم دراز ہوگیا۔

"سعد' وہ مہمان تھا۔"

اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے میں نے اس کی شال کا کونا گھسیٹا۔

"ادھر دو مجھے بھی ۔۔۔ سردی لگ رہی ہے۔"

"تو اندر چلے جاؤ ناں ۔۔۔ سردی لگ رہی ہے تو۔"

"نہیں ۔۔۔ میں نے تخت پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے بالوں کی مہکتی مہکی ٹھنڈک مجھ پہ غنودگی طاری کر رہی تھی۔

"سعد تم کیوں کرتے ہو ایسا ۔۔۔ سب پریشان ہوتے ہیں اور پھوپھو کو لگتا ہے میں تمہیں بگاڑ رہی ہوں۔"

میں نے نیند سے بوجھل آنکھیں ذرا سی کھول کے اسے دیکھا ۔۔۔ شام کے اس پہر وہ کتنی سرمئی سی لگ رہی تھی۔

"تمہارے بالوں کی خوشبو سے مجھے نیند کیوں آتی ہے؟"

"میں کیا کہہ رہی ہوں تم سے اور تم ۔۔۔"

"کیا میں ہمیشہ تمہاری شال میں سو سکتا ہوں؟"

"اف ۔۔۔ بد ھو۔"

"اچھا ۔۔۔ بس آج۔"

نیند میں ڈوبنے سے پہلے بس اس کی مسکراہٹ دیکھی تھی میں نے اور کانوں میں گونجتی دور سے آتی بانسری کی دھن دھرلے۔

☼ ☼ ☼
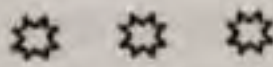
میرا کام پورا ہو گیا تھا ابو کا اگلا لیکچر میں نے ایک پرسکون اور ڈھیٹ سی مسکراہٹ کے ساتھ سنا اور واپس ہاسٹل چلا آیا۔

"یعنی تمہاری چھٹی حس نے تمہیں بالکل صحیح سگنل دیا تھا اور تم وقت پہ پہنچ گئے تھے۔"

شعیب نے رات کے کھانے کے بعد مال روڈ پہ میرے ساتھ ٹہلتے ہوئے ہنس کے کہا تھا۔

"اس کے بارے میں میرا دل کبھی غلط سگنل دے ہی نہیں سکتا۔"

"اس بار تو نیا ڈوبنے سے بچالی بیٹا۔ ہر بار ایسا نہیں ہوگا۔ تم اسے بتا کیوں نہیں دیتے؟"

"اسے پتا ہے۔" میرے اطمینان کا وہی عالم تھا۔

"مجھے یہ ہی پتا ہے کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔ جتنا میں اسے چاہتا ہوں اس سے بھی زیادہ۔"

"تو رکلوٹ کیا ہے یار ۔۔۔ بات کرو گھر میں قصہ ختم کر

"رکلوٹ ہے ناں یار۔۔۔ میری عمر۔۔۔ ابھی انیس کا ہوں۔۔۔ ابھی یہ بات کی ناں تو ابو کے لیکچرز کو ایک نیا رخ مل جائے گا۔۔۔ مگر یار وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔ پتا ہی نہیں چلے گا اور ایک کے بعد دوسرا سال گزرے گا۔ دوسرے کے بعد تیسرا۔ ایکس 'بائیس کا ہو جاؤں گا۔ ایجوکیشن بھی کمپلیٹ ہو جائے تو امی سے کہہ دوں گا کہ ہنی سے میری شادی کروا دیں سمپل۔"

میں ساری پلاننگ اسے بتا رہا تھا اور وہ محظوظ ہونے والی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھ رہا تھا۔

"اور کیا میں نے سب سوچ رکھا ہے۔"

"زندگی کو سوچنا بہت آسان ہے سعد۔۔۔ اور سوچ ہی سوچ میں زندگی بھی بہت آسان لگتی ہے لیکن میرے دوست۔۔۔ زندگی کو دھوبی پنچاد بنا بڑا زبردست آتا ہے۔"

"دھوبی پنچا؟"

"ہاں۔۔۔ زندگی کو پسند ہے۔۔۔ سرپرائز دینا اور کبھی کبھی شاک دینا سوبی پریپیوڈ۔"

اور دور کہیں زندگی مجھے سرپرائز بلکہ شاک دینے کے لیے تیاریاں کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

پیپل کا وہ درخت اس سرکاری دفتر کے سال خوردہ پلستر جھڑی عمارت کے سامنے ذرا سے فاصلے پہ تھا۔۔۔ جس کی گھنی شاخیں دور تک پھیلی نیچے کو جھک آئی تھیں۔ اور اسی ایک تنومند سی شاخ پہ ہلکے بادامی کرتا پاجامے میں ام ہانی اپنی اسکیچ بک پہ پنسل پھیرنے میں مصروف تھی۔

گاہے گاہے نظر اٹھا کے اس عمارت کو دیکھتی۔ جو گزشتہ کئی سالوں سے ویران پڑی تھی۔ اس کے عکس کو ورق پہ اتارتے ہوئے وہ اتنی مگن تھی کہ اپنے آسمانی دوپٹے تک کو سنبھالنے کا ہوش نہ تھا جو ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ فضا میں ہوا کی ہلکی سی سرسراہٹ تھی۔

یا کورے کاغذ پہ پنسل کی۔۔۔ یا پھر پنسل کو تھامے ہاتھ کی حرکت سے گنگنا اٹھنے والی کانچ کی چوڑیوں کی اور پھر ایک اور آواز۔۔۔ کسی گاڑی کے زور سے بجتے ہارن کی کرخت آواز۔۔۔ جس پہ ام ہانی کا انہماک ٹوٹا۔

ایک ہاتھ سے اڑتے دوپٹے کو سنبھالتے اس نے بے زاری بھری نظر سامنے ڈالی۔۔۔ اسی عمارت کے سامنے رکی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی سے سالار اعظم دو تین لوگوں کے ہمراہ اتر رہا تھا۔

ام ہانی کی نظروں کی بے زاری جانے کیسے پل بھر میں معدوم ہو گئی۔ ہاتھ سے آنچل پھر سے چھوٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"تم مجھے کس بات سے ڈرانا چاہ رہے ہو آخر؟"

رات سے شعیب نے مجھے پکا ڈالا تھا آخر صبح ناشتا کرتے ہوئے میں پھٹ پڑا اور باقاعدہ اس پہ کانٹا تان لیا۔

"ڈرا نہیں رہا تمہاری بے فکری ختم کرنا چاہ رہا ہوں۔" شعیب نے میرے ہاتھ سے کانٹا چھینا اور تربوز کی قاش میں گھونپ دیا۔

"وہ کزن ہے میری۔۔۔ ہم ایک گھر میں رہتے ہیں۔ میری امی بھی اسے بہت پسند کرتی ہیں اور ابو بھی بہت چاہتے ہیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا دیکھ لینا جب مناسب وقت آئے گا اور میں یہ بات کروں گا تو سب ہنسی خوشی راضی ہو جائیں گے۔"

"لیکن اگر اس سے پہلے کسی اور کا مناسب وقت آ گیا تو؟"

شعیب کی بات پہ توس پہ جیم لگاتے لگاتے میں ٹھٹک گیا۔

"کسی اور کا؟ کون؟"

"کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے میرے ہاتھ سے توس لے کر خود کھانا شروع کر دیا۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ کم از کم جسے چاہتے ہو اسے تو دل کی بات کہہ دو۔ ایسا نہ ہو تمہارے مناسب وقت کے انتظار میں کوئی اور تم دونوں کے

درمیان آجائے۔"

مجھے اس بے تکی بات پہ شعیب پہ تاؤ آنا چاہیے تھا۔ مگر مجھے ہنسی آگئی۔

"درمیان میں دو لوگوں کے آیا جاتا ہے۔ ہم دو نہیں ہیں ام ہانی اور میں ایک ہیں اور ایک کے درمیان کوئی نہیں آتا۔"

☼ ☼ ☼
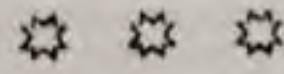
وہ پنسل لبوں میں دبائے یک ٹک اس اجنبی کو دیکھے چلی جارہی تھی۔ جس کا بنا کریز کا گرے تو پیس سوٹ چم چم کرتے سیاہ جوتے اور سلیقے سے ترشے بال اس کی نفاست پسندی کا ثبوت دے رہے تھے اور وہ فون کان سے لگائے اسی عمارت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور پیچھے چلتے دو تین لوگ کسی کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تو کسی کے ہاتھ میں فائلیں تھیں وہ اس وقت اچانک رکے۔ جب سالار اعظم فون جیب میں رکھتا ہوا مڑا۔۔۔ اور پھر عمارت کے گیٹ اور جالے لگی زنگ آلود سلاخوں والی کھڑکیوں کی جانب اشارے کرتا ان سے کچھ کہنے لگا۔

وہ ایک سحر کے عالم سے نکلی۔ لبوں میں دبی پنسل نکالی۔ سرعت سے اسکیچ بک کا ورق الٹا اور اگلے کورے صفحے پہ ایک اور نقش کھینچنے لگی۔۔۔ سالار اعظم کا۔

ایک ہڑک سی اٹھی تھی اس کے اندر۔۔۔ اس کا خاکہ تراشنے کی اس کے ایک ایک نقش کو محفوظ کرنے کی کیوں؟ یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی بس اس کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں تھا اور نظر اٹھا کے وہ بار بار سامنے دیکھ لیتی تھی اور پانچویں بار جب نظر اٹھی۔ تو وہ نظر کی حدود میں نہیں تھا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے اس کے تینوں ساتھی ضرور نظر آرہے تھے۔ جس کا مطلب تھا وہ ان سے پہلے اندر جاچکا تھا۔

ام ہانی نے ایک پریشان سی نظر ادھورے اسکیچ پہ ڈالی۔ ادھورا ابھی کہاں تھا ابھی۔۔۔ مایوسی اس کے چہرے کی موتیا سی رنگت کو پھیکا کرنے لگی۔۔۔ مگر وہ ہڑک۔۔۔ وہ اس کا خاکہ ان اوراق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلینے کی عجیب و غریب مگر شدید قسم کی خواہش ۔۔۔ اس نے ام ہانی کو چین سے وہاں بیٹھنے نہیں دیا جیسے وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کب اور کیسے وہ اس کا اسکیچ بنانے پہ مجبور ہوئی۔ ایسے ہی اسے یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ کب وہ درخت سے نیچے اتری کب اس پرانی عمارت کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور کب اس ٹوٹے شیشے والی کھڑکی سے اندر ہال میں جھانکنے لگی۔

سالار اعظم چاروں جانب جائزہ لیتے ہوئے اپنے ساتھیوں 'جو شاید اس کے ماتحت بھی تھے انہیں مختلف قسم کی ہدایات دے رہا تھا۔ ام ہانی نے چپکے سے کاپی دوبارہ کھولی۔ دیوار سے چپکائی اور اس کی پنسل تیزی سے ان نامکمل نقوش کے خطوط کو بھرنے لگی۔

"یہ سب مکمل طور پر چینج ہوگا کتنے دن لگیں گے اس میں اندازا"؟"

بات کرتے کرتے اس نے رخ اپنے ماتحت کی جانب موڑ لیا جو لیپ ٹاپ پہ اسے کچھ دکھا رہا تھا اب ام ہانی کو کوفت ہونے لگی۔ کب وہ دوبارہ رخ اس جانب کرے گا۔

"اور وہ سامنے والی بلڈنگ۔۔۔ وہ کیا ہے؟"

اب وہ دائیں جانب کھلنے والی کھڑکی سے باہر اشارہ کررہا تھا۔ ام ہانی کی پنسل پھر سے حرکت میں آئی۔

"لائبریری ہے سر۔"

"اور وہ دور۔۔۔ ریل کی پٹری کے پار۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔۔۔ پھر سے اس کی نظر کی حدود کے پرے۔

ام ہانی سرعت سے کاپی پنسل اٹھائے چند منٹ کے فاصلے پہ موجود دوسری کھڑکی کے سامنے تھی۔۔۔ جہاں سے اب وہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ واضح نظر آرہا تھا۔

"جنرل رضا کا نمبر ملانا شاہد۔"

اپنے ماتحت سے کہتے ہوئے اچانک سالار اعظم کو کسی کی نظروں کی تپش کا احساس بہت شدت سے ہوا ۔۔۔ وہ چونکا اور چوکنا ہو کے اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ام ہانی کی جیسے جان ہی نکل گئی وہ پھرتی سے کھڑکی سے پرے ہٹی اور دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑی

ہوگئی۔

کہیں کسی کو نہ پا کے سالار نے سر جھٹک کے اس بے معنی وہم کو دور کرنا چاہا اور ہاتھ بڑھا کے اپنے ماتحت سے فون تھاما۔

"Hello saalar here"

اور بات کرتے ہوئے کھڑکی کے پار ایک آسمانی آنچل کی جھلک نے اسے دوبارہ بری طرح چونکنے پہ مجبور کیا۔

ام ہانی دیوار سے چپکی دم سادھے کھڑی تھی۔

"پتا نہیں اس نے مجھے دیکھا یا نہیں؟ نہیں نہیں ... نہیں دیکھا ہوگا۔"

خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے ڈرتے ڈرتے پھر سے اندر جھانکنا چاہا۔۔۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔۔۔ کہیں بھی نہیں اس کے ماتحت کوئی چارٹ پیپر پھیلائے اس پہ جھکے مار کرے کچھ لکیریں کھینچنے میں مصروف تھے۔

ایک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے وہ دوبارہ سیدھی ہوئی تو وہی اطمینان بھرا سانس سینے میں اٹک کے رہ گیا۔ وہ اس کے بالکل سامنے دو ہاتھ کے فاصلے پہ کھڑا اسے گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ خشک ہوتے حلق کو تر کرتے ہوئے ام ہانی نے ہاتھوں میں دبی اسکیچ بک کو اس کی نظروں کی زد میں آنے سے بچانے کے لیے اپنے پیچھے چھپانا چاہا۔ مگر اسی وقت سالار نے جھپٹ کے اسکیچ بک اس سے چھین لی۔

ام ہانی کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔۔۔ وہ ماتھے پہ ناگواری سے بل ڈالے اس کے ورق پلٹ رہا تھا اور ام ہانی فرار کی راہ تلاش رہی تھی وہ اپنے چھ فٹ کے وجود کے ساتھ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش بھی کرتی تو اس سے ٹکرا جاتی۔

"کس کی اجازت سے بنایا ہے یہ تم نے؟"

اب سالار کی نظریں اس ادھورے سے اسکیچ پہ جم گئیں جو اتنا بھی ادھورا نہیں رہا تھا کہ وہ خود کو پہچان نہ پاتا اور پھر ام ہانی کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے اسکیچ بک کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے پھاڑ ڈالا۔ شاید اس کے ہولے ہولے کپکپاتے وجود اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے یہ امید ہی نہیں رہی تھی کہ وہ کبھی کچھ بتا بھی سکے گی۔۔۔ مگر اپنی جان سے عزیز اسکیچ بک جس میں اس کے کئی محنت سے بنائے خاکے تھے۔ اسے دو حصوں میں ہوتا دیکھ کے وہ بول ہی اٹھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ اس میں میری اتنی محنت سے بنائی۔۔۔"

لیکن اس سے آگے اس کی گویائی پھر سے سلب ہو گئی۔ کیونکہ سالار نے اس کے مزید پرزے کرنے کی نیت سے اسے پھر سے دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا۔ ام ہانی کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے۔۔۔ یہ موٹے موٹے آنسو۔

اور سالار جو بے حد طیش کے عالم میں اس کے چہرے کے سامنے اسکیچ بک کے یہ دونوں حصے کئی حصوں میں تقسیم کرنے کی نیت سے آگے کیے ہوا تھا۔ وہیں رک گیا۔ اسے اب اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سوائے ان آنسوؤں کے، وہ گھبرا کے دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ جیسے گہرے کنویں میں جھانکنے کے بعد کوئی سٹ پٹا کے پرے ہٹتا ہے کہ اس میں گر کے ڈوب ہی نہ جائے۔

اس کے کچھ دور ہوتے ہی ام ہانی نے بھاگنے کی راہ لی۔۔۔ اور وہ ہاتھ میں اسکیچ بک کے دونوں حصے تھامے گم صم کھڑا دور تک اسے بھاگتے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"پھر سے تم دوا لینے کے بہانے سارا دن گھر سے باہر رہی ہو۔" سلمیٰ سر جھکائے کھڑی نائلہ کی ڈانٹ سن رہی تھی اور مہ پارہ کو تو اب بھی نائلہ کے الفاظ کم لگ رہے تھے۔ وہ اپنی زبان زہر میں بھگو کے میدان میں اتریں۔

"ہٹی کٹی تو ہو۔ دوا کس چیز کی لینے جاتی ہو سر میں درد ہے؟ بخار ہے؟ گلا خراب ہے؟ پھوٹ منہ سے گھر میں ہر طرح کی دوا رکھی ہے دادا جی کا کمرہ نہ ہوا۔ پنساری کی دوکان ہوئی۔۔۔ کیا نہیں رکھا اس میں۔"

"اور زیادہ طبیعت خراب تھی تو میں خود کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھالاتی۔ یوں نیم حکیموں کے پاس جا کے کوئی نیا روگ نہ لگوا بیٹھنا۔"

نائلہ نے شاید مہ پارہ کے زہریلے الفاظ کی سنگینی زائل کرنے کے لیے اسے پچکارا تھا ورنہ تاؤ تو انہیں بھی بہت تھا اس کے سارا دن غائب رہنے پہ۔

"میں بیگم صاحبہ... مجھے ڈاکٹر کی دوا راس نہیں آتی گرم بہت ہوتی ہے مجھے تو اسی حکیم کی دوا سے افاقہ ہوتا ہے ہمارا خاندانی حکیم ہے۔"

"لو... اللہ کی... شان 'خاندان کا اتا پتا کوئی نہیں اور خاندانی حکیم رکھ چھوڑا...."

مہ پارہ کے تو چنگاریاں ہی سلگ اٹھیں۔

"جھوٹی لپاڑن... چھ برس کی عمر سے تو یہاں ہے ماں باپ کی شکل یاد نہ ہوگی تجھے۔ حکیم یاد رہ گیا؟"

"بس بھی کرو مہ پارہ... سلمٰی تم جاؤ کچن میں۔"

نائلہ کو اس تماشے سے اب گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ مزاجاً "ذرا نرم خو تھیں۔

"کیوں ملازموں کے منہ لگتی ہو مہ پارہ۔" سلمٰی کے جان بچا کے کھسکنے پہ انہوں نے نند کو بھی سمجھانا چاہا۔

"حویلی کی ملازمائیں ہی ہماری ذمے داری ہیں بھابھی۔ ان کی ایسی ویسی حرکتوں سے ہماری ہی عزت پہ حرف آسکتا ہے۔ چال دیکھی تھی آپ نے اس کی... کیسے مٹک مٹک کے چلتی ہے۔"

"مجھے احساس ہے اس ذمے داری کا۔ اسی لیے تو میں نے رضوان سے کہہ دیا ہے کہ اپنے ڈرائیور سے نکاح پڑھادیں سلمٰی کا۔"

اور آدھے راستے سے کچھ پوچھنے کے لیے پلٹ کے آتی سلمٰی وہیں جم کے رہ گئی۔

"نکاح؟" مہ پارہ کا چہرہ تاریک سا ہو گیا۔

"ہاں اٹھارویں میں لگی ہے۔ بارود کا ڈھیر... جتنی جلدی ٹھکانے لگے اتنا اچھا۔"

سلمٰی مرے مرے قدموں سے واپس پلٹ گئی۔ ام ہانی نے اسے بالوں میں تیل لگوانے کے لیے بلایا تھا۔ بے دھیانی میں اس نے سنگھار میز سے آملے کے تیل کی بجائے ہاتھوں پہ لگانے والا لوشن اٹھالیا۔ وہ تو شکر ہے کہ ہتھیلی پہ ڈالتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا' بالوں میں نہ لگا بیٹھی جلدی سے ہتھیلی بازو پہ رگڑ کے صاف کی اور تیل کی شیشی اٹھاتے ہوئے ام ہانی کو دیکھا کہ اب ایک اور ڈانٹ پڑے گی مگر ام ہانی تو شاید اس سے بھی کہیں بڑھ کے بے دھیانی کے عالم میں تھی کھوئی کھوئی نظروں سے کھڑکی کے پار دیکھتی کچھ سوچتی کچھ جاگتی اور کچھ اونگھتی۔

سلمٰی نے اس کے گہرے بھورے بالوں کی چٹیا کے بل کھولنے شروع ہی کیے تھے کہ کھڑکی سے ہوا کے دوش پہ آتی بانسری کی لے نے اس کے ہاتھ روک دیے... ام ہانی بھی جیسے کسی خیال سے چونکی تھی۔

"پتا نہیں... یہ بانسری کون بجاتا ہے؟"

ہمیشہ ہی وہ اس بانسری کی آواز پہ یہ سوال کرتی تھی اور ہمیشہ ہی سلمٰی چور سی بن کے کسی کام میں لگ جاتی تھی... مگر آج اس کا جی چاہ رہا تھا ہانی بی بی یہی سوال بار بار کرتی جائیں... یہاں تک کہ وہ جواب دینے پر مجبور ہو جائے۔

"روز ہی اس وقت سر بکھرتے ہیں۔"

"آج سر کہاں ہیں ہانی بی بی آج تو درد بکھر رہے ہیں۔ بانسری کرلا رہی ہے۔" ہانی نے مڑ کے اسے دیکھا۔ بنا کچھ پوچھے... بنا اس کے کچھ بتائے وہ سب جان گئی۔

"کون ہے یہ سلمٰی؟"

"ہے نہیں تھا..." اس نے آہ بھری۔

"مگر تم آج بھی اس سے ملنے گئی تھی ناں میں جانتی ہوں۔"

"ہے کو تھا ہونے میں کونسا وقت لگتا ہے ہانی بی بی ... جب اس سے ملنے گئی تھی تو آنکھوں میں خواب اور دل میں بہت سی خواہشیں تھیں واپس آئی تو مالکوں نے ایک جھٹکے میں سب خواب نوچ ڈالے... ساری خواہشیں دل کے اندر ہی ماردیں... کیا کر سکتے ہیں ہم ان کے آگے... مختار ہیں وہ ہمارے۔"

وہ سہ رنگی چنری سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ جن کا کاجل آنسوؤں سے پھیل کے اس کے پھولے پھولے سانولے رخساروں تک آرہا تھا۔

"دل کا مختار کوئی نہیں ہوتا سلمی... اس پہ تو کبھی کبھی اپنا اختیار بھی نہیں ہوتا... کسی اور کا کیا ہوگا۔"

ام ہانی نے اپنا سر سلمی کے گھٹنوں سے ٹیک دیا اور آنکھیں موند کے بانسری کے سروں میں کھونے لگی جو واقعی کرلا رہی تھی آج۔

☼ ☼ ☼
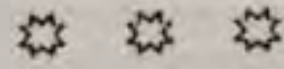
پتا نہیں کیوں مجھے ساری رات نیند نہیں آئی... بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا کچھ تھا۔ جو چھن رہا تھا' کچھ تھا جو میں کھونے لگا تھا اور میرے پاس کھونے کے لیے اس کے سوا اور تھا ہی کیا' بے چینی ایک بے نام سے خوف میں ڈھل گئی اور میں نے صبح ہوتے ہی اسے فون کر ڈالا۔

"کچھ خاص نہیں اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہی ہوں۔" اس کے بتانے پہ رات والی بے چینی اور اضطراب پھر سے عود کر آیا... وہی کچھ چھن جانے' لٹ جانے اور کھو جانے کا خوف۔

"ہنی تم کہیں مت جایا کرو۔" میں بے تابی سے کہہ اٹھا۔

"ارے وہ کیوں؟"

"بس... ایسے ہی۔" مجھ سے جواب نہ بن پایا۔

"بدھو گھر پہ رہ کے کیا کروں سارا دن؟" وہ کھلکھلا اٹھی۔

"کچھ بھی... پینٹنگ کرلیا کرو... اسکیچ بنالیا لو... مگر یہیں گھر میں' باہر مت نکلا کرو تم۔"

"عجیب پاگل ہو تم یہ کیا ضد ہوئی بھلا... اور تمہیں تو پتا ہے میں وہی چیز' وہی منظر پینٹ کرتی ہوں' جو میری آنکھوں کو اچھی لگے... دل کو بھائے' گھر میں کیا اپنے ہی کمرے کی تصویریں بناتی رہا کروں۔ ہزار بار کی دیکھی' باہر کچھ تو نیا مل جاتا ہے' جو تصویر بنانے پہ مجبور کرے۔"

"کچھ نیا بنایا؟" میں نے اپنی بے چینی دور کرنے کے لیے موضوع بدلنا چاہا۔

"ہاں کوشش کی... مگر پورا نہ کرسکی۔" اس کا لہجہ مدھم پڑ گیا۔

"وہ کیا؟"

"بس تھا ایک منظر۔ اسے دیکھتے ہی ایک خوف سا محسوس ہوا کہ کہیں پلک جھپکتے ہی یہ منظر اوجھل نہ ہو جائے اور پھر میں نے فوراً" ہی اسے اپنی اسکیچ بک میں قید کرنا چاہا... مگر... مگر سعد کچھ منظر قید کرنے کے لیے نہیں ہوتے۔ تتلی کی طرح اڑ جاتے ہیں ہاتھوں سے نکل کے۔ مگر جیسے جیسے تتلی ہتھیلی پہ رنگ چھوڑ جاتی ہے' وہ منظر بھی اپنے رنگ چھوڑ گیا ہے میری آنکھوں کی پتلیوں میں۔"

وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی اور میں اس انجانے منظر سے جانا پہچانا حسد محسوس کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سوجی کے حلوے کی سوندھی سوندھی خوشبو' چکی کے پسے خالص گیہوں کے پراٹھے جو دیسی گھی میں تلے گئے تھے ان کی مہک پہ حاوی ہو گئی۔

"آج تو ناشتے پہ بڑا اہتمام ہے بھابھی۔ سعد پھر سے تو نہیں آرہا۔"

مہ پارہ کے سوال پہ کرسی سنبھالتے رضوان نے فوراً" پہلے سے ہی تنبیہہ کرڈالی۔

"نہیں... وہ ویک اینڈ سے پہلے نہیں آئے گا اور نائلہ خبردار جو تم اس کے ڈرامے بازی میں آئیں اور اسے آنے کے لیے کہا تو۔"

"اوفوہ... ہاسٹل نہ ہوا کالا پانی ہو گیا۔"

نائلہ نے سر جھٹکتے ہوئے حلوے کی قاب رضوان کے آگے بڑھائی... اور پھر بات چھیڑی۔

"اچھا سنیں مجھے ایک بار دکھا دیجئے گا وہ ڈرائیور' دیکھ بھال کے تسلی کرلوں۔"

"اب تم ڈرائیوروں کو بھی جانچو گی۔"

رضوان نے ناگواری سے کہا... یہی ناگواری

پراٹھے کا نوالہ توڑتی مہ پارہ کے چہرے پہ بھی جھلکنے لگی۔ مگر وجہ سراسر اور تھی۔

"توبہ ہے رضوان۔۔۔ لڑکی کا معاملہ ہے۔ بھلے ملازمہ ہے مگر چھ سال کی عمر سے پالا ہے اسے۔ ایسے کسی اچکے لفنگے کے ہاتھ دے دیں کل کلاں کو روتی بدکتی دوبارہ ہمارے ہاں آکے بیٹھ گئی تو۔"

"جانا کہاں ہے دونوں نے۔۔۔ شادی کے بعد اس ڈرائیور کو فیکٹری کی بجائے یہیں حویلی کے لیے رکھ دوں گا۔ اکٹھے ہی کام کریں گے۔ تمہاری نظر کے سامنے۔"

"ہاں۔۔۔ مگر اس کا کوئی گھر بار تو ہوگا۔ خاندان۔"

"بھابھی۔۔۔ بھائی جان کو سکون سے ناشتا تو کرنے دیں۔" مہ پارہ سے اور برداشت نہ ہوا۔

"ہاں نائلہ چائے منگواؤ جلدی مجھے جلدی نکلنا ہے۔ نیا کمشنر آیا ہے قصبے میں اس سے میٹنگ ہے۔"

مہ پارہ ناشتا ادھورا چھوڑ کے اٹھ گئی تھیں ان کے تو حلق تک میں زہر بھر گیا تھا سلمیٰ کی شادی اور رشتے کے ذکر سے۔

"سب کو اپنی اپنی ذمے داریاں یاد ہیں۔۔۔ حتیٰ کہ نوکرانیوں کی بھی۔ ان کو بھی ٹھکانے لگانے کی فکر ہے۔ ام ہانی کا سوچ سوچ کر ان کی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں کہ بن ماں باپ کی بچی ہے۔ کیا منہ دکھائیں گے اوپر جا کے۔"

بڑبڑاتی ہوئیں وہ بڑے دادا کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کی دوا کا وقت تھا اور یہ ذمے داری مہ پارہ کے سر پہ ہی تھی۔

وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔ ان کا آلہ سماعت ان کے سینے پہ دھرا تھا۔ مہ پارہ ان کے سرہانے کھڑے ہو کے آنسوؤں سے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔ پھر کرلا کے سوال کیا۔

"کیا میں بن ماں باپ کی نہیں ہوں۔۔۔ میرا فرض ادا کرنا کسی کو یاد نہیں تھا۔۔۔ میرے معاملے میں کسی کو خدا کا خوف نہیں آتا۔۔۔ ملازمہ تک کا جوڑ ڈھونڈ لیا۔ میں نظر نہیں آئی کسی کو۔"

روتے روتے وہ نیچے بیٹھ گئیں اور ان کے پلنگ کے پائے سے سر ٹیک کے سسکنے لگیں۔

"کیا میرا وجود تنکے سے بھی ہلکا ہے؟"

آلہ سماعت نہ لگا ہونے کے باعث بڑے دادا اس کی سسکیوں اور شکووں کی آواز پہ تو نہ جاگے مگر ان کی ہچکیوں سے جو ان کے پلنگ کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگے اس سے ان کی آنکھ کھل گئی اور ان کا سر اپنے پلنگ کے پائے پہ دیکھ کے وہ ڈپٹ کے کہنے لگے۔

"کڑیئے اتھے کیوں سر رکھ کے بے گئی؟ جیوندا ہوں میں ابھی۔۔۔ مرا نہیں جے میرے پلنگ کی پٹی لگ کے بے گئی اے اٹھ۔۔۔ اٹھ شاباش۔"

☆ ☆ ☆

"مٹی کی خوشبو کتنی اچھی لگتی ہے ناں۔"

ام ہانی اپنی کلاس کے بچوں کے ساتھ کیاری میں گلاب کی نئی قلمیں لگا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ گیلی مٹی سے بھرے تھے۔

"ٹیچر اس میں پھول کتنے دن بعد لگیں گے؟"

"بہت جلدی بس روز اسے پانی دینا ہے اور حسن آپ نے اپنا یونیفارم کیوں بھر لیا مٹی سے دھیان سے بیٹا۔"

اور پھر ہاتھ جھاڑتی پانی کے پائپ کے پاس آنے لگی جہاں دو تین اور بچے گملوں پہ سرخ رنگ پھیر رہے تھے۔ ایک بچہ پھرتی سے آگے بڑھ کے پائپ تھامے ہوئے ہاتھ دھلانے میں اس کی مدد کرنے لگا۔

"کتنے خوب صورت لگ رہے ہیں یہ گملے رنگ ہونے کے بعد شاباش۔"

ہاتھ رگڑ رگڑ کے دھوتے ہوئے اس کے اسکول کے احاطے میں ایک گاڑی داخل ہوتے دیکھی۔ گیلے ہاتھوں سے ماتھے پہ آتے بال ہٹاتی وہ سیدھی ہوئی گاڑی سے اترتا سالار اعظم اسی جانب آرہا تھا لیکن اس کی حیران نظریں کیاری کے پاس کام کرتے بچوں پہ تھیں شاید ام ہانی کو وہ اب تک دیکھ نہیں پایا تھا۔

"آپ لوگ پڑھتے ہیں یہاں؟"

وہ کلاس تھری کے دلاور سے پوچھ رہا تھا۔ حالانکہ اس کا یونیفارم میں ہونا خود سالار کے سوال کا جواب تھا پھر بھی اس کے لہجے میں ایک بے یقینی سی تھی۔

"جی کلاس تھری۔"

"تو کلاس میں ہونے کی بجائے یہاں کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"کام۔" بچے نے سادگی سے اپنے مٹی سے لپے ہاتھ آگے کر کے دکھائے۔

"کام... یہاں پڑھنے بھیجا جاتا ہے آپ کو یا مزدوری کے لیے... کہاں ہیں آپ کے پرنسپل؟"

"فرمایئے کوئی کام ہے آپ کو؟"

ام ہانی دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی اس کے قریب چلی آئی۔ پہلی نظر میں ہی سالار کے انداز میں پہچان کی رمق چمکنے لگی۔ مگر کمال کا اختیار تھا اسے اپنے تاثرات پوشیدہ کرنے کا۔ اگلے ہی پل وہ نظریں پھر سے ناآشنا اور اجنبی تھیں۔

"آپ کسی بچے کے ایڈمیشن کے لیے آئے ہیں۔"

"آپ کی تعریف؟" وہ خشک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں ٹیچر ہوں یہاں۔"

ام ہانی نے بھی جواباً اسی سرد مہری سے نوازا۔

"ٹیچر کا کام غالباً پڑھانا ہوتا ہے بچوں سے بیگار لینا نہیں۔"

"بیگار؟" وہ حیران ہوئی۔

"مجھے یہ اسکول کم اور بیگار کیمپ زیادہ لگ رہا ہے جہاں معصوم بچوں سے اس چلچلاتی دھوپ میں اس قسم کے کام لیے جا رہے ہیں۔ آپ کے پرنسپل سے بات کرنا چاہوں گا میں کہ کس حق سے وہ بچوں سے اسکول کے ایسے کام لے رہے ہیں جن کے لیے انہیں تنخواہ دار ملازم رکھنے چاہئیں۔"

"یہاں ہر کام کے لیے ملازم ہیں... مالی سے لے کر چپڑاسی تک اور بچے مزدوری نہیں کر رہے، ہنر سیکھ رہے ہیں۔ باغبانی بھی ایک فن ہے۔"

ام ہانی نے اگرچہ بڑے تحمل اور نرمی سے صفائی دی تھی۔ مگر اس کا طنزیہ انداز ہنوز وہی تھا۔

"بہت خوب... اچھا نام دیا ہے آپ نے اسے مگر ان کے غریب والدین نجانے کس کس طرح جتن کر کے یہاں کی فیس اس لیے ادا نہیں کرتے کہ آپ انہیں پڑھانے لکھانے کی بجائے باغبانی اور رنگ سازی سکھائیں۔"

اب مزید تحمل کا مظاہرہ کرنا ام ہانی کے لیے بھی دشوار تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں کوئی فیس نہیں لی جاتی... یہ ٹرسٹ اسکول ہے۔ یونیفارم اور کتابیں تک مفت دی جاتی ہیں اور دوسری بات کہ ہنر اور فن کوئی بھی چھوٹا نہیں ہوتا اور تعلیم صرف کتابیں پڑھنے کا نام نہیں ہے۔ کچھ بھی سیکھنا علم حاصل کرنا کہلاتا ہے اور دیکھیے یہ کچھ سیکھ ہی رہے ہیں اپنے اردگرد کے ماحول کو صحت مند اور خوب صورت بنانا سیکھ رہے ہیں یہ... یہ بھی سیکھ رہے ہیں کہ آگے چل کے انہیں صرف آرام دہ کاروں میں سوٹ پہن کے افسری نہیں کرنا بلکہ معاشرے میں ایک کار آمد رول بھی ادا کرنا ہے۔"

سالار کو اپنی ہی یادداشت پہ کچھ شبہ سا ہوا کہ کیا یہ وہی لڑکی تھی جو اس دن صرف آنسو بہانے اور بھاگ جانے کے سوا کچھ نہ کر پائی تھی۔

"چلیں... سب بچے ہاتھ منہ دھو کے وضو کر کے قاری صاحب کی کلاس میں جائیں درس کا وقت ہو گیا ہے۔"

بچوں کو لائن بنا کے اندر بھیجتے ہوئے اس نے مڑ کے سالار کو دیکھا جو کار کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"اور ہاں ایک اور بات..." سالار نہ چاہتے ہوئے بھی رک کر سننے لگا۔

"یہ ٹرسٹ اسکول آپ جیسے لوگوں کے لیے نہیں۔ آپ اپنے بچے کو کسی مہنگے اسکول میں داخل کرائیں جہاں اسے مٹی سے محبت سکھانے کی زحمت نہ دی جائے۔"

سالار نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ کے اسے واپس

موڑنے لگا۔
کہاں سے آجاتے ہیں مفت کے لیکچر دینے۔"
بڑبڑاتے ہوئے وہ بچوں کی لائن درست کرانے لگی۔

"ٹیچر یہ کون تھے؟"

"تھے کوئی... غلطی سے ہمارے اسکول آ گئے۔ میں نے انہیں راستہ بتا دیا ہے۔" اور مڑ کے گیٹ سے نکلتی گاڑی کو دیکھ کے سوچنے لگی۔

"اچھا ہی ہوا جو میں وہ اسکیچ مکمل نہ کر سکی... کچھ منظر صرف دور سے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

☼ ☼ ☼
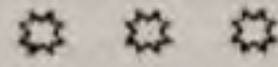
"اوہ... تو وہ ٹرسٹ اسکول آپ کا ہے؟" سالار اعظم کی رضوان سے ایک غیر رسمی سی ملاقات تھی یہ اور باتوں باتوں میں ہی اسے علم ہوا۔

"ٹرسٹ ہے۔ فلاحی۔ تو ہمارا تو نہ ہوا... عوام کا ہے۔" رضوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صحیح... میں اتفاقاً" آج ہی وہاں گیا تھا انسپکشن کے لیے۔"

"تب ہی مجھے علم ہوا تھا کہ 'نئے کمشنر صاحب بہ نفس نفیس ہر جگہ خود جا رہے ہیں۔ میں بہت متاثر ہوا۔"

"میں بھی بہت متاثر ہوا یہ جان کر کہ اس علاقے کے صاحب حیثیت لوگوں کو یہاں کے عام رہنے والوں کی ضروریات کا اتنا خیال ہے۔" سالار اعظم نے رضوان کی خوشدلی سے کی تعریف کا جواب خوشدلی سے دینا چاہا۔

"کیسا لگا آپ کو اسکول کا معیار؟"

"ویل... ویسے تو سب ٹھیک ہے، مگر آپ نے جو اسٹاف وہاں ہے..." سالار کی بات ام ہانی کو آفس میں داخل ہوتے دیکھ کے ادھوری رہ گئی وہ بھی رضوان کو سلام کرتے ہی اسے دیکھ کے بالکل اسی کے انداز میں چپ ہو کے رہ گئی۔

"ارے آؤ بیٹا... تمہیں اپنے مہمان سے ملواتا ہوں۔ یہ ہمارے نئے کمشنر ہیں۔ عرصے بعد ہمارے علاقے کو کوئی اتنا فرض شناس اور ذمے دار آفیسر ملا ہے اور سالار صاحب یہ میری بیٹی ہے۔ ام ہانی۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔" سالار اعظم کا لہجہ سراسر رسمی تھا۔

"رضوان شاہ کی بیٹی سے مل کے ہوئی ہو گی خوشی، ایک ٹرسٹ اسکول کی معمولی ٹیچر سے مل کے تو نہیں ہوئی تھی۔"

"اوہ... لگتا ہے آپ دونوں پہلے مل چکے ہیں۔"

"میں چلتی ہوں بڑے ابو... آپ بزی ہیں گھر پہ بات کر لوں گی۔" وہ چلی گئی، مگر سالار اعظم کے پھر وہاں بقیہ تیرہ منٹ بڑی مشکل سے کٹے۔

☼ ☼ ☼

"تاجدار حرم... ہو نگاہ کرم..."
جمعے کا دن اور لاہور کا داتا دربار... ایک ہجوم تھا۔ نہ صرف لاہور کے بلکہ گرد و نواح سے کتنے ہی لوگ اس دربار کے احاطے میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے آتے تھے۔ قوالوں کی ٹولیاں جگہ جگہ بیٹھی تھیں۔ کئی اطراف سے نعتوں کی پرسوز آوازیں گونج رہی تھیں۔ عطر اور اگر بتی کی مہک میں ڈوبا ہوا ماحول...

"جمعے کی نماز بھی پڑھ لیں گے۔ فاتحہ بھی ہو جائے گی مزار پہ... اور ساتھ میں یہ بھی لینا تھا مجھے۔"
سر پہ رومال باندھتے ہوئے شعیب سیڑھیوں کے پاس چادر بچھا کے چوڑیاں اور کڑے بیچتی عورت کے پاس رکا۔

"گرل فرینڈ کے لیے؟"
میں نے ہونق پن سے پوچھا۔ ذلیل انسان جمعے کی باجماعت نماز پڑھنے کا کہہ کر یہاں مجھے اتنے رش میں گھسیٹ لایا اور اب گرل فرینڈ کے لیے چوڑیاں لے رہا تھا۔

"ابے نہیں۔ ایسی کوئی مخلوق ابھی مجھے ملی نہیں۔ یہ تو آپا کے لیے لے رہا ہوں۔"

"تو کسی اچھی جگہ سے لو۔ یہ تو ہیں بھی سب سیاہ

رنگ کی۔ عجیب۔ بھدی سی۔"

"یہ منت کی چوڑیاں ہیں۔ اماں نے کہا تھا۔ یاد سے لاؤں آپا کی شادی کی عمر گزر رہی ہے نا۔ رشتہ نہیں آرہا۔ اب اگر اماں کا عقیدہ ہے کہ یہ چوڑیاں پہننے سے رشتہ جلدی آجائے گا تو کیا کیا جاسکتا ہے۔"

اس کی بات سے مجھے بھی دور کی کوڑی سوجھی۔

"یار شعیب۔ میری پھوپھو کی بھی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ ان کے لیے بھی لے لوں؟ قسم سے امی اور ہانی دونوں بہت دعائیں دیں گی مجھے اگر واقعی ان چوڑیوں نے کام کردکھایا تو۔"

"ضرور۔ اور اگر ان کے ساتھ کسی ناکام عشق والی کہانی جڑی ہے تو یہ موٹی والی کالی چوڑیاں لو۔ وہ بھی دو عدد۔ یہ پسند کی شادی کی منت کی ہیں۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔ لڑکیاں دور دور سے آکے لیتی ہیں۔ ان کو پہننے سے ان کی شادی وہیں ہوجاتی ہے جہاں وہ چاہتی ہیں۔ یہ ان کا ماننا ہے۔" قوالیوں کا شور اچانک تھم گیا۔

"لگتا ہے اذان ہونے والی ہے۔" اور شعیب کا اندازہ درست تھا اگلے ہی لمحے لاؤڈ اسپیکر اذان کی آواز سے گونج اٹھے۔

"چل یار۔ چھوڑ چوڑیاں۔ میں نہیں مانتا ان باتوں کو۔ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔"

میں اسے کھینچتا ہوا آگے لے گیا یہ نہ بتایا کہ اس وقت دل میں کیا بونگا سا خیال آیا تھا کہ کاش مرد ہونے کے باوجود میں بھی یہ کانچ کی وہ بھدی موٹی کالی چوڑیاں پہن سکتا کیا پتا واقعی ان کی کرامات سے۔

☼ ☼ ☼

صرف تیرہ منٹ۔ صرف اور صرف تیرہ منٹ وہ مزید رک سکا تھا اس آفس میں اور پھر رہ نہ سکا۔ اور ایک ضروری کام یاد آنے کا کہہ کر رضوان سے معذرت کرتا نکل آیا تھا۔

اس نے محض اندازے سے اپنی کار دائیں جانب کو جانے والی سیدھی سڑک پہ موڑی تھی اور اس کا اندازہ درست تھا اس سڑک پر دور وہ سفید دوپٹے اور ہلکے کاسنی کرتے پاجامے والی لڑکی پیدل چلتی جارہی تھی۔ ڈرائیور کو کچھ دیر بعد اس نے رکنے کا کہا اور پیدل چلتا اس کے پاس پہنچا۔

"سنو۔" اس کے پکارنے پہ ام ہانی نے مڑ کے دیکھا ضرور۔ کچھ حیران بھی ہوئی اور سالار کی طرح اسے اپنے تاثرات چھپانے پہ ملکہ نہیں تھا اس لیے اس حیرت کو اس کی جانب اچھال کے وہ نظرانداز کرتی دوبارہ چلنے لگی۔

"میں تم سے مخاطب ہوں۔"

"مجھے بچپن سے سکھایا گیا ہے کہ راہ چلتوں سے مخاطب نہیں ہوتے۔" بغیر رکے اس نے جواب دیا۔

"راستے پہ اس وقت تم چل رہی ہو۔ بائی داوے۔ اتنے بڑے آدمی کی بیٹی ہو کے پیدل جارہی ہو۔" اب کے وہ رکی اور تنک کے بولی۔

"کیوں؟ بڑے گھروں میں پیدا ہونے والے معذور ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ مگر عموماً" احساس سے عاری ہوتے ہیں وہ انسان۔" وہ مسکرایا کہ بہرحال اسے رکنے پہ تو مجبور کرہی دیا تھا۔

"جس میں احساس باقی نہ رہے وہ انسان ہی کہاں ہوتا ہے۔" اسے لاجواب کرنے کے بعد ام ہانی نے دوبارہ قدم بڑھائے۔

"تصویر مکمل کب کروگی؟" وہ اچانک اس کے سامنے آتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کبھی نہیں۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے دوٹوک جواب دیا۔

"مگر میں کوئی چیز کبھی ادھوری اور نامکمل نہیں رہنے دیتا۔"

"اور میں کوئی ایسا کام مکمل نہیں کرتی جس پہ میرا دل نہ مانے؟"

اس بار وہ آگے بڑھی تو سالار نے اس کے پیچھے اپنے قدم نہ بڑھائے۔

☼ ☼ ☼

میرا دل چاہتا تو دن کے ہر دوسرے پل اسے فون کرتا۔ اور گزرے پچھلے پل کا سارا حال سناتا۔ مگر بہرحال رات سونے سے پہلے ایک لمبی کال۔۔۔ یہ معمول تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بہت کچھ ہوتا تھا میرے پاس اسے سنانے کے لیے اور پتا نہیں کیوں مجھے بتانے کے لیے اب اس کے پاس زیادہ کچھ نہیں رہا تھا۔ وہ بس میری سنتی، کبھی ہنستی، کبھی ٹوکتی، کبھی بگڑتی۔

"میں کیا کروں گی ان چوڑیوں کا؟" میں نے اسے منت والی چوڑیوں کا بتایا تو وہ پھر سے ہنس دی۔

"ان کو پہننے سے شادی وہیں ہو جاتی ہے جہاں دل چاہتا ہو۔"

"تو ایسا کرو سلمیٰ کے لیے لے آؤ۔ اس کی لو اسٹوری آج کل تباہی کے دہانے پہ ہے۔"

"اس کے لیے کیوں لاؤں؟ وہ کیا لگتی ہے میری؟" میں بری طرح چڑ گیا اور وہ کھلکھلا کے ہنسنے لگی۔ میری چڑچڑاہٹ اور کوفت اس کی ہنسی کی آبشار میں بہہ گئی۔

"تم خاموش مت ہونا ہنی۔ ہنستی رہنا۔ ہمیشہ۔"

"بدھو۔۔ بلاوجہ ہنستی رہوں؟ پاگل ہوں کیا؟"

"ہنستے رہنے سے پاگل نہیں ہوتے ہاں کسی کسی کی ہنسی پاگل ضرور کر دیتی ہے۔"

میری بات پہ وہ پھر سے ہنس پڑی۔ اور یہ کھلکھلاہٹ اس کے فون بند کرنے کے بعد بھی دیر تک مجھے لہروں کی طرح یہاں وہاں اچھالتی رہتی۔ یہاں تک کہ۔۔۔ کہ پھر سے وہی انجانا خوف جو گھات لگائے بیٹھا تھا۔ پھر سے مجھ پہ حملہ آور ہوا۔ میں بے چین ہو کے کچی نیند سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

وہی کچھ چھن جانے کا خوف۔ کچھ بچھڑ جانے کا۔۔۔ کچھ لٹ جانے کا ڈر۔۔۔

☼ ☼ ☼

بکری کا وہ ننھا سا برف کے گولے جیسا بچہ مستی میں یہاں سے وہاں گھاس پہ لوٹیں کھا رہا تھا اور ام ہانی مسکراتے ہوئے اس کا اسکیچ بنانے میں مصروف تھی۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پہ موجود ایک بڑے سے سیاہ پتھر پر بیٹھی۔

فجر کی نماز کے بعد وہ جب صبح کی سیر کے لیے نکلتی تو اپنی اسکیچ بک اور پنسل ضرور ساتھ رکھتی۔ ایسے ہی کسی منظر کو قید کرنے کے لیے جو اس کے دل کو بھا جائے اور تب اس کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی جب اس نے جاگنگ سوٹ میں ملبوس سالار اعظم کو اس جانب آتے دیکھا۔ ام ہانی نے فوراً" اسکیچ بک بند کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رکو۔۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔"

"مگر مجھے نہیں کرنی۔"

وہ تیز تیز چلنے لگی۔ سالار بھی اس کے ساتھ لمبے لمبے قدم اٹھانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔۔ تم مت کرنا۔۔ صرف سن لینا۔"

"مجھے سننا بھی نہیں ہے۔ پلیز۔۔ آپ ایسے میرا راستہ نہ روکا کریں۔۔ آہ۔"

اچانک وہ درد سے کراہ اٹھی۔ تیز چلنے کی وجہ سے اور سارا دھیان ساتھ ساتھ چلتے بلاوجہ فری ہوتے سالار پہ ہونے کی وجہ سے وہ اس پتھر کو دیکھ نہیں پائی جس سے اس کا دایاں پاؤں بری طرح ٹھوکر کھا کے مڑ گیا تھا۔

وہ اپنے پیر کو تھامتی۔۔ درد سے آنکھیں میچتی اسی پتھر پہ بیٹھ گئی۔ اس کے انگوٹھے کا ناخن ٹھوکر کھانے سے جلد سے اکھڑ کے ایک جانب جھول رہا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ سالار اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو ام ہانی نے اپنی آنسو بھری سرخ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور اپنی سسکی روکنے کی کوشش کی۔

اپنے تاثرات چھپانے میں ملکہ رکھنے والے سالار اعظم کا پگھلتا دل اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگا اس کے نقوش بھی اس کے دل کے ساتھ ساتھ پگھل رہے تھے جیسے وہ پیروں کے بل وہیں اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بن کچھ کہے اس کے پیر کی جانب ہاتھ بڑھائے اور ام ہانی نے فوراً" ہی جھجک کے اپنے پیر کو

پیچھے کر دیا تھا۔

سالار نے اپنا ہاتھ مزید آگے بڑھانے کے بجائے اسے ہی آنکھ سے پیر آگے کرنے کا اشارہ کیا، مگر جب وہ انکار میں سر ہلانے لگی تو ناچار اس نے خود ہی اس کا پیر تھام کے اپنے سامنے کیا۔ ام ہانی نے مزاحمت کی کوشش کی، مگر سالار کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ سسکی بھر کے رہ گئی۔ سالار نے جیب سے رومال نکال کے اس کے اکھڑتے جھولتے ناخن پہ رکھ کے ہلکا سا دبایا تو درد کی شدت سے تڑپ کے وہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے رومال والے ہاتھ پہ رکھ کے رونے لگی۔

"نہیں پلیز۔"

سالار نے دوسرے ہاتھ سے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹائے اور گہری نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ درد سے بے حال ام ہانی نے اب لب بھینچ رکھے تھے اور آنکھیں زور سے بھینچی ہوئی تھیں۔ بند آنکھوں سے جھڑ جھڑ آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ یونہی نظر جمائے سالار نے اس کے ناخن کے اس بقیہ حصے کو ابھی اکھاڑنا چاہا تو وہ ہلکا سا چلا اٹھی چہرے پہ درد کہیں زیادہ بڑھ گیا اور سالار کی نظریں اور بھی گہری ہو گئیں۔

سالار دھیرے دھیرے اس کے ناخن کو جڑ سے اکھاڑ رہا تھا اور ام ہانی کے ہاتھ پھر سے اس کے ہاتھ پر جمے تھے۔ اب وہ اسے روکنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی، مگر درد کی شدت سے رہ رہ کے اٹھنے والی چیخوں کو روکنے کے لیے اس کے ناخن قریباً" سالار کے ہاتھ کی پشت میں کھب رہے تھے اور سالار۔۔۔ اسے تو جیسے اس چیز کا کوئی احساس ہی نہیں تھا وہ یک ٹک اس کی بند پلکوں سے جھڑ جھڑ کرکے گرتے آنسوؤں کو دیکھتا جا رہا تھا جیسے پورے جہاں میں ان کے سوا دیکھنے لائق کوئی منظر ہی نہ ہو۔

اور آخر ناخن جڑ سے اکھڑ گیا۔ خون ابل کے بہا اور رومال کو سرخ کر گیا۔ ام ہانی جو دیر سے سسکیاں دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ سالار کا ہاتھ بے ساختہ آگے بڑھا اور اس کے آنسوؤں کو اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں پہ چننا چاہا تو ام ہانی رونا بھول گئی۔ تڑپ کے پیچھے ہٹی۔

اس کی سرخ روئی روئی آنکھوں کی حیرت بھی سالار کی خصوصیت کو توڑ نہ سکی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا پاؤں سالار کی گرفت سے چھڑایا وہ تب بھی اسی بے خودی میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ وہیں پنجوں کے بل بیٹھا رہا۔

وہ لنگڑاتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تب بھی نہ ہلا۔ یہاں تک کہ چند قدم چلنے کے بعد ام ہانی نے مڑ کے اسے دیکھنا چاہا تو سالار اعظم اس پگڈنڈی کے پاس پڑے، بہت سے پتھروں میں سے اب ایک پتھر تھا۔

☼ ☼ ☼

میں نے سچ کہا تھا شعیب سے۔ میرا دل اس کے بارے میں غلط سگنل دے ہی نہیں سکتا۔ یہ عجیب بے سکونی جو کئی روز سے مجھ پہ غلبہ کیے ہوئے تھی جس کا سبب جاننے سے میں قاصر تھا اس کا جواب رات کو ہنی سے فون پہ بات ہوتے ہی مل گیا۔

"ایسے کیسے لگ گئی چوٹ؟" میں تڑپ اٹھا تھا۔ دانتوں تک کے اندر درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔

"بس لگ گئی۔۔۔" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ مگر کیسے؟"

"اب کیا دوبارہ ٹھوکر لگوا کے دکھاؤں؟" وہ جھنجلا رہی تھی۔

"خون بھی نکلا تھا؟" میں جیسے کراہ اٹھا۔ پھر سے ایک خاموش لمحہ۔۔۔ اور ایک مختصر جواب۔

"ہاں۔"

"تم روئیں ہنی؟" اور پتا نہیں کیوں میرے ہر سوال کے جواب میں وہ ایک ثانیے کے لیے چپ سی ہو جاتی تھی۔

"ناں۔۔۔ کوئی نہیں۔" اور میں جانتا تھا یہ سفید جھوٹ تھا۔

"جھوٹ۔۔۔ تم روئی تھیں۔ میں کہہ رہا ہوں ناں تم

روئی تھیں تو بس روئی تھی۔ تمہیں کس نے چپ کرایا ہوگا بنی۔"

"بدھو۔۔۔ میں کوئی بچی ہوں جو ذرا سی چوٹ پر روؤں گی۔"

"میں کل ہی آتا ہوں۔"

اچانک میں نے فیصلہ کرلیا۔

"خبردار۔۔۔ اگر تم مجھے روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تو میں بھی تمہیں ڈانٹ کھاتا نہیں دیکھ سکتی اور کل تو کیا تم اس ویک اینڈ پہ بھی نہیں آؤ گے۔"

"کیا؟ دو دن بعد ویک اینڈ پہ بھی نہیں؟ کیوں؟" میں اس کے سفاک حکم پہ احتجاج کرنے لگا۔

"منڈے کو تمہاری پریزنٹیشن ہے بدھو۔۔۔ خاک تیاری کی ہے تم نے۔ یہاں آگئے تو کچھ بھی نہیں کرسکو گے وہاں رہ کے کام کرو اچھا سا۔۔۔ منڈے کو زبردست سی پریزنٹیشن دو اور پھر اگلے ویک اینڈ پہ آنا۔۔۔ اوکے۔"

"اوکے۔" مرے مرے لہجے میں کہہ کر میں نے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔" شعیب نے روم میں داخل ہوتے ہی مجھ سے پوچھا۔

"میں نہیں جارہا اس ویک اینڈ پہ۔۔۔"

"کیوں؟ حکم یار ہے کیا؟" وہ چڑانے لگا۔

"ہاں۔۔۔ اور میں اس کا کہا ٹال نہیں سکتا۔۔۔ مگر۔۔۔ یار اتنے دن اس سے دور رہنا بھی تو ایک عذاب ہے۔ مرجاؤں گا۔"

شعیب نے چند سیکنڈ غور سے مجھے دیکھا جیسے اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ میں مرنے والا ہوں یا نہیں۔۔۔ پھر میرا شانہ تھپتھپا کے سنجیدگی سے کہنے لگا۔

"کبھی کبھی جدائی کچھ نہیں کہتی۔۔۔ قربت مار دیتی ہے۔"

✡ ✡ ✡
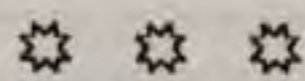
"صدیق چچا۔۔۔ اتنا سا کام کہا تھا آپ سے وہ بھی نہیں کیا۔۔۔ صدیق چچا۔" پیون کو پکارتی وہ اسکول کی راہداری میں سے گزر رہی تھی اور پھر ان کا اسٹول خالی دیکھ کے کوفت سے بڑبڑا کے رہ گئی۔

"پھر سے غائب۔۔۔ سرکاری اسکول والا حال بنادیا ہے ان لوگوں نے۔۔۔ جس کو دیکھو بنا بتائے کبھی بھی غائب۔۔۔"

اس نے دو دن پہلے پیتل کا جو گھنٹا لا کے دیا تھا وہ ابھی تک جوں کا توں اسی اسٹول کے پاس رکھا تھا۔ گرمی کے بڑھتے ہی اس چھوٹے سے قصبے میں بجلی جانے کا دورانیہ زیادہ ہوجاتا تھا اور اسکول کے اوقات میں تو اکثر بجلی ہوتی ہی نہیں تھی۔ ام ہانی نے یہ پیتل کا گھنٹا منگوایا تھا تاکہ چھٹی' اسمبلی اور ہر کلاس کے ختم ہونے پہ اسے بجا دیا جائے۔ اب جو اسے تاؤ آیا تو اسٹول گھسیٹا اور اس پہ چڑھ کے خود ہی دیوار سے ٹانگنے لگی۔ مگر گھنٹا خاصا بھاری تھا۔ پھسل پھسل جارہا تھا ہاتھ سے۔۔۔ اور پیر کے انگوٹھے کی چوٹ کی وجہ سے وہ صحیح طریقے سے اسٹول پہ قدم بھی نہیں جما پارہی تھی۔

تب ہی دو ہاتھ گھنٹے پہ آکے رکے اس نے چونک کر دیکھا یہ سالار اعظم تھا جو اس سے لینے کے بعد بڑی سہولت سے گھنٹے کو دیوار سے جھولتے ہک سے لٹکانے لگا۔ وہ خاموشی سے دیوار کا سہارا لے کر اسٹول سے اترنے لگی جو ڈگمگا رہا تھا۔ گھنٹا لٹکانے کے بعد سالار نے فوراً" ہاتھ بڑھا کے اسے کہنی سے تھاما اور اسٹول سے نیچے اترنے میں مدد دی۔

"چھوڑیں مجھے۔۔۔ نہیں گرتی میں۔"

نیچے اترتے ہی اس نے اپنا بازو سالار سے چھڑوایا۔

"کیسا ہے اب پیر کا زخم؟"

سالار اس کے انگوٹھے پہ بندھی پٹی دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اب۔۔۔" مختصر کہہ کر وہ اس سے آنے کا سبب پوچھنے ہی والی تھی کہ اسے گھنٹا بجاتے دیکھ کے ہڑبڑا اٹھی۔

"ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ آپ۔۔۔ یہ کیوں۔"

مگر گھنٹے کی آواز میں اس کی آواز دب سی گئی۔ وہ

متوحش نظروں سے کبھی مسلسل گھنٹے بجاتے سالار کو تو کبھی جماعتوں سے نکلتے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟ ابھی چھٹی ہونے میں پورے پچیس منٹ باقی ہیں۔" سالار کے رکتے ہی اس نے غصے سے کہا۔

"کیوں کہ مجھے اپنی تصویر مکمل کرانی ہے۔" وہ سکون سے کہہ رہا تھا۔ ام ہانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، مگر الفاظ... الفاظ جانے کہاں تھے وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ شدت سے... مگر انکار کی ہمت جانے کہاں تھی۔

"اب بھی دل نہیں مان رہا؟" وہ ہلکا سا مسکرایا اور ام ہانی کو لگا انکار کی وہ ہمت... وہ الفاظ سب شاید اس مسکراہٹ کی تاب نہ لا کے ہی کہیں چھپ گئے تھے۔

"کہاں بناؤ گی اسکیچ؟ یہیں؟ یا نہر کنارے؟" اب ام ہانی نے ہتھیار ڈال دیے۔

"نہر کنارے کل صبح۔"

☼ ☼ ☼
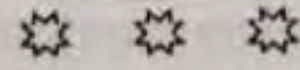
مجھے صبح کی پہلی پھٹنے سے بھی خوف آرہا تھا۔

نجانے کیوں یہ پھٹی بلکتی جس سے بھری رات اتنی عزیز ہو رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اس رات کو اپنی آغوش میں ایسے بھرلوں کہ یہ کہیں جا نہ سکے دن کا اجالا آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

میں نہیں جانتا تھا آنے والی صبح کی ہیبت مجھ پہ ابھی سے کیوں طاری ہو رہی تھی۔

میں نہیں جانتا تھا وہ کیا تھا۔ جو مجھ سے چھن جانے والا ہے... میں نہیں جانتا تھا۔ میں کیا کھونے والا ہوں۔ اور صبح کو ہونے سے روکنا میرے بس میں نہیں تھا۔

صبح ہو کے رہی... کیا کچھ چھن جانے اور کھو جانے کو روکنا میرے بس میں تھا؟

شاید...

شاید وہ بھی نہیں...

دور کہیں... کچھ تھا۔ جو مجھ سے دھیرے دھیرے چھن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کورے ورق پہ دھیرے دھیرے وہ ساحر نقوش ابھر رہے تھے اور ام ہانی حیرت میں تھی۔ کہ اس چہرے کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بھی کتنا حوصلہ چاہیے اور وہ... وہ ایک نظر میں دو دو بار دیکھ رہی تھی۔

نظر اٹھاتی تو سامنے وہ... نظر جھکاتی۔ تو گود میں رکھی کاپی کے ورق پہ وہ...

"ہو گئی مکمل؟" ام ہانی نے تھکن سے بھرپور انداز میں ایک گہری سانس لی تو کب سے ایک زاویے پہ بیٹھے سالار نے پوچھا۔ وہ اثبات میں سرہلا کے رہ گئی۔

"شو می" ام ہانی نے سٹپٹا کے کاپی بند کی تو سالار نے اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پہلی نظر اس اسکیچ پہ ڈالتے ہی اس کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔

"اس میں میری آنکھیں بند کیوں ہیں؟"

"وہ... میں نے... میں نے اس تصویر میں آپ کو سوتا ہوا دکھایا ہے۔"

"مگر میں نے یہ تصویر جاگتے میں بنوائی ہے بتاؤ... کیوں میری آنکھیں بند دکھائی ہیں تم نے؟" وہ اس کے چہرے پہ نظر جمائے پوچھ رہا تھا اور وہ نظر چرا رہی تھی۔

"بتاؤ ام ہانی۔" آخر ہانی نے نظر اٹھائی تو وہ اب تک اسے اسی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ آخر جھنجلا اٹھی۔

"اس لیے نہیں بنائی۔"

"کس لیے؟" وہ مزید حیران ہوا۔

"آپ... آپ نا... آپ دیکھتے بہت ہیں۔" اس کے بے چارگی بھرے شکوے پہ سالار مسکرا اٹھا۔

"تو آنکھوں کا اور کام کیا ہے؟"

"آپ کی نگاہوں سے تو میں نظر چرا لیتی ہوں... مگر... مگر وہ تصویر جو بنا رہی ہوں اس پہ سے کیسے نظر ہٹاؤں اس لیے آنکھیں بند دکھا دیں کہ سکون سے تصویر تو مکمل کر سکوں۔"

سر جھٹکتے ہوئے وہ گلہ بھی کر رہی تھی اور ساتھ

ساتھ اپنی چیزیں بھی سمیٹ رہی تھی۔ کتنی دیر ہوگئی یہاں سے اب سیدھا اسکول کے لیے نکلنا ہوگا"اس نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے لیے کلائی چہرے کے سامنے کی تو سالار نے اس کی وہی کلائی تھامی اور جھٹکے سے اپنی جانب کھینچا وہ اس کے سینے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ ابھی سنبھلنے نہ پائی تھی کہ سالار نے اسے بالکل ہی بے جان کر ڈالا۔ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کے۔

"اب کیسے بند کرو گی میری آنکھیں؟"

"چھوڑیں مجھے۔" سرگوشی سی نکلی اس کے کپکپاتے لبوں سے۔

"اور نہ چھوڑوں تو؟ رو دو گی؟" جواب میں ام ہانی کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھر گئے۔ سالار نے دھیرے سے اپنے ہاتھ اس کے رخساروں سے ہٹائے۔

"میں نہ تو تم سے یہ پوچھوں گا کہ تم کسی اور کو چاہتی ہو یا نہیں۔ تمہاری زندگی میں کوئی اور ہے یا نہیں۔ میں یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کروں گا کہ تم انگیج تو نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جاننا چاہتا ام ہانی۔ کہ تم مجھے پسند کرتی ہو یا نہیں۔ مجھے تم اچھی لگی ہو۔ بس یہ کافی ہے۔"

وہ دم بخود اسے سنتی جارہی تھی اور وہ کہتا جارہا تھا۔

"اور جو مجھے اچھے لگتے ہیں وہ میرے ہو جاتے ہیں ام ہانی۔ اب تم میری ہو۔"

☼ ☼ ☼
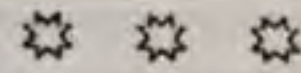
میرے کان سائیں سائیں کررہے تھے۔ جیسے تیز ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہوں۔ کلاس روم میں نہیں جیسے کسی لق ودق صحرا میں کھڑا ہوں جہاں چاروں جانب ریت اڑ رہی ہو۔ ریت کی کرکراہٹ مجھے اپنے دانتوں تک پہ محسوس ہو رہی تھی اور پلکوں پہ بھی۔ میں نے پلکیں مسلنا چاہیں۔

"سعد ڈو یو گیٹ وا ٹ اوائنٹ"

سر مختار کی آواز بازگشت بن کے گونجی۔ میں نے پلکیں مسل کے حیرت سے انہیں دیکھا۔ مجھے تو لگا تھا اس صحرا میں اس اڑتی ریت میں دور دور تک سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے۔ پھر سر مختار یہاں کیسے۔ ریت کے اڑتے بگولوں کے پار ان کا ہیولا سا نظر آرہا تھا۔

"سعد آئی ایم ٹاکنگ ٹو یو۔" اور پھر شعیب۔ جانے وہ بھی کہاں سے کود پڑا اور میرا بازو پکڑ کے زور سے ہلایا۔

"سعد۔" میں جیسے ہوش میں آگیا۔ ریت تو نہیں اڑ رہی تھی۔ کلاس روم میں۔ جھکڑ نہیں چل رہے تھے۔ میں گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دے رہا" سر مختار طنز سے مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"Excuse me sir" ایکسکیوزمی سر!

مجھ سے اس کے علاوہ کچھ اور نہ کہا گیا اور میں تیزی سے کلاس روم سے نکل آیا طویل راہداری۔ سیڑھیاں۔ پھر ایک اور طویل راہداری۔ وسیع و عریض گراؤنڈ اس اڑتی ریت اور سائیں سائیں نے میرا تعاقب ہر جگہ کیا۔

کچھ تھا جو کھو رہا تھا۔ کچھ تھا جو چھن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جو مجھے اچھے لگتے ہیں وہ۔ میرے ہو جاتے ہیں ام ہانی اور آج سے تم میری ہو۔"

ام ہانی کو ایسا لگا ضرور اس کی سماعتوں نے دھوکا کھایا ہے۔ وہ گنگ سی اسے دیکھتی رہی پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"مم۔ مگر۔"

لیکن اسی وقت سالار کی انگلی اس کے لبوں پہ آکے ٹھہر گئی۔ وہ ایک پل میں سوہنی کے کچے گھڑے کی طرح چناب کی تند لہروں کے سپرد ہو گئی۔

"اس کے بعد اگر مگر کی گنجائش نہیں رہتی۔" وہ کہہ رہا تھا اس کے لبوں پہ انگلی رکھے اور کچا گھڑا لہروں پہ اچھل رہا تھا۔

"جب کسی کے ہو جاتے ہیں تو بس ہو جاتے ہیں۔
سوال نہیں کرتے۔ جواب نہیں مانگتے۔"
اور کچا گھڑا ان لہروں میں کہیں کھو گیا۔۔۔ سپردگی کی انتہا تو یہی ہوتی ہے نا۔

☼ ☼ ☼
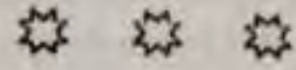
میں خالی خالی نظروں سے سامنے گراؤنڈ میں کچھ لڑکوں کو فٹ بال کھیلتے دیکھ رہا تھا جب شعیب میرے پاس آکے تشویش سے کہنے لگا۔
"سعد۔۔۔"
میں نے ان ہی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پتا نہیں اسے میرے چہرے پہ کیا نظر آیا جو اس کی تشویش خوف میں بدل گئی۔
"کیا ہوا ہے تمہیں سعد؟"
"کیا ہوا ہے؟" میں نے الٹا سوال کیا۔
"یہ تو تمہیں پتا ہو گا۔۔۔ کتنی محنت کی تم نے اپنی پریزنٹیشن پہ۔۔۔ اور سر کے سامنے ایسے بلینک ہو گئے جیسے۔۔۔ ہوا کیا ہے آخر؟"
"پتا نہیں۔۔۔ تم صحیح کہہ رہے ہو۔۔۔ میں واقعی بلینک ہو گیا تھا۔ کورے کاغذ کی طرح۔۔۔ ریت کے جھکڑ میں اڑتے ایک معمولی تنکے کی طرح۔۔۔ یہاں سے وہاں اڑتا ہوا۔۔۔ بے مقصد۔"
"کیا ہانک رہے ہو؟"
"میں سچ کہہ رہا ہوں شعیب اچانک بیٹھے بٹھائے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا۔ ایسا لگا میرے اندر سے سب کچھ غائب ہو گیا ہو۔۔۔ کسی نے میری روح تک کھینچ لی ہے۔ خالی پن بالکل خالی۔"
"یار تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"
شعیب نے مجھے بازو سے پکڑ کے اٹھایا۔
"شاید نیند نہ پوری ہونے کی وجہ سے۔۔۔ جا۔۔۔ ہاسٹل جا کے سو جا۔"
"جب میرے اندر کچھ رہا ہی نہیں۔۔۔ تو نیند کہاں رہی ہو گی۔"

☼ ☼ ☼
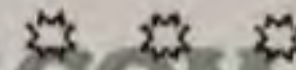
"تو پیا سے مل کے آئی ہے۔۔۔
بس آج سے نیند پرائی ہے۔"
ام ہانی قدم کہیں رکھ رہی تھی۔ پڑتے کہیں اور تھے۔ آنچل جھول کے پیروں تک آرہا تھا۔ لبوں پہ ایک مسکراہٹ تھی جو چھپائے نہ چھپتی تھی اور آنکھوں میں ایک خود فراموشی کی کیفیت۔ سلمٰی پودوں کو پانی دیتے گنگنا رہی تھی۔
"تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے۔۔۔"
ام ہانی کو یوں ڈولتے قدموں کے ساتھ حویلی داخل ہوتے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ اسے تو اس وقت اسکول ہونا چاہیے تھا۔
"ہانی بی بی۔۔۔"
"مگر ہانی تک اب کوئی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کے کانوں میں تو بس ایک ہی بازگشت تھی۔
"تم آج سے میری ہو۔"
"ہانی بی بی اسکول نہیں گئیں آپ؟"
وہ سلمٰی کے پاس سے گزرنے لگی تو سلمٰی نے پانی کا پائپ پرے کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔
"کچھ بول کیوں نہیں رہیں آپ ہانی بی بی۔"
اور وہ کیسے بولتی اس کے لبوں پہ تو ابھی تک وہ انگلی دھری تھی۔۔۔ شش۔۔۔ چپ۔۔۔
اور وہ اس عالم بے خودی میں اس کے پاس سے گزر کے چلی بھی گئی۔ سلمٰی نے حیرت سے دیکھا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ پانی کا چھڑکاؤ کرتے گنگنانے لگی۔
"تو ہے پگلی کہیں کے لوگ سکھی۔"

☼ ☼ ☼
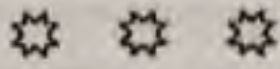
"نفوس کے ہوتے ہوئے بھی وہاں مکمل خاموشی تھی۔ علاوہ پنکھے کی ہلکی سی سرسراہٹ کے اور سالار کے کانٹے، چمچے کے کبھی کبھار آپس میں ٹکرانے کی آواز کے۔۔۔
سالار اعظم اپنی مخصوص سنجیدگی کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ اس سنجیدگی بھرے تاثرات

میں ہلکی سی تھکن کی آمیزش لیے اس کے سامنے بیٹھی اماں جان کھانے کے دوران گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال لیتی تھیں جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہوں 'مگر سالار نے ایک بار بھی نظر اپنی پلیٹ سے نہیں ہٹائی تو انہیں ناچار گفتگو میں پہل کرنے کی ہمت کرنی پڑی۔

"میں سوچ رہی تھی کچھ دنوں کے لیے نورین کے پاس چلی جاؤں۔"

"چلی جائیں۔" بنا نظر اٹھائے اس نے کہا۔

"لیکن پھر بات کچھ دنوں کی نہیں رہے گی وہ جلد واپس نہیں آنے دے گی۔ روز روز اتنا سفر کر کے میں امریکا جا بھی تو نہیں سکتی۔"

وہ رکیں کہ شاید وہ کچھ کہے 'مگر وہ اب پلیٹ میں مزید سلاد لے رہا تھا انہیں شبہ سا ہوا کہ پتا نہیں اس نے ان کی بات سنی بھی ہے یا نہیں۔

"اور وہ امید سے بھی ہے... سوچتی ہوں۔ ایک دو مہینے رک جاؤں... اکتوبر میں جاتی ہوں تاکہ اس کی ڈلیوری کے دوران اس کے پاس رہوں۔"

وہ پھر سے رک کر کسی جواب کی آس لیے اسے دیکھنے لگیں 'مگر اب وہ اپنے فون پہ کوئی میسج پڑھ رہا تھا۔

"تم کیا کہتے ہو؟"

ان کے تیسری بار مخاطب کرنے پہ سالار کے چہرے پہ واضح بے زاری نظر آنے لگی۔

"میں کیا کہوں جیسے آپ کی مرضی... جب جانا چاہیں 'بتادیں... میں ٹکٹ بنوا دیتا ہوں۔"

"تمہاری بہن شادی کے چھ سال بعد پہلی بار امید سے ہے اور تم نے اسے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔"

"میرے فون کرنے سے کیا ہوگا۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسے خوشی ہوگی بیٹا۔"

"اسے خوش رکھنا میری ڈیوٹی میں شامل نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہتا آگے بڑھا۔ اماں جان کے چہرے کی تھکن مزید بڑھتی ہوئی نظر آنے لگی۔

پھر سالار کو کچھ خیال سوجھا اور وہ رک کر کہنے لگا۔

"آپ ایک دو دن میں طے کر لیں کہ آپ کو ابھی جانا ہے یا دو ماہ بعد... کیوں کہ مجھے ایک کام ہے آپ کے ہوتے ہوئے ہو جائے تو بہتر ہوگا ورنہ مجھے دسمبر تک انتظار کرنا ہوگا آپ کے واپس لوٹنے کا۔"

وہ کم ہی اتنی طویل بات کرتا تھا ان سے۔

"کیا کام؟"

"شادی کرنا ہے مجھے۔"

مختصر جواب دے کر وہ انہیں حیران پریشان چھوڑ کے اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی اسی خواب جیسے پل کے سحر میں تھی۔ ہونٹوں پہ وہی انگلی اب تک یوں دھری تھی کہ صبح سے رات ہوگئی۔ وہ ایک لفظ تک نہ کہہ پائی۔ سعد کی کال دوبارہ آئی۔ فون بجتا رہا 'مگر وہ کیا بات کرتی کیسے کرتی۔

یونہی بستر پہ کروٹیں بدلتے بدلتے اس بانسری کی صدا پھر سے سنی تو بے چین ہو کے کمرے سے نکلی اس کی توقع کے عین مطابق سلمیٰ برآمدے کے فرش پہ بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔

"اسے کوئی منع کر دے ہانی بی بی نہ چھیڑے ایسے سر۔ نہ بلائے مجھے۔ میں نہیں جا سکتی اس سے ملنے۔"

"نہیں جاؤ گی تو وہ ایسے ہی ساری رات بانسری بجا بجا کے تمہیں پکارتا رہے گا۔" وہ اس کے پاس ہی فرش پہ بیٹھ گئی۔

"اب اس نے ساری رات نہیں ساری عمر ہی میری راہ تکنی ہے۔ بیگم صاحبہ نے ابھی بتایا ہے۔ اس چودھویں کو وہ میرا نکاح کر رہے ہیں۔"

"تو تم انہیں بتا دو انہیں تمہاری شادی ہی کرنی ہے تو خدا داد سے کر دیں۔"

"نہیں کریں گے جی... حویلی کی نوکرانیوں کی شادیاں حویلی کے ملازموں سے ہی ہوتی ہیں تاکہ وہ ہمیشہ یہیں رہیں اور پھر ان کے بچے بھی... ہم نسل در نسل غلام رہتی ہیں بی بی۔ اور خدا داد... وہ ذات کا

کمہار ہے۔۔۔ میرے لیے سب چھوڑ چھاڑ کے حویلی کی چاکری کرنے بھی گیا تو کرے گا کیا؟ نکھٹو کو سوائے صراحیاں گھڑنے اور بانسری بجانے کے آتا ہی کیا ہے۔"

اسے روتا دیکھ کے ام ہانی کا دل بھی بھر آیا۔

"تو اب کیا ہو گا سلمیٰ؟"

"جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے ہانی بی بی۔۔۔ جدائی۔"

ایک تیر سا ام ہانی کے دل کے پار ہو گیا۔ وہ تڑپ کے اٹھی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی جہاں فون نجانے کب سے بج رہا تھا۔

"کہاں تھی تم۔۔۔ کب سے فون کر رہا ہوں؟" اس کی آواز سن کے میں جی اٹھا ورنہ صبح سے ان ہی ریت کے بگولوں میں تنکا بنا اڑ رہا تھا۔

"بس۔۔۔ ایسے ہی۔۔۔ دل نہیں لگ رہا تھا۔۔۔ عجیب سی ایک اداسی تھی تو ٹہلنے چلی گئی۔"

"مجھے پتا ہے کیوں پریشان ہو تم؟"

"کیا پتا ہے؟" وہ چونک اٹھی تھی۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہونے کی آواز مجھے فون پہ بھی سنائی دیں۔

"کیوں کہ میں ٹھیک نہیں ہوں۔ طبیعت خراب ہے میری۔"

میں نے پورے وثوق سے کہا اور وہ پریشان ہو گئی۔

"اوہ۔۔۔ کیا ہوا تمہیں؟"

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے مجھے تو فوراً" پتا چل جاتا ہے اگر تمہاری طبیعت خراب ہو تو یا تم پریشان ہو جیسے ابھی بھی میں جان گیا ہوں۔ اب بتاؤ۔۔۔ میں سچ کہہ رہا ہوں نا؟"

"نہیں۔۔۔ میں تو بس وہ سلمیٰ کی وجہ سے۔۔۔ خیر چھوڑو، بہت رات ہو گئی۔ تم سو جاؤ۔"

"نہیں۔ تم کہو۔" میں جانتا تھا اس کے دل پہ بوجھ ہو گا تو وہ سو نہیں پائے گی اس لیے اسے اکسانے لگا۔

"تم کہو، میں ساری رات بھی سن سکتا ہوں۔"

"ساری رات؟"

"بس تم بولتی جاؤ۔ کچھ بھی۔۔۔ چاہے سلمیٰ کے بارے میں ہی سہی۔" اور وہ کہتی رہی۔۔۔ میں سنتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی ہی آواز نیند سے بوجھل ہو گئی۔ فون بند کرنے کے بعد میں بھی بڑی طمانیت سے آنکھیں موند کے لیٹ گیا جیسے میں نے اس کی پریشانی سنی نہ ہو۔ بلکہ خود پہ لے لی ہو۔

اگلی صبح کئی روز کے بعد میں قدرے حواسوں میں تھا۔۔۔ جاگنگ کے دوران یہ بات نوٹ کر کے شعیب نے فوراً" پوچھ بھی لیا۔

"وہ اس لیے کہ جان گیا ہوں۔۔۔ کل بیٹھے بٹھائے میرا کیا کھو گیا تھا۔"

"کیا کھو گیا تھا؟"

"اس کی ہنسی۔۔۔" شعیب میرے جواب پہ مسکرا دیا۔۔۔ میں اسے یقین دلانے لگا۔

"ہاں شعیب وہ اداس تھی نا اس لیے میں خالی خالی سا ہو گیا تھا۔"

☆ ☆ ☆

"بلیک کافی۔"

سالار نے اخبار کھول کے اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے ملازم سے کہا۔ اماں بیگم خاموشی سے ملازمہ کو اس کے سامنے کافی رکھتے اور سلائس پہ پی نٹ بٹر لگاتے دیکھتی رہیں اور جیسے وہ کچن کی جانب مڑا پوچھنے لگیں۔

"سالار۔ کون ہے وہ لڑکی؟" سالار نے اخبار چہرے سے ہٹا کے انہیں ایسی عجیب سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ وہ خود تذبذب میں آگئیں کہ شاید انہوں نے کوئی بہت ہی نامعقول بات پوچھ لی ہے۔

"وہی۔ جس سے۔۔۔ جس لڑکی سے تم شادی کرنا چاہتے ہو۔" گڑبڑا کے انہوں نے وضاحت دی مگر اس وضاحت نے سالار کی پیشانی کے بلوں میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

"آپ جان کے کیا کریں گی؟" سالار کے خشک لہجے کے جواب میں ان کا لہجہ مزید کمزور اور پھنسا ہوا۔

"ماں ہوں تمہاری۔" سالار کے چہرے کی ناگواری

چھلک چھلک جا رہی تھی۔ کافی کا آخری گھونٹ بھرتے 'اخبار تہ کرکے واپس میز پہ رکھتے اور میز سے اپنا چشمہ اور فون اٹھا کے کھڑے ہوتے' سالار کو وہ خاموشی سے دیکھتی گئیں اور پھر مایوس انداز میں کہہ اٹھیں۔

"تو نہیں بتاؤ گے۔" جاتے جاتے سالار رکا اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی سراسر احسان جتاتے انداز میں بتانے لگا۔

"امِ ہانی۔ یہیں رہتی ہے۔ اچھے گھرانے کی ہے۔"

"خود بھی بہت اچھی ہوگی۔ مجھے یقین ہے میرے بیٹے کا معیار بہت اونچا ہے۔ خدا اسے تمہارے اور تمہیں اس کے حق میں بہت نیک اور مبارک کرے۔"

وہ جانتی تھیں کہ وہ ان کے دعا مکمل ہونے سے پہلے ہی یہاں سے جاچکا ہوگا۔ پھر بھی دل کھول کے خدا کے حضور دعائیں مانگنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دونوں اس نہر کے کنارے اس بڑے سے پتھر پہ بیٹھے تھے۔ سالار اسے دیکھتا جا رہا تھا اور وہ اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"کچھ خاص نہیں۔ سلمٰی کے بارے میں۔"

"سلمٰی؟"

سالار کے ماتھے پہ شکن نمودار ہو گئی۔

"یہ کون ہے جسے تم میرے ساتھ بیٹھ کے سوچ رہی ہو۔"

"ہماری ملازمہ؟"

امِ ہانی کے سادگی سے کہنے پہ اب سالار کو اپنی برہمی چھپانا مشکل لگنے لگا۔

"ملازمہ؟" امِ ہانی۔ آج سے تمہاری سوچوں میں ایسے لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے۔"

اس کے لہجے میں ایسی واضح تنبیہہ تھی کہ وہ گڑبڑا اٹھی۔

"نہیں۔ میں تو بس ایسے ہی۔ دراصل وہ جسے پسند کرتی ہے۔ وہ۔۔۔"

سالار نے اس کی بات درشتگی سے کاٹ دی۔

"وہ کسے پسند کرتی ہے' کسے نہیں یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے لیے بس یہ جاننا اہم ہے کہ مجھے یہ بات بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتے ہوئے کسی اور کے بارے میں سوچو بھی۔"

پل بھر میں وہ مہربان سے اتنا نامہربان ہو جاتا تھا کہ ام ہانی سہم جاتی تھی۔ اب بھی چپ چاپ سر جھکا کے رہ گئی۔ سالار اسے غور سے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"اب رو دو گی؟"

"نہیں تو۔" آنسوؤں سے رندھی آواز میں بولی۔

"ام ہانی۔ میں اپنے قیمتی وقت میں سے یہ لمحے نکال کے تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم اپنی بات کہو۔ میری سنو۔" اس کا لہجہ پھر سے مہربان پا کے وہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔ پھر تمہید باندھتے ہوئے کہنے لگی۔

"پتا ہے سالار۔ کچھ دن پہلے گھر میں میری شادی کی بات چلی تھی۔ میرا ایک کزن۔"

اور سالار کو اس کی بات کاٹنے کا جیسے شوق سا لاحق ہو چکا تھا۔

"وہ جو بھی ہے اس کی قسمت میں صرف مایوسی اور ناکامی ہے۔ میں نے کہا ناں۔۔۔ تم میری ہو چکی ہو۔"

"ہاں۔ ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" وہ مسکرائی۔

"تقدیر نے شاید اسی لیے اس بات کو شروع ہونے سے پہلے ختم کر ڈالا۔ مگر گھر میں سب سنجیدہ ہیں اب۔ وہ میری شادی جلد از جلد کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" اس کی سادہ سی بات نے ام ہانی کو اتنا بڑا دلاسا دیا کہ وہ مطمئن سی ہو گئی۔ اس کی نظر نہر کے پار والے جامن کے درخت پہ گئی۔ جس کی شاخوں میں شام کی لالی سے لڑتا سورج دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں سالار نے بھی اسی جانب نظر اٹھائی۔

"وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟"

"وہ دیکھیں۔ سورج کی لالی۔ اور۔ اس درخت کی شاخوں میں سے جھلکتا یہ منظر کتنا خوب صورت لگ رہا ہے۔"

ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ سالار اٹھ کے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کچھ اس طرح کہ اس کے وجود نے ام ہانی کی بصارت کی آخری حد کو بھی اپنے حصار میں لے لیا۔ اب ام ہانی کو صرف وہ اور صرف وہی نظر آ رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد بھی۔۔۔

اور حویلی واپس آنے کے بعد بھی۔۔۔

بس وہی نظروں میں سمایا ہوا تھا۔ جیسے پتلیوں میں جم کے رہ گیا ہو۔

"ہانی بی بی۔ ہانی بی بی۔"

سلمٰی کے روتے ہوئے پکارنے پہ اس کی محویت ختم ہوئی۔ وہ روتی بلکتی باہر سے آ رہی تھی۔

"وہ مر جائے گا ہانی بی بی وہ تو سن کے ہی مرن جوگا ہو گیا۔ آپ نے ہی کہا تھا کہ اس سے مل کے آؤں۔ اسے بتاؤں۔ کہ میں کسی اور کی ہونے جا رہی ہوں۔ شاید وہ کچھ کرے۔۔۔ نہیں ہانی بی بی۔۔۔ وہ کیا کرے گا کچھ۔۔۔ وہ تو اگلا سانس لینے جوگا بھی نہیں رہا۔"

وہیں فرش پہ اس کے سامنے بیٹھ کے وہ بین ڈالنے لگی۔

"پتا نہیں کس دل سے میں نے اسے بتایا۔ وہ کچھ نہیں کر سکے گا ہانی بی بی۔ اب میں کسی اور کی ہو جاؤں گی۔"

"جب کسی کے ہو جاتے ہیں۔۔۔ سلمٰی۔ تو بس ہو جاتے ہیں۔۔۔" یہ ام ہانی نہیں۔ اس کے اندر۔ اندر سالار اعظم بول رہا تھا۔

"نہیں بی بی۔ جب ہمارا ہونا یا نہ ہونا ہی ہمارے بس میں نہیں ہے تو کسی کا ہونے پہ کیا زور۔ میں کم ذات۔ اسی حویلی کی تو شہزادیاں بھی روایتوں کی بھینٹ چڑھ گئیں۔۔۔ آپ نے دیکھا نہیں مہ پارہ بی بی کی جوانی کیسے رل گئی۔۔۔ برابر کا جوڑ نہ ملنے پہ۔ تو بھلا ایک کمی کمیں کی کون سنے گا۔"

ام ہانی کا دل سکڑ گیا۔ وہ اٹھی اور اندر جاتے ہی

فون پہ نمبر ملانے لگی۔
اور میں کھل اٹھا۔
"جب سے آیا ہوں۔ پہلی بار تم نے فون کیا ہے مجھے 'ورنہ ہمیشہ میں ہی کرتا ہوں۔"
"سنو۔ تم سے ایک کام تھا۔" وہ بہت سنجیدہ لگ رہی تھی۔
"کچھ منگوانا ہے میں نے۔"
"کہو ناں... کیا چاہیے... یہاں لاہور میں بہت اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں... جو کہو گی... لادوں گا۔"
میں پرجوش ہو گیا۔ وہ بھلا کہاں کرتی تھی فرمائشیں۔
"چوڑیاں۔"
"ہاں۔ ضرور۔ بہت ڈھیر سی۔ کون سے رنگ کی۔"
"نہیں بدھو۔ وہ والی ... منت کی... وہ جو تم بتارہے تھے کہ ان کو پہننے سے... اوفوہ۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔" وہ جھجکی... پھر ہچکچائی... پھر جھلا کے کہہ اٹھی۔
مجھے ہنسی آگئی۔
"اچھا۔ وہ جن کو پہننے سے نہ صرف شادی جلدی ہو جاتی ہے بلکہ وہیں ہو جاتی ہے جہاں خواہش ہو۔"
"ہاں۔"
"یار اپنے لیے منگواؤ ناں کچھ۔ میں نہیں لانے والا سلمٰی کے لیے۔" میں مایوس ہو گیا۔ منگوایا بھی کچھ تو سلمٰی کے لیے۔
"سلمٰی کے لیے نہیں۔ اپنے لیے منگوا رہی ہوں بدھو۔"
"سچ؟" میں ہواؤں میں اڑنے لگا۔
"صبح ہی لے کر آتا ہوں۔"
اور اس نے جلدی آنے سے منع بھی نہیں کیا۔
میں اسی رات پیکنگ کرنے لگا۔
"اب بیٹھے بٹھائے چل پڑے ہو۔ ویک اینڈ پہ چلے جانا۔" شعیب نے مجھے بیگ میں کپڑے ٹھونستے دیکھ کے بلاوجہ کا مشورہ دیا۔
"چپ کر۔ ویک اینڈ میں تین دن باقی ہیں۔ میں نہیں رک سکتا۔ پہلی بار تو اس نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔"
"اور وہ بھی تمہارے مطلب کا۔"
"ہاں۔ اور ابو بھی دو دن کے لیے کراچی گئے ہوئے ہیں انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں صبح جاؤں گا۔ اگلی صبح واپس۔"
اور پھر بیڈ پہ گر گیا۔ اس کے ملنے کے تصور نے میرے وجود میں عجیب سی سرشاری بھردی تھی۔
"شعیب۔ دیکھ... اسے ملنے کے خیال سے ہی مجھ میں جان پڑ گئی ہے۔ جی اٹھا ہوں۔"
"میں نے تجھے کہا تھا ناں سعد۔ کبھی کبھی جدائی کچھ نہیں کہتی۔ قربت مار دیتی ہے۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ناولٹ

فائزہ افتخار

سایہ

تیسری قسط

وہ چادر کی بکل مارے دبے پاؤں حویلی کی راہ داری سے گزر رہی تھی۔ بغل میں دابی گٹھڑی ایک ہاتھ میں پکڑی کولہاپوری چپل تاکہ پیروں کی آہٹ ہی نہ آسکے اور وہ کم بخت چغل خور پازیب بھی اتار کے گٹھڑی میں باندھ رکھی تھی۔ ساری حویلی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی بس باہر سے کتوں کے بھونکنے کی آواز گاہے بہ گاہے آجاتی تھی پھر گلیوں میں نیند سے ڈولتے قدموں کے ساتھ پھرتے چوکیدار کی صدا گونجی۔

"جاگتے رہنا بھائیو۔۔۔"

اور سہج سہج قدم اٹھاتی سلمیٰ لحہ بھر کو ہڑبڑا کر رہ گئی جیسے لالہ مقبول نے پیچھے سے آکے اس کے کان میں دھاڑا ہو۔

"پکڑی گئی لچی۔"

وہ گھبرا کے دائیں بائیں دیکھنے لگی مگر نیم تاریک راہ داری کے سبب کمروں کے دروازے بند تھے اور بند دروازوں کے پیچھے گہری نیندیں۔

ایک گہرا اطمینان بھرا سانس لے کر اس نے قدم بڑھایا۔ مگر اگلے ہی پل کسی نے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا اس کی چیخ نکل جاتی اگر ایک نرم گداز سی ہتھیلی اس کے ادھ کھلے منہ پر مضبوطی سے جم نہ جاتی۔

وہ دیوار سے چھپکلی کی طرح چپکی دہشت زدہ آنکھوں سے امہانی کو دیکھ رہی تھی۔

"بھاگ رہی ہے؟"

ام ہانی کی سرگوشی ابھری۔ سلمیٰ نے ڈرتے ڈرتے ہاں میں چنبیلی کے تیل میں ڈوبی کھوپڑی ہلائی۔

"تو ابھی تک نکلی کیوں نہیں دن چڑھنے کا انتظار ہے کیا؟ بدھو۔"

ام ہانی کی سرگوشی ہلکی سی غراہٹ میں بدلی۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے دوپٹے کے پلو کو کھولتی کچھ نکال رہی تھی۔

"یہ رکھ لے۔"

سلمیٰ کی ہتھیلی پہ اس نے کچھ ہزار کے نوٹ رکھے۔

"ہانی بی بی۔۔۔ یہ۔۔۔"

"شش۔۔۔ چپ نکل جا اب دفعان بھی ہو۔"

ام ہانی نے بازو سے پکڑ کے اس کا رخ راہ داری کے اس سرے کی جانب موڑا جہاں داخلی دروازہ تھا۔ آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو لیے سلمیٰ نے جاتے جاتے اسے گلے لگانا چاہا مگر ہانی نے دوبارہ سختی سے اسے کاندھوں سے پکڑ کے اس جانب موڑ دیا۔

"بس بس۔۔۔ ہو گیا نا۔۔۔ جا اب۔۔۔"

اور سلمیٰ یوں ہی گٹھڑی بغل میں اور روپے مٹھی میں دبائے دبے پاؤں باہر نکلی۔ سامنے بڑے سے آہنی گیٹ پر یہ موٹے موٹے تالے لٹک رہے تھے اور باہر اسٹول پہ لالہ مقبول بھی رائفل لے کر ضرور ہی بیٹھا ہو گا۔ وہ چپکے سے دائیں جانب کھنڈر کو مڑ گئی جہاں کی ٹوٹی دیوار سے نکل کے جھاڑیوں سے الجھتے اور آوارہ کتوں سے بچ کے نکلتے جانا تھا تو مشکل۔۔۔ مگر اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

گھنٹہ میں جاتے ہی اس نے چپل پیروں میں اڑس لی اور چادر کی بکل کھول کے اسے کس کے کمر پہ باندھ دیا، گٹھڑی رکھی سر پہ اور دیوار سے کودنے لگی۔ کتے اب اور توانائی لگا کے بھونکنے لگے۔

☼ ☼ ☼

لاہور کے اس علاقے میں رات جتنی ہنگامہ خیز ہوتی ہے' آغاز سحر بھی کم نہیں ہوتا۔ وہ جو ایک سکوت کا سا عالم ہوتا ہے وہ بس چند پل کا ہوتا ہے۔ شب کے آخری چند پل طلوع سحر سے پہلے کے چند پل جس میں ایک ملگجا سا اندھیرا ویران سونے پڑے گلی کوچوں کو حیرت سے تک رہا ہوتا ہے۔

ایسے ہی کچھ پل تھے جب سرمئی پنکھوں والے کچھ کبوتر بادشاہی مسجد کے میناروں سے چمٹے اونگھ رہے تھے اور اذان کی پہلی صدا ابھرنے سے پہلے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ہونے والی کھڑکھڑاہٹ ہی نے انہیں سہما کے اڑان بھرنے پر مجبور کردیا۔

بالکل اسی طرح جیسے میں "اللہ اکبر" کی صدا گہری نیند میں بھی کان میں پڑتے ہی بیڈ سے اچھل پڑا۔ سرہانے رکھے الارم کلاک کو بجنے کی زحمت دینے سے پہلے ہی بند کیا اور کرسی پر رکھی اپنی جینز اور ٹی شرٹ اٹھا کے واش روم کی طرف بھاگا۔ میری اسی اچھل کود سے اور واش روم کا دروازہ زور سے کھلنے اور پھر بند ہونے پہ شعیب کی کوفت میں ڈوبی بڑبڑاہٹ ابھری۔

"کیا یار... سویرے سویرے۔"

اور ٹھیک پانچ منٹ بعد میں جب دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتا ہاسٹل سے نکلنے کو تھا تب بند دروازے کے پیچھے سے یا تو الارم کلاک بجنے کی یا نلکوں سے بہتے پانی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس سے اگلے پانچ منٹ میں، میں ریلوے اسٹیشن پہ موجود تھا اور پلیٹ فارم پہ کھڑی ٹرین پہ ہوتی پانی کی بوچھاڑ سے اندازہ ہوا کہ میں وقت سے خاصا پہلے پہنچ گیا ہوں۔ ابھی تو کئی قلی بھی پلیٹ فارم پہ گٹھڑی بنے اونگھ رہے تھے۔ ہاکرز اخباروں کے بنڈل کھول رہے تھے۔ میں نے بیگ ایک بنچ پہ پھینکا اور اس سے ٹیک لگا کے سامنے والے ٹی اسٹال کو دیکھ کے سوچنے لگا کہ مجھے اس کالی بھجنگ کیتلی میں ابلتی چائے پینی چاہیے یا نہیں اور پھر ٹی اسٹال پہ رکھے ریڈیو سے ابھرتی عارف لوہار کی آواز نے میری ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔

الف اللہ... چنبے دے بوٹی
تے میرے مرشد من وچ لائی ہو...
جگ جگ جیے میرا مرشد
اے جس اے بوٹی لائی ہو
میرے اندر کوئی بے خود سا ہو کے دھمال ڈالنے لگا

☼ ☼ ☼

"بھابھی... ماسی رشیداں... نکل گئی نا وہ بدبخت... بھابھی۔"

مہ پارہ نے اک شور سا مچا کر سویرے ہی ساری حویلی ہلا کے رکھ دی۔ ایک ایک کرکے سب کمروں کے دروازے کھلنے لگے ام ہانی کے کانوں تک بھی یہ واویلا پہنچا۔

"بھاگ گئی ہے رات کے اندھیرے میں وہ کلموہی۔" اس نے گھبرا کے وال کلاک پہ وقت دیکھا چھ بجنے والے تھے یعنی اسے نکلے گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا۔

"اللہ کرے' ٹرین وقت پہ چل پڑی ہو۔" اس نے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ دعا مانگی اور چپل اڑستے ہوئے باہر نکلی جہاں مہ پارہ سب کو اکٹھا کیے چلا رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا بھابھی اس کے لچھن ٹھیک نہیں ہیں۔"

"ٹھیک سے دیکھو مہ پارہ۔" نائلہ کے اپنے اوسان بھی خطا ہو رہے تھے۔ معمولی بات نہیں تھی یہ۔

"یہیں کہیں ہوگی وہ۔ اتنی بڑی حویلی ہے۔"

"آخر کتنی بڑی ہے؟ کونا کونا دیکھ لیا ہے میں نے۔ اپنے سامان سمیت غائب ہے وہ... ارے کسی کو بھیجیں اسے ڈھونڈنے۔"

ماسی رشیداں نے فٹ لالہ مقبول کو دوڑایا اور وہ اکیلا تھوڑا ہی دوڑا۔ ساتھ لٹھ بردار چھ کالے بھی لے گیا۔

☼ ☼ ☼

"اے وے میریا جگنی"

عارف لوہار کی جگنی پہ سر دھنتا میں' ٹکٹ لے کر ٹرین پہ سوار ہوا۔ سارا ڈبا خالی پڑا تھا ابھی بھی کوئی آدھا گھنٹہ تھا ٹرین کی روانگی میں۔ میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کے اپنے سیل فون پہ کینڈی کرش سے شغل کرنے لگا۔

"ونگاں چڑھا لو کڑیو...
اج دا نا دے درباراں دیاں..."

اور عارف لوہار نے جیسے مجھے جھنجوڑ کے رکھ دیا۔

"اوئے... ونگاں... (چوڑیاں) یار... جس کام سے جا رہا تھا وہ تو کیا ہی نہیں۔" دل ہی دل میں خود کو جھڑکتا... گھڑی پہ وقت دیکھتا۔ میں ایک بار پھر ٹرین سے باہر تھا۔

کچھ دیر پہلے میں ٹرین کے وقت سے پہلے چل پڑنے کی دعا کر رہا تھا اور اب تاخیر سے روانگی کے لیے منت مان رہا تھا۔ اسٹیشن کے باہر رک کر کسی ٹیکسی و رکشے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے میں اس ویگن سے ہی لٹک گیا جو پوری طرح سے بھرنے کے بعد بس نکلنے کو ہی تھی۔ ہمیشہ ویگنوں کی اندھی رفتار سے وحشت کھانے والا میں اب اس کے رینگنے پہ تلملا رہا تھا۔

مینار پاکستان کے باہر جھاڑو سے خاک اڑاتے خاکروب۔

حلوائی کی دکان پہ کڑاہی سے نکلتی پوریاں اور پیتل کے بڑے گلاسوں سے چھلکتی لسی۔

فٹ پاتھوں پہ رکھے لکڑی کے بنچوں پہ بیٹھے بڑے بڑے لقمے توڑ کے ناشتا کرتے لاہوری۔

نیلی قمیصوں' سفید شلواروں میں اسکول جاتے بچے

سبزی پہ پانی کے چھینٹے مار کے ان کا وزن بڑھاتے ٹھیلے والے۔

ایک ایک منظر جیسے سست روی سے گزر رہا تھا۔

"تاجدار حرم... ہو نگاہ کرم"

دربار کے احاطے سے اٹھتی آوازوں سے میری جان میں جان آئی ابھی ویگن ٹھیک سے رکی ہی نہیں تھی جب میں چھلانگ مار کے سڑک پر تھا۔

سر پہ رومال باندھتا' سیڑھیوں پہ جا گرتا اتارتا میں اندھادھند اندر کی جانب بھاگا منت کی سیاہ چوڑیاں لیں اور پھر اسی رفتار کے ساتھ دربار کے باہر واپسی کے لیے مجھے چنگ چی رکشا سب سے پہلے دستیاب ہوا۔ اور یہ میرے لیے پہلا تجربہ تھا۔ اور غالباً" یہ بھی پہلا پہلا تجربہ تھا کہ ٹرین وقت پہ جانے کے لیے تیار تھی۔ جس وقت میں اسٹیشن پہنچا اناؤسمنٹ کی آواز کے ساتھ ساتھ ٹرین کا سائرن بھی زور و شور سے بج رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کب آئے گی ریل گاڑی؟"

اس چھوٹے سے اسٹیشن پہ چادر کی بکل میں چھپی سلمٰی نے ہراساں نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ایک ہی تو آتی ہے سارے دن میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" خداداد خود بھی سہما ہوا تھا۔

"ساری حویلی میری بو سونگھتی پھر رہی ہوگی چل خداوا لاری اڈے چلتے ہیں کسی ویگن سے نکل جاتے ہیں۔"

"ویگن کا پیچھا کرنا اور اسے بڑی سڑک پر رکوانا ان کے لیے آسان ہوگا۔ اس لیے ریل گاڑی کا سوچا کہ ایک بار نکل گئے تو بس نکل گئے۔"

"ہاں مگر نکلے تب نا... ریل کے آنے سے پہلے لوگ آگئے تو؟"

ابھی سلمٰی کی بات منہ میں تھی کہ لالہ مقبول اپنے لٹھ بردار جتھے کے ساتھ ان کے سر پہ تھا۔ سلمٰی کی چیخ اس کے حلق میں گھٹ کے رہ گئی جب لالہ کی لاٹھی خداداد کے سر پہ پڑی اور وہ چکرا کے نیچے گرا۔

وہ چاروں بے جان سی سلمٰی کو گھسیٹتے ہوئے جیپ میں ڈالنے لگے جو زمین پہ بھر بھر بہتے خداداد کے خون اور اوندھے پڑے اس کے نیم مردہ وجود کو تکتی جا رہی تھی۔ اس میں مزاحمت کرنے کی بھی سکت نہیں تھی پھر بھی نجانے کیسے اس کی سانولی کلائی میں پھنسی کرنجی رنگ کی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کے خداداد کے پاس گری پڑی تھیں۔

"تم دونوں یہیں رکو۔ اس گند کو اٹھا کے کہیں پھینکو پھر آنا۔"

اور جب کچھ دیر بعد ٹرین اسی پلیٹ فارم پہ آ کے رکی اور میرے قدم زمین پہ پڑے تو وہ گند اٹھا کے دور کہیں پھینکا جا چکا تھا مگر خون کے دھبے دھوپ سے سوکھ کے وہیں بھورے ہو چکے تھے اور کرنجی چوڑیوں کی کرچیاں میرے قدموں تلے آ کے چرمرائی تھیں لیکن میرا سارا دھیان تو میری جیب میں رکھی منت کی ان چوڑیوں کی جانب تھا جن کو اسے سونپنے کی جلدی تھی مجھے جو شاذ و نادر ہی کوئی فرمائش کرتی تھی۔ جیسے اڑا اڑا میں تڑکے سے پھر رہا تھا اس اڑان کے ساتھ حویلی جانے لگا۔

☼ ☼ ☼

بڑے دادا کچا چبا جانے والی نظروں سے سلمٰی کو گھور رہے تھے۔ یہ الگ بات کہ دلیہ، کھچڑی اور یخنی پہ زندہ بڑے دادا میں اب گندم کی روٹی کا ایک لقمہ چبانے کی سکت نہ تھی، سالم سلمٰی کو کیا نگلتے پھر بھی وہ تھر تھر کانپے جا رہی تھی۔ پیچھے سرکے جا رہی تھی... اور دیوار سے لگی جا رہی تھی کہ مہ پارہ کی نظریں کون سا کم تھیں اور نگلنے اور چبانے سے کوئی پرہیز بھی نہ تھا۔

"ایسی کون سی آفت ٹوٹی پڑ رہی تھی تم پہ، کر رہے تھے نا ہم تمہارا بندوبست چند دن خود کو سنبھال نہیں سکتی تھی۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ ایسا بے باک زہر اگلتی کہ نائلہ کو دادا جی کے سامنے حیا آجاتی، اس نے نند کی توجہ دادا جی کی اکھڑی سانسوں کی جانب دلانا چاہی۔

"مہ پارہ... دادا جی کا انہیلر۔" مہ پارہ نے دراز میں سے انہیلر نکالتے دادا جی کو دیتے بھی اپنا شغل جاری رکھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو آسانی سے بھاگ جاؤ گی یہاں سے... اس گھر کی ملازمہ کی ذمہ داری بھی یہاں ایسے ہی نبھائی جاتی ہے جیسے گھر کی بیٹیوں کی۔ رشتہ طے کیا ہے رضوان بھائی صاحب نے تمہارا، زبان دی ہے کم بخت... اس دو ٹکے کے ڈرائیور کو ہم کیا منہ دکھاتے بد بخت... ذرا دادا جی کی سانس قابو میں آنے دے پھر دیکھنا، ایسی دو چار تگڑی گالیاں دیں گے تجھے کہ عمر بھر یاد رکھے گی۔ ان تگڑی گالیوں کی ہیبت ہی ایسی تھی کہ سلمٰی تو سلمٰی نائلہ بھی تھرا اٹھیں اور اسے چلتا کیا۔

"سلمٰی تو جا اب تیری خبر میں بعد میں لیتی ہوں۔"

"مگر بھابھی۔" مہ پارہ تماشا اتنی جلدی تمام ہونے کے خیال سے جز بز ہوگئی۔

"مہ پارہ دادا جی کی حالت خراب ہو رہی ہے دفع ہونے دو اسے سنا نہیں سلمٰی تو نے جا یہاں سے۔"

سلمٰی روتی ہوئی کمرے سے نکلی اور دادا جی کی تگڑی گالیاں اکھڑتے سانس کی وجہ سے، بے بسی کے ساتھ اندر ہی گھٹ کے رہ گئیں۔ موقع ہاتھ سے نکل جانے پہ وہ اس بری طرح تلملائے کہ انہیلر کی طبی امداد کے بنا ہی ان کی قوت گویائی نے تنفس کے بپھرے دیو کو مات دے دی۔

"میرے ہوتے حویلی میں یہ بے غیرتیاں نہیں چلیں گی، کسی کو نئے رواج نہیں ڈالنے دوں گا۔ آج سلمٰی بھاگی ہے کل یہ بھاگے گی" انہوں نے مہ پارہ کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ تو وہ، جو ان کی کمر سہلا رہی تھی بڑبڑا کے رہ گئی۔

"لو بھلا... میں کہاں سے آگئی بیچ میں۔" بدک کے پیچھے ہٹتی وہ بڑبڑائی، نائلہ سے مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

"ارے بھاگنا ہوتا تو کب کی... ہونہہ..." بڑے دادا کی قوت گویائی اب تک تنفس کے بپھرے دیو سے نبرد آزما تھی۔

"کس نے دی ہے اسے شہ؟ اور وہ کمہاروں کا لڑکا..." اور دیو غلبہ پا گیا۔

"بس کریں دادا جی۔ آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" نائلہ نے آگے بڑھ کے دوبارہ انہیلر ان کے منہ سے لگایا۔

"میں اب اس پہ کڑی نظر رکھوں گی بے فکر رہیں۔" وہ انہیں سہارا دے کر تکیے پہ لٹا رہی تھیں بڑے دادا نے پرسکون ہونے کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں اندر داخل ہوا۔

اب میں حویلی آتے ہی سب سے پہلے بڑے دادا کے کمرے میں کیوں گیا۔ ام ہانی کے پاس کیوں نہ بھاگا بھاگا گیا اس کی بھی وجہ تھی۔ جیب میں رکھی چوڑیوں کو تھپکتا میں دبے پاؤں ہانی کے کمرے کی جانب ہی جا رہا تھا کہ بڑے دادا کے کمرے سے تیزی سے نکلتی سلمٰی کو دیکھ کے ٹھٹک کے رک گیا تھا وہ رو رہی تھی۔

"کیا ہوا سلمٰی؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے منہ پہ

ہاتھ رکھا اپنی سسکیاں دبائیں اور یوں ہی آنسو بہاتی بھاگ گئی۔ میرے اندر انتہائی واہیات قسم کے وہم جاگے اور میں بے اختیار بڑے دادا کے کمرے میں داخل ہوا اور پہلی نظر میں ہی کیا دیکھتا ہوں بڑے دادا بالکل بے حس و حرکت سینے پہ ایک ہاتھ رکھے 'بند آنکھوں کے ساتھ لیٹے ہیں امی ان پہ جھکی ہوئی ہیں اور پھوپھو انتہائی بری شکل بنائے 'عام حالات میں بنائی جانے والی بری شکل سے بھی کہیں زیادہ بری شکل میں سرہانے کھڑی ہیں میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"بڑے دادا۔" میں بے اختیار پکارا تو امی نے پلٹ کے مجھے دیکھا۔

"سعد۔۔۔"

"یہ کیا ہو گیا امی۔۔۔ بڑے دادا ہمیں چھوڑ کے کیسے چلے گئے۔" میں واقعی سچ مچ میں دکھی تھا اور بڑے دادا سے لپٹنے آگے بڑھ رہا تھا تو آنکھوں میں آنسو بھی تھے وہ دونوں سٹپٹا کے رہ گئیں۔

"ارے۔۔۔ ابھی کہاں۔" یہ حسرت میں ڈوبا فقرہ پھوپھو کا تھا۔

"نہیں نہیں سعد۔۔۔ یہ تو دراصل۔۔۔" مگر امی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں بڑے دادا سے لپٹ گیا تھا اور دھاڑیں مار مار کے رونے لگے گا۔

"بڑے دادا۔۔۔"

"سعد۔۔۔ پاگل مت بنو بات تو سنو۔" امی نے مجھے کاندھے سے پکڑ کے الگ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر اب میں نے اپنا سر زور سے بڑے دادا کے سینے پہ پٹخ دیا۔

"بڑے دادا۔۔۔"

میری اس حرکت سے ان پہ کھانسی کا ایک عظیم الشان دورہ پڑ گیا۔ شاید میرے سر پٹخنے سے ان کی پسلیوں پہ سالوں سے جما بلغم ہل گیا تھا اور میں کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا۔ دہشت بھری نظروں سے امی کو دیکھا پھر پھوپھو کو جو مایوسی سے انکار میں سر ہلا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

فضا میں ام ہانی کی ہنسی 'قوس قزح کی طرح پھوٹی پڑ رہی تھی اور میں ذرہ ذرہ رنگ سمیٹ رہا تھا۔

"بدھو۔۔۔ تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہوا کہ بڑے دادا۔۔۔" وہ پھر سے کھلکھلا اٹھی۔

"ہاں اور خود تو جیسے بڑی توپ شے ہو ناں۔۔۔ ڈھنگ سے بھگا تک نہیں سکیں سلمیٰ کو۔" ہم دونوں کھنڈر کی ایک ٹوٹی ہوئی منڈیر پہ ٹانگیں لٹکا کے بیٹھے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ سلمیٰ کو بھگانے میں میرا ہاتھ ہے۔"

"کیوں کہ وہ بے چاری پکڑی گئی تھی۔ یہ تم ہو ہنی جس کا ہر کام ایسا ہی ہوتا ہے۔۔۔ کچا۔"

"مطلب میں کچھ نہیں کر سکتی؟" وہ برا مان گئی۔

"کر سکتی ہو۔۔۔ مگر میرے بغیر نہیں۔ دیکھ لینا۔۔۔ تمہارے جس فیصلے میں 'جس کام میں' میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا وہ کبھی پورا ہی نہیں ہوگا۔" میرے وثوق سے کہنے پہ اس کی ناراضی اور بڑھ گئی۔

"ہونہہ اپنے قابل تو ہو جاؤ پہلے بڑے آئے میرے استاد بننے۔" وہ اتر کے جانے کو تھی کہ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ تو لے لو۔ تمہاری منت کی چوڑیاں۔" وہ رک گئی اور میں اسے پہنانے لگا۔ سارا دھیان تو اس کے چہرے پہ تھا خاک پہنائی جاتیں۔

"خود تو جیسے ہر کام ٹھیک کرتے ہو۔ دو چوڑیاں تک نہیں پہنائی جا رہیں۔۔۔ لاؤ۔ مجھے دو 'خود پہنتی ہوں۔" وہ میرے ہاتھ سے لے کر خود پہننے لگی۔

"اف تنگ ہیں یہ تو بدھو۔" زور لگا کے آگے کرتے ہوئے ایک چوڑی کھٹ سے ٹوٹ گئی وہ افسوس سے نیچے گری چوڑی کو دیکھ رہی تھی اور مجھے جتانے کا موقع مل گیا۔

"دیکھا۔۔۔ میں نے کہا تھا ناکہ میرے بغیر جو کرو گی وہ غلط ہوگا۔"

"یہ تو ٹوٹ گئی سعد۔۔۔ منت کی تھی اب پتا نہیں

میری مراد پوری ہوگی یا نہیں۔"

"ایک ٹوٹی ہے دوسری تو ہے یوں سمجھو آدھی مراد پوری ہوگی یعنی کچھ ملے گا کچھ نہیں۔" میں نے کچھ زیادہ ہی بے ڈھب سی تسلی دے ڈالی جس پہ وہ کچھ دیر عجیب سی نظروں سے مجھے گھورتی رہی۔

"کھیلو گی نہیں آج 'کافی دن ہو گئے۔"

اور ہمیشہ کی طرح میں اس کا دھیان 'اپنی اوٹ پٹانگی سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا کچھ دیر بعد وہ کمر پہ دوپٹا کسے 'چپل ایک طرف اتارے 'زمین پہ کوئلے سے لکیریں کھینچے کھیلنے کو تیار تھی۔ پتھر کو ہونٹوں سے لگا کے چومتے ہوئے اس نے ہوا میں اچھالا۔

"سعد۔۔۔ تم ہار جاؤ گے۔" اور پھلانگ کے ایک خانہ عبور کیا۔

"ہار تو چکا ہوں۔ بہت پہلے۔۔۔" میں نے بھی اگلا خانہ پھلانگا اور جیسے ہی وہ پلٹ کے دوسرے خانے میں آنے لگی۔ میں زقند بھر کے اسی خانے میں تھا مجھ سے ٹکرا کے وہ گرنے کو تھی کہ میں نے اس کی کلائی زور سے تھام کے اسے گرنے سے روک لیا۔

"ارے۔ چھوڑو بدھو۔۔۔ ایک ہی چوڑی بچی ہے وہ بھی توڑو گے کیا؟"

"ویسے یہ اچانک شادی کی منت۔۔۔ خیریت؟" میں نے مسکراتے ہوئے ٹٹولنا چاہا 'وہ میرا سوال ٹالتے ہوئے جلدی جلدی کمر سے دوپٹا کھول کے چپل پہننے لگی۔

"بس بہت ہو گئی باتیں اور کھیل 'گھر چلو شام ہونے والی ہے۔ پھوپھو ڈانٹیں گی۔"

"ارے۔۔۔ کہیں تم نے پھوپھو کی شادی کی منت تو نہیں مانی تھی ان سے جان چھوٹ جائے اس لیے۔"

"بدھو۔۔۔ اپنی شادی کی منت وہ خود مانیں مجھے کیا پڑی ہے۔ میں نے تو اپنی شادی کی مانی ہے۔"

وہ محبت سے کلائی میں موجود واحد کالی چوڑی کو سہلا رہی تھی اور میں ساتویں آسمان پہ اڑ رہا تھا 'جھک کر میں نے زمین سے کوئلہ اٹھایا اور دیوار پہ اپنا اور اس کا نام لکھنے لگا۔

"اب یہ کیا کر رہے ہو آج تو ہمارا کوئی جھگڑا ہوا نہ صلح۔"

"بس دل کر رہا ہے لکھنے کو۔۔۔ سوچو ہنی 'یہاں کے کونے کونے پہ ہمارا نام لکھا ہے 'آج سے نہیں کئی سالوں سے اور ہمیشہ لکھا رہے گا جب۔۔۔ جب۔۔۔" میں ذرا اسا رکا پھر ہمت کر کے روانی سے کہہ گیا۔

"جب ہم شادی کے بعد یہ دیکھیں گے تو ہمیں کیسا لگے گا؟" کہہ تو دیا مگر پھر ڈر سا گیا نجانے اس کا ردعمل کیا ہو 'مگر میری توقع کے برعکس وہ نہ بگڑی 'نہ شرمائی 'نہ حیران ہوئی 'نہ ناراض الٹا کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

"شادی کے بعد؟"

"ہاں۔" اس کی ہنسی نے مجھے دلیر کر دیا۔

"بدھو۔۔۔ یہ مت سوچو کہ ہمیں کیسا لگے گا۔ یہ سوچو کہ میرے شوہر کو کیسا لگے گا۔"

"شوہر؟" پہلی بار اس کی کھلکھلاہٹ مجھے نیزے کی طرح چبھی تھی۔

"اور کیا۔۔۔ شوہر تو شوہر ہوتا ہے 'اپنی بیوی کا نام کسی اور کے نام کے ساتھ کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اب اسے تھوڑا ہی پتا ہوگا کہ تم میرے بچپن کے دوست ہی نہیں میرے سائے ہو 'وہ تو کچھ بھی سوچ سکتا ہے ویسے بھی یہ جگہ صرف اور صرف ہماری ہے اسے تو میں کبھی یہاں لاؤں گی ہی نہیں۔"

"اسے؟" کسی اندھے کنویں میں سے نکلی تھی میری آواز۔۔۔

"کس کو؟"

"سالار کو اور کس کو۔۔۔ اسی سے شادی کے لیے تو یہ منت مانی ہے میں نے۔"

کاش وہ اس وقت میرا بے رنگ چہرہ 'بے روح وجود اور دھندلی ہوتی آنکھیں دیکھ پاتی تو مجھے کچھ کہنے اور اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی لیکن اس سے پہلے کہ وہ میری آنکھوں کی پتلیوں میں جمع ہوتا نمکین پانی دیکھ پاتی 'آسمان سے گرتی پانی کی بوندوں نے اس کا دھیان کھینچ لیا۔

"ارے بارش شروع۔" اس نے سراسیمہ سی

ہو کے آسمان کی جانب دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی آگے کو چلنے لگی۔

"جلدی چلو۔۔۔ تیز ہو جائے گی۔"

میں کسی بے جان شے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ بارش تیز ہو چکی تھی اور ام ہانی کے قدموں کی رفتار بھی۔ اور۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ میری آنکھوں سے بہتے آنسو بھی مگر وہ بارش کی بوندوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہاں اب بھی سلمٰی کا مقدمہ جاری تھی۔ مہ پارہ آسانی سے جان بخشی کرنے والی مخلوق تھی ہی نہیں۔

"کمہاروں کا لڑکا ایسا بھی کوئی گلفام نہیں جس کے لیے تم مچل کے بھاگ گئیں۔ ویسے تو خیر تم بھی کوئی حور پری نہیں۔ پتا نہیں پھر اس احمق نے تمہارے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی۔"

"محبت کرتا ہے جی وہ مجھ سے" وہ اکڑوں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

"اوفوہ۔ محبت۔۔۔" مہ پارہ حسد سے سلگ سلگ اٹھی۔

"کتنی محبت کر بیٹھا ہے آخر بتا دو شاباش! تاکہ اگر ضرورت سے زیادہ کر بیٹھا ہے تو اس کے کسی غلط نتیجے سے پہلے ہی تمہیں یہاں سے چلتا کر دیا جائے۔"

اس نئے کچوکے پر چادر سے ناک سڑکتی سلمٰی تڑپ گئی۔

"نہ جی۔۔۔ ایسے نہ کہیں۔۔۔ بڑی پاک محبت ہے ہماری۔"

"ہاں' ہاں۔۔۔ بہت پاک۔۔۔ باوضو ہو کے بھاگی تھی تم۔" تب ہی مہ پارہ کی نظر بھیگی بھیگی سکڑی سمٹی سی ام ہانی پہ گئی جو اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر سے بچنے کی کوشش کرتی دائیں جانب مڑنے کو تھی۔

"یہ وقت ہے تمہارے گھر لوٹنے کا۔" اس کے پیر وہیں جم گئے۔

"اور یہ حالت ہے؟ تم بچی نہیں ہو ام ہانی تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ جن لڑکیوں کے سر پہ ماں باپ کا سایہ نہ ہو ان کو عام لڑکیوں کی نسبت زیادہ محتاط ہو کر رہنا پڑتا ہے۔"

"تو کیا میں عام لڑکی نہیں ہوں؟" وہ دکھ سے چور لہجے میں بولی۔

"نہیں نہیں۔۔۔ تم تو بہت خاص ہو۔۔۔ آسمان سے اتری ہوئی۔۔۔ تمہارے لیے تو سب جائز ہے حویلی کے سب گلے سڑے اصول تو میرے لیے ہی رہ گئے تھے۔"

ابھی نجانے مہ پارہ نے کتنے اور تیر نکالنے تھے کہ نائلہ وہاں آگئیں۔ سلمٰی کو ہاتھ کے اشارے سے کھسکنے کا کہا اور ام ہانی کو بھی جواز فراہم کیا۔

"ابھی تک ایسے بھیگی کھڑی ہو بیمار ہو جاؤ گی ہانی' جاؤ جلدی سے کپڑے بدلو۔" سلمٰی کے پیچھے پیچھے ام ہانی بھی کھسک گئی۔

"آپ اسے بگاڑ رہی ہیں بھابھی۔"

"میں نہیں۔۔۔ زیادہ سختی اور روک ٹوک بگاڑتی ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں بہت بگڑی ہوئی ہوں پھر کیوں؟ بیالیس سال سے ساری سختیاں اور روک ٹوک سہہ رہی ہوں اماں' ابا' دادا جی' بھائی صاحب سب کی" اور ایک یہ ہے سب ہی اس کے ہمدرد اور وہ سب سے بڑا آپ کا چہیتا سعد' جو بچپن سے ہی اس کے سامنے ڈھال بن کے کھڑا ہو جاتا تھا۔"

اور وہ ڈھال۔۔۔ یعنی میں۔۔۔ سعد رضوان اس وقت اپنے کمرے میں نڈھال پڑا تھا' رہ رہ کے ہانی کے وہ الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

"سالار۔۔۔ اسی سے شادی کی منت مانگی ہے میں نے۔"

نجانے کب رات بیتی' کب صبح ہوئی' میں اسی حالت میں بیڈ پہ پڑا خود کو بہلاتا رہا ام ہانی نے مذاق کیا ہو گا۔ لیکن پھر۔۔۔ پھر یہ خوش گمانی پاش پاش ہو جاتی جب اس کے الفاظ دوبارہ بازگشت بن کے گونجتے' میں اس کے لہجے کے سب ڈھنگ پہچانتا تھا۔ جان جاتا تھا۔ کب وہ مذاق کر رہی ہے۔ کب جھوٹ کہہ رہی ہے اور کب سچ اور یہ الفاظ بے رحمانہ حد تک سچے تھے۔

دروازہ کھلا تو روشنی سے بچنے کے لیے میں نے بازو موڑ کے آنکھوں پہ رکھ لیا۔

"عجیب لڑکے ہو تم۔۔۔ نہ تمہارے آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا۔"

یہ امی تھیں۔۔۔

"توبہ۔۔۔ شوز کے ساتھ سو گئے' آخر ہاسٹل سے آنے کے بعد تم سارا دن تھے کہاں اور یہ روم کا کیا حال کر دیا ہے ایک ہی رات میں' پتا نہیں ہاسٹل میں کیا کرتے ہو گے۔ کون سمیٹتا ہو گا تمہاری چیزیں۔"

میں نے بازو ذرا سا ہٹا کے آنکھوں کی جھری سے دیکھا۔ وہ یہاں وہاں بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ مجھے جاگتا پا کے فوراً "اصل سوال پوچھ ڈالا۔

"سنو۔ یہ تم کل شام کو ام ہانی کو کہاں سے لے کر آرہے تھے؟"

"باہر سے؟" میں نے بازو آنکھوں سے نہ ہٹایا۔

"وہ تو مجھے بھی پتا ہے۔" وہ جھنجلا کے کہتیں اب میرے برابر بیٹھ گئیں اور میرا بازو پکڑ کے چہرے سے ہٹایا "کافی سنجیدہ لگ رہی تھیں۔

"رات کو میں نے مہ پارہ کی بک بک سے گھبرا کے بات دبا دی مگر فکر مجھے بھی ہے۔ پہلے اسکول سے سیدھی گھر آتی تھی' اب شام ڈھلے نجانے کہاں ہوتی ہے۔ ڈر تو لگتا ہے ناکہ کچھ ایسا ویسا نہ ہو۔۔۔ تم اس کے بہت قریب ہو ہر بات تم سے کہہ دیتی ہے ذرا پتا کرو اس کے دل میں کیا ہے۔"

"میں نہیں ہوں۔"

میں نے دوبارہ کہنی موڑ کے آنکھیں ڈھانپ لیں اور امی چڑ کے اٹھ گئیں۔

"توبہ۔۔۔ قسم کھا رکھی ہے ہر بات کا الٹا جواب دینے کی۔" ان کے جاتے ہی میں نے آنکھیں کھولیں چند لمحے چھت کو گھورنے کے بعد میں اٹھا اور جلدی جلدی اپنے مختصر سے سفری بیگ میں دو چار کپڑے ٹھونسے اور جانے کے لیے نکلا۔

"سعد۔۔۔" راہداری کا موڑ مڑتے ہی مجھے اس کی آواز سنائی دی تو میں نے قدموں کی رفتار کچھ اور بڑھالی۔

"رکو سعد۔۔۔ تمہیں کچھ بتانا ہے بلکہ دکھانا ہے۔" وہ پکارتی ہوئی پیچھے چلی آرہی تھی۔

"مجھے نہ کچھ سننا ہے' نہ دیکھنا ہے۔"

"بدھو۔۔۔ اندر سے تو مر رہے ہو گے۔ سالار کو دیکھنے کے لیے۔"

"اسے تو میں دیکھ لوں گا۔" میں مڑا اور دانت کچکچا کے اسے گھورتے ہوئے کہا' اس نے جھٹ سے ایک تصویر آگے کر دی اور میری آنکھوں کے آگے جیسے اندھیرا چھا گیا۔

"دیکھو۔۔۔ یہ ہے سالار۔" میں نے نظر ہٹا کے کہیں اور لگانی چاہی اور وہ اس کے اسی ہاتھ پہ ٹھہر گئی۔ جس میں اس نے تصویر تھام رکھی تھی اور اس ہاتھ کی کلائی میں موجود وہ واحد منت کی سیاہ چوڑی۔۔۔

"اچھا ہے نا۔" مگر اس کے اشتیاق سے پوچھے سوال کو نظر انداز کر کے میں نے اس کی کلائی تھامی اور چوڑی کو ناگواری سے گھورنے لگا۔

"یہ منت ماننا۔۔۔ چڑھاوے۔۔۔ دربار۔۔۔ وغیرہ سب کفر اور شرک ہے نری جہالت۔"

"ارے میں تمہیں سالار کی تصویر دکھا رہی ہوں اور تم۔۔۔ اور پھر وہ سٹ پٹا اٹھی جب میں اس کی چوڑی اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو ہٹو پرے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا خود بھی پیچھے ہٹ گئی۔

"خود ہی تو لائے تھے تب کفر اور جہالت نہیں تھی۔"

"تب مجھے کیا پتا تھا کہ تم۔۔۔"

میں نے ایک بار پھر اس کی کلائی جھپٹنا چاہی۔ وہ بڑبڑا کے مزید پیچھے ہٹی اور تصویر اس کے ہاتھ سے نیچے جا گری۔ پیر پٹختا ہوا میں پھر سے آگے بڑھ گیا وہ جھک کے تصویر اٹھاتے اٹھاتے رکی اور دوبارہ میرے پیچھے

تھی۔

"سعد۔ اتنی جلدی واپس کیوں جارہے ہو؟ اور سنتے کیوں نہیں؟ ہوا کیا ہے؟"

تصویر وہیں گری کی گری رہ گئی۔ نجانے کب دوبارہ پھوپھو وہاں آئیں اور تصویر اٹھا کے غور سے دور جاتی ام ہانی کو دیکھا، جو میرے پیچھے پیچھے منت کرتی آرہی تھی۔ آخر اس نے میرا بازو پکڑ کے مجھے روک ہی لیا اور میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ راستہ روکتے ہوئے۔

"اتنا غصہ؟ اتنی دور سے مجھ سے ملنے اس لیے آئے تھے کہ یوں ناراض ہو کے اچانک چلے جاؤ گے۔" وہ ہانپتی سانسوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم کس لیے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں سالار کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ قسم سے۔ میں بتانے ہی والی تھی کہ تم آگئے اور ویسے بھی کچھ دن پہلے ہی تو میں ملی ہوں ان سے۔"

"کچھ دن پہلے ملی اور وہ اتنا خاص ہو گیا تمہارے لیے؟"

"وہ ہیں ہی ایسے۔" میرے لہجے سے جھلکتے حسد' آنکھوں سے ٹپکتے گلے کو محسوس کیے بناوہ مسکرا رہی تھی۔

"بالکل ایسے' جیسا میں نے سوچا تھا بلکہ جیسا کوئی بھی لڑکی سوچ سکتی ہے' بہت لونگ کیئرنگ۔ اتنے ڈیشنگ اور گریس فل۔"

میرے اندر اور شعلے بھڑک اٹھے اس بار جو میں نے رفتار پکڑی تو وہ میرا پیچھا نہ کر سکی نہ میں اس کے پکارنے پر رکا۔ میں یہ تک نہ جان سکا کہ میرے جاتے ہی مہ پارہ پھوپھو نے اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے کیا کچھ کہا۔

☼ ☼ ☼

وہ سہمی ہوئی دیوار سے چپکی کھڑی تھی۔ مہ پارہ تصویر ہاتھ میں لیے اس کے سامنے لہرا لہرا کے دکھا رہیں اور چلا رہی تھیں۔

"اچھا۔ تو یہ گل کھلائے جارہے ہیں اس سے عشق کی پینگیں بڑھائی جارہی تھیں۔ سارا سارا دن اس لیے گھر سے غائب رہتی تھی۔"

ام ہانی نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اور ہمت دونوں ساتھ چھوڑ چکے تھے' وہ فقط انکار میں سرہلا کے رہ گئی اور مدد طلب نظروں سے نائلہ کو دیکھا جن کے چہرے پہ گہری سوچ اور تشویش کے سائے تھے' مگر نجانے کیوں وہ اب تک چپ تھیں۔

"پتا نہیں اور کیا کیا کرتی رہی ہو۔ اسکول میں پڑھانے کے بہانے۔"

"مجھے اس سے بات کرنے دو مہ پارہ۔" بالآخر نائلہ آگے بڑھیں۔

"اب بات کرنے کو رہ کیا گیا ہے بھابھی۔ اس لیے آپ سے کہتی تھی کہ کھلی چھوٹ نہ دیں اسے۔ دیکھیں۔ لگادیا نہ بٹا کب سے ہماری عزت سے کھیل رہی ہے۔ بتاؤ سیدھی طرح۔ کیا کالک تھوپ چکی ہو اب تک۔ پھوٹو منہ سے۔ کہیں چکما دے کر فرار تو نہیں ہو گیا؟"

ام ہانی کی گردن مسلسل انکار میں ہل رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"شادی کرے گا تم سے؟"

پہلا سوال ہی جو نائلہ نے اس سے کیا وہ اتنا اچانک تھا کہ مہ پارہ فوری طور پر حیرت اور ناگواری تک کا اظہار نہ کر سکیں اور ایک تواتر کے ساتھ انکار میں گردن ہلاتی ام ہانی پھر سے انکار میں سرہلانے لگی اور جب احساس ہوا تو کہہ اٹھی۔

"جی۔ کریں گے۔"

"ہونہہ۔ کرتا ہے ابھی اس سے شادی۔" مہ پارہ کے تو آگ ہی لگ گئی۔

"اس جیسے لفنگے صرف جھانسہ دیتے ہیں پتا نہیں کون راہ چلتا ہے جو۔"

"نہیں۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔"

سالار کی ذات پہ ایسے رکیک جملے ام ہانی کی قوت گویائی واپس لوٹ آئی۔

"وہ بہت اچھے ہیں۔ بہت اچھی فیملی کے اور کمشنر

ہیں یہاں کے۔"

مہ پارہ کے لیے تو جیسے اب ہر جانب سناٹا ہی سناٹا تھا البتہ نائلہ کے چہرے کی تشویش کم نظر آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے رضوان سے میں نے خاصی تعریف سنی ہے اس نئے کمشنر کی۔ میں ان سے بات کرتی ہوں تم اس سے کہو کہ طریقے سے رشتہ بھیجے شریفوں کے ہاں یہ سب نہیں چلتا۔"

"مگر بھابھی۔ خاندان۔ برادری۔" سکتے سے نکلتے ہوئے مہ پارہ نے بہت سے عذر گنوانا چاہے' جس کو نائلہ نے فقط یہ کہہ کر رد کر دیا۔

"اپنا حال دیکھو مہ پارہ۔ میں اسے دوسری مہ پارہ نہیں بننے دوں گی۔"

☼ ☼ ☼

"بتاتے کیوں نہیں ہوا کیا ہے؟" وہاں ام ہانی تھی تو یہاں شعیب۔ جس کے سوال مجھے تپا رہے تھے۔

"تم نے تو رات کو آنا تھا میں انتظار کرتا رہا' آئے کیوں نہیں؟"

"رات کو میں مر گیا تھا۔" بہت دیر بعد میں کچھ بولا تو بس یہ۔

"کیا؟"

"تم ٹھیک کہتے تھے شعیب کبھی کبھی جدائی کچھ نہیں کہتی قربت مار دیتی ہے' وہ مجھ سے دور تھی تو دل کو تسلی تھی کہ وہ میری ہے' ملا تو پتا چلا کہ وہ تو کب کی کسی اور کی ہو گئی ہے۔"

"اوہ۔"

اور پھر میں نے اسے سب بتا دیا۔ دل پھٹا پڑ رہا تھا کسی سے تو کہنا تھا۔ کہیں تو فریاد کرنا تھی۔ کسی کو تو بتانا تھا۔ جو مجھ پہ گزری۔

"اور تم میدان چھوڑ کر آگئے؟" سب جاننے کے بعد بجائے مجھ سے ہمدردی کرنے کے وہ طعنے دینے لگا۔

"بزدل۔ بھگوڑے۔"

"میدان اور ہوتا ہے شعیب۔ دل کی سرزمین اور۔ یہاں فتح کے جھنڈے وہی گاڑتا ہے جس کا نصیب ہو۔"

"تم نے اپنا نصیب پڑھا ہے کیا؟ کیا پتا اس میں کیا لکھا ہے۔ سعد تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ وہ اس شخص سے صرف متاثر ہے۔"

"وہ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے جو کسی سے متاثر ہو جائے۔"

"لیکن اس نے تم سے یہی کہا کہ سالار ویسا ہی ہے جیسا ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے تو میرے دوست وہ خواب ہے۔ اسے خواب ہی بنا ڈالو۔ ایسا خواب جو کبھی پورا نہیں ہوتا۔"

"مگر کیسے؟" میں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"گو بیک اینڈ فائٹ"

"فائٹ!" میں حیران رہ گیا اس عجیب و غریب مشورے پہ۔

"یہ جنگ ہے کیا؟"

"یہی سمجھ لو۔ کوشش تو کرو سعد یہ نہ ہو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے کہ تم نے آسانی سے اسے کسی اور کا ہونے دیا اور تم نے سنا تو ہوگا کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے تو تمہارے لیے یہ محبت بھی ہے اور جنگ بھی۔"

عمر ایسی تھی کہ میں اس کی باتوں پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا اس عمر میں اندازہ کہاں ہوتا ہے کہ محبت کو جنگ کے خون سے آلودہ کرنا کیسا ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

اور اسی رات نائلہ نے رضوان کو بھی یہ خبر سنا دی۔ وہ کسی قسم کی تاخیر نہیں چاہتی تھیں اور رضوان کا بھی پہلا سوال وہی تھا جو مہ پارہ کا تھا۔

"مگر آپ اسی زمیندارانہ اور جاگیردارانہ ذہن سے سوچیں گے تو پلیز رضوان آپ پڑھے لکھے باشعور انسان ہیں۔"

"میں روشن خیال سہی' مگر فیصلے کا حق ابھی بھی دادا جی کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہاں' جس حق کا وہ غلط استعمال کر رہے ہیں' دیکھیں'

اسی روایت کی وجہ سے مہ پارہ بیٹھی رہ گئی۔ اب بتائیں ام ہانی کے لیے خاندان میں دور دور تک ہے کوئی اس کے جوڑ کا؟ ایسے میں یہ رشتہ نعمت ہے اسے ٹھکرا کے کفران نعمت نہ کریں کسی کو تو پسلا قطرو بنتا ہے نا۔"

ان کے سمجھانے بجھانے پہ رضوان اگلی ہی صبح ہمت کرکے دادا جی کے سامنے یہ معاملہ رکھ بیٹھے، ردعمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"اوئے کمشنر ہوئے گا تے اپنے گھر ہوئے گا۔" وہ اس بری طرح دھاڑے کہ کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ رضوان اٹھ کے ان کا سینہ سہلانے لگے۔

"گھر یہ نہیں دادا جی یہیں لگا ہوا ہے کمشنر۔"

"کھوتے دا پتر۔ اودھر افسری کرنے آیا ہے کہ شریفوں کی حویلی تاکنے۔" وہ کھانستے کھانستے بھی خبر لے رہے تھے۔

"میں نے سنا ہے یہ سرکاری افسر بڑے عیاش ہوتے ہیں۔" مہ پارہ نے پھلجھڑی چھوڑی جسے رضوان نے فوراً جھٹلا دیا۔

"وہ ایک سلجھا ہوا میچور' شریف انسان ہے۔"

"ہو تا پھرے۔" دادا جی نے ہاتھ ہلایا۔

"بس میں نے کہہ دیا خون میں ملاوٹ نہیں کرنی۔"

"وہ تو ہو چکی ہے دادا جی۔" رضوان بھی شاید کچھ ٹھان کے بیٹھے تھے یہاں۔

"مت بھولیں کہ ام ہانی کی مرحومہ ماں کا تعلق ہمارے خاندان اور ذات سے نہیں ہے۔ سلیمان نے آپ کی مخالفت کے باوجود اس سے شادی کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تو اس وقت بھی ان فرسودہ رسموں و رواجوں کی خلاف تھا۔ آج اگر زندہ ہوتا تو ایک بار پھر آپ کے سامنے ڈٹ جاتا اپنی بیٹی کے لیے۔"

"یہی تو ہے خون میں ملاوٹ کا اثر۔" مہ پارہ نے پھر سے پنجے تیز کیے۔

"تم آخر نکلی نا اسی ماں کی بیٹی جس نے کورٹ میرج کی تھی۔" یہ بات رضوان کو بری طرح کھلی۔

"مہ پارہ۔ وہ میری بھی بیٹی ہے اور میں اس کے بارے میں ایسے الفاظ برداشت نہیں کروں گا۔"

"آہو۔ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں۔"

دادا جی نے اب اموشنلی بلیک میل کرنا چاہا۔

"بڈھو کی مٹھ۔ میری کیا اوقات جواب کوئی مجھے پوچھے۔"

"ایسی بات نہیں ہے دادا جی۔ آپ ہی تو ہمارے بڑے ہیں۔ آپ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میری طرف سے صاف انکار۔"

دادا جی کے کہنے پہ مہ پارہ اطمینان سے مسکرا دی اور رضوان نے بے بسی سے دادا جی کے حتمی فیصلے کے بارے میں نائلہ کو آگاہ کر دیا۔

"ارے ایسے کیسے صاف انکار۔ بنا ملے؟ آپ زور دیں ان پہ۔"

"کیسے زور دوں؟ کتنا زور دوں؟ اور کس برتے پہ؟ ابھی تک باقاعدہ رشتہ بھی تو نہیں آیا نائلہ۔"

"اور رشتہ آگیا اور دادا جی نے ان کے سامنے اپنا صاف انکار دہرا دیا تو؟ رشتہ آنے سے پہلے ان کی ضد ختم کرنا ہوگی۔"

"اچھا۔ بالفرض میں ایسا کر بھی دوں اور اس کے بعد ہی رشتہ نہ آیا تو؟" اس پہ نائلہ چپ کر گئیں کچھ سوچا اور ام ہانی کے پاس چلی آئیں۔

"ہانی تمہارے چچا سے میں نے اور انہوں نے دادا جی سے بات کرلی ہے جیسے میں نے رضوان کو منالیا ہے وہ بھی دادا جی کو منا ہی لیں گے مگر اب تمہیں بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

"مجھے؟ میں کیا کر سکتی ہوں بڑی امی۔" وہ کرنے سے پہلے ہی ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھی۔

"ایک تو سالار کو کل ہی رشتہ لانے کا کہو اور دوسرا یہ کہ دادا جی کے سامنے ڈٹ جاؤ جب وہ تم سے تمہاری مرضی پوچھیں تو شرمانے' جھجکنے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف بتا دینا کہ اس میں تمہاری مرضی اور

خوشی شامل ہے اور تمہیں بس یہیں شادی کرنی ہے۔"

"میں؟ میں کہوں یہ؟ دادا جی سے؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور کون کہے گا! دیکھو ہانی۔ میں تمہاری ماں نہیں ہوں' مگر کچھ تو لگتی ہوں' ہمدرد ہوں تمہاری' تمہیں غلط مشورہ نہیں دوں گی۔ آج تم نے اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھائی تو اپنی پھوپھو کی طرح ہمیشہ کے لیے۔ تم سمجھ رہی ہونا۔"

وہ اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کے نرمی سے اس کا شانہ دبا کے چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ دور کسی ٹیلے پہ بکریاں لے جاتے چرواہے کو۔ مگر اپنے برابر کھڑی ام ہانی کے چہرے کو وہ بنا دیکھے پڑھ سکتا تھا۔

"جی۔"

"تو کہو۔" اب سالار گھوم کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"وہ۔ گھر میں۔" ہچکچاتے ہوئے اس نے کہنا چاہا بڑی امی کی خاص تاکید جو تھی اسی لیے صبح ہوتے ہی وہ ملنے چلی آئی تھی۔

"گھر میں سب کو آپ کے اور میرے بارے میں علم ہو گیا ہے۔"

"گڈ۔ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے' یہ تو ہونا ہی تھا۔" وہ پرسکون تھا۔ ام ہانی اور بھی الجھ گئی اب بھلا اس سے زیادہ صاف الفاظ میں کیا کہے۔

"جی۔ وہ تو ہے' مگر۔ اب۔ اب آپ کچھ کریں۔"

"کیا کروں؟" نجانے وہ واقعی اتنا انجان تھا یا بن رہا تھا۔

"اپنے گھر والوں سے کہیں۔" یہ بات کہتے ہوئے اسے لگا اس کی زبان من بھر بھاری ہو گئی تھی۔

"گھر بتانا ہے ابھی۔ جب تم گھر والی ہوگی۔" سالار کو اس کی الجھن۔ اس کی جھجک شاید لطف دے رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے آپ کی فیملی۔" اس کا چہرہ گلگوں ہو گیا تھا۔

"وہ تو تم بناؤ گی۔"

"سالار۔" اب مارے حیا کے وہ رونے والی ہو گئی۔

"میں آپ کے پیرنٹس کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہ نہیں ہیں۔" سالار نے سگریٹ سلگایا۔

"اوہ۔ تو۔ تو کوئی تو ہو گا۔" ام ہانی کو اپنی لاعلمی پہ حیرت ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں میں وہ سالار کے بارے میں یہ تک نہ جان پائی تھی۔

"ہاں اماں ہیں۔" وہ اطمینان سے کش لگا رہا تھا اور ہانی حیران رہ گئی۔

"مگر۔ ابھی تو۔ ابھی آپ نے کہا کہ آپ کے پیرنٹس۔ تو کیا وہ اسٹیپ مدر ہیں؟"

"نہیں۔ اصلی والی ہیں۔" اب کے ام ہانی سچ میں جھنجلا اٹھی۔

"آپ گھما پھرا کے بات کیوں کرتے ہیں۔ بس آپ انہیں بھیجیں اپنے لیے۔"

"وہ کبھی اپنے لیے کچھ نہیں کر سکیں تو میرے لیے کیا کریں گی' جو کرنا ہے مجھے کرنا ہے اور وہ میں کرلوں گا ڈونٹ یو وری۔"

"تو پھر آپ کل آجائیں۔" اس کی ہمت بڑھ گئی۔ سکون سا آگیا۔

"بڑی امی کہہ رہی تھیں آپ کو کل پرسوں ہی بڑے ابا سے بات کرنا ہوگی تو کل آئیں گے نا آپ؟"

"نہیں۔" سالار نے سگریٹ نیچے پھینک کر جوتے سے مسلا۔

"مگر۔ کیوں؟" اگلے ہی پل وہ اسے پھر سے حیرت میں ڈال چکا تھا۔

"ایسے تو میں کبھی بھی کسی سے ملنے نہیں گیا۔ انہیں Proper طریقے سے مجھے انوائٹ کرنا چاہیے۔"

"منوائٹ؟ سالار۔۔۔ ایسے تھوڑا ہی ہوتا ہے کوئی کسی سے یہ نہیں کہتا کہ آئیے اور آکے ہماری بیٹی کا رشتہ طے کریں۔ آپ کو جانا ہی ہوگا سالار۔۔۔ ان سے میرا ہاتھ مانگنے۔"

"مانگنے؟ سوری۔۔۔ مگر میں نے آج تک کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔" سالار کے خشک لہجے پہ ہانی کو دھچکا سا لگا۔

"میں "کچھ" تو نہیں ہوں۔"

"ہاں۔۔۔ مگر "سب کچھ" بھی نہیں ہو۔" وہ مسلسل اسے بے یقینی کے سمندر میں غوطے دے رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اسے دکھ سے دیکھتی رہی۔

"اور مجھے لگا میں۔۔۔ میں آپ کے لیے یعنی آپ نہیں آئیں گے؟"

اس کے لہجے میں مایوسی مگر آنکھوں میں ابھی ابھی امید کی ہلکی سی جوت تھی اور سالار اس سے رخ پھیرے ایک بار پھر ٹیلے کی جانب دیکھتا دوسرا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ چرواہا بکریاں لے کر کب کا جا چکا تھا۔ ہانی کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔

"ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ گیلا ہوتا محسوس کرکے سالار نے اس کے چہرے پہ نظر ڈالی۔

اور ان آنکھوں کے آنسو۔۔۔

وہ پگھل گیا۔

موم ہو کے بہہ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کے نرمی سے کہنے لگا۔

"اوکے۔۔۔ آجاؤں گا۔ مگر یہ امید نہ رکھنا کہ میں ان سے ریکویسٹ بھی کروں گا۔" سالار کے حامی بھرنے پہ بھی ہانی کے اندر دوبارہ امید نہ جاگی۔ اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"ہاں۔۔۔ آپ کیوں کریں گے۔ وہ بھی میرے لیے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔۔۔ نہ آئیں بے شک۔۔۔ ایسے تھوڑا ہی مانیں گے بڑے دادا۔"

اس کے آنسو جھل جھل بہہ نکلے اور وہ تب سے اپنا ہاتھ سالار کے ہاتھ سے نکالنے کی مسلسل کوشش میں بھی تھی۔ اس کے آنسوؤں کو بے خودی سے تکتے سالار نے اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اپنے قریب کیا۔ وہ اس کے سینے سے آلگی اور سالار نے انگلی سے اس کی تھوڑی اٹھائی اور دوسری انگلی سے اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پہ چنتے ہوئے کہا۔

"ان ہیروں کے لیے کر سکتا ہوں۔ کچھ بھی کر سکتا ہوں۔۔۔ کہہ کر دیکھو۔" وہ روتے روتے مسکرا دی۔

"نہیں۔۔۔ بس۔۔۔ اتنا ہی۔۔۔"

☼ ☼ ☼

سارے راستے میں دعا مانگتا آیا کہ مجھے محبت کو جنگ بنانا نہ پڑے۔ مجھے لفظ جنگ سے ہی خوف آتا تھا لیکن گھر آتے ہی سب سے پہلے میرے کانوں میں جنگ کے بگل بجے۔

"بس رضوان۔۔۔ اب آپ نے بات سنبھالنی ہے کل کمشنر آرہا ہے امہانی کا ہاتھ مانگنے بس یہی شرط تھی نا آپ کی کہ وہ آئے۔۔۔ تو جائیں اب بات کریں داداجی سے۔" امی بڑے زور شور سے ابو کو قائل کر رہی تھیں میرے قدم زمین میں گڑ گئے تھے۔

"فکر مت کرو۔۔۔ منالوں گا میں انہیں۔۔۔ ویسے بھی میں مل چکا ہوں سالار اعظم سے۔ اس میں چاہ کے بھی وہ کوئی خاص اعتراض نہ نکال سکیں گے۔"

جنگ شروع ہو چکی تھی اور میں خالی ہاتھ تھا' میرے پاس تو ابھی تک کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ میں وہیں سے پلٹ گیا اور اپنے کمرے کو مورچہ سمجھ کے بند کر کے بیٹھ گیا۔ ساری شام۔۔۔ رات بھر۔۔۔

اس دوران کبھی امی آکے دروازے پر دستک دیتی رہیں کبھی امہانی۔۔۔

"سعد دروازہ کھولو۔۔۔ سعد پلیز۔" وہ باقاعدہ منت کرتی رہی۔

"کب تک ناراض رہو گے صبح کے آئے ہو اور مجھ سے ملے تک نہیں' پرسوں بھی ایسے ہی چلے گئے' سعد دروازہ کھولو ورنہ اس بار میں ناراض ہو جاؤں گی۔" اتنی بڑی دھمکی پہ بھی میں ٹس سے مس نہ ہوا۔

"سعد دیکھو۔۔۔ بعد میں ہو جانا ناراض' پھر کر لینا گلے شکوے۔۔۔ ابھی مجھے ضرورت ہے تمہاری۔۔۔ سعد پلیز۔" میں نے اس کی آوازوں سے بچنے کے لیے کانوں پہ تکیہ رکھ دیا۔

"نہیں ہنی۔۔۔ ابھی اپنی ضرورت سب سے زیادہ مجھے ہے۔ پہلی بار میں نے تمہارا نہیں۔۔۔ اپنا ساتھ دینا ہے۔"

☼ ☼ ☼

ہمیشہ کی طرح ابھی بھی ان دونوں کے درمیان پراسرار سی خاموشی تھی' وہی صرف چمچے کے پلیٹ سے ٹکرانے کی آواز' البتہ تبدیلی صرف اتنی تھی کہ وہ جو اماں کھانے کے دوران بڑی آس سے گاہے بہ گاہے سالار پہ نظر ڈال لیا کرتی تھیں کہ شاید وہ ان کی موجودگی کا خیال کر کے ان سے کچھ پوچھ لے' دیکھ ہی لے۔۔۔ وہ بھی نہیں تھا آج۔

وہ سر جھکائے پلیٹ میں موجود کباب کو کرید رہی تھیں اور ان کی بجائے سالار ہر دو منٹ بعد ایک گہری نظر ان پہ ڈال لیتا تھا۔

"کل کیا مصروفیت ہے آپ کی؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں جیسے یقین ہی نہ آیا ہو کہ انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔

"میری؟ کچھ بھی نہیں؟ میرے پاس کرنے کو ہے ہی کیا؟"

"چلیں۔۔۔ کل کی مصروفیت میں نے ڈھونڈلی ہے ایک جگہ جانا ہوگا آپ کو۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"کہاں؟"

"رضوان شاہ کی حویلی۔۔۔ ام ہانی کے اور میرے رشتے کی بات کرنے۔"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں جاؤں گی۔" وہ بے تحاشا خوش ہو گئیں' مگر اس کا لہجہ ابھی بھی روکھا تھا۔

"اور کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے مجھے ان کا جواب صرف ہاں میں چاہیے' ہو سکے تو کل ہی شادی کی تاریخ بھی طے کرلیں جو قریب ترین ہو۔" اس نئے مطالبے پہ ان کی حیرت فوراً" ہی تشویش میں بدل گئی۔

"ہر بات کا قاعدہ ضابطہ ہوتا ہے سالار' کل رشتہ طلب کرنا ہے پھر ظاہر ہے انہیں سوچنے کی مہلت چاہیے ہوگی۔ شادی کی تاریخ طے کرنا تو بعد کے مرحلے ہیں۔" اماں کی تاویل پہ سالار اعظم کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی۔

"کیا سوچنا ہے انہوں نے؟ کیسی مہلت؟ "میں" یعنی سالار اعظم شادی کرنا چاہتا ہوں اس سے۔۔۔ اور کیا چاہیے انہیں۔"

اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا کہ اماں نے خائف ہو کے فوراً" ہی نظریں ہٹالیں اور زیر لب کچھ ورد کرنے لگیں۔ شاید استغفار۔۔۔

☼ ☼ ☼

رات بھر وہ میرے دروازے پہ دستک دیتی اور پکارتی رہی۔ میں پتھر بنا رہا اور اب فجر کے وقت سے پتھر بنا چھت کی منڈیر پہ کھڑا اس انتظار میں تھا کہ وہ کب دوبارہ مجھے پکارے۔۔۔

ہتھیلی پہ باجرہ لیے میں دانہ دانہ کرکے فضا میں اچھال رہا تھا۔۔۔ اور کبوتروں کو منڈیر پہ آکے چگتا دیکھ رہا تھا' اپنے عقب میں آہٹ ہوتے دیکھ کے بے اختیار میں پلٹا مگر وہ امہانی نہیں۔ امی تھیں' جو زمین پہ بچھی چادر پہ اچار ڈالنے کی نیت سے دھوپ میں رکھی کیری کی پھانکوں کو الٹ پلٹ کے مسالا برابر کر رہی تھیں۔ میں مایوس ہو کے دوبارہ باجرہ فضا میں بکھیرنے لگا۔

"تمہیں تو ہانی نے بتایا ہی ہوگا کہ آج اس کے رشتے کی بات کرنے لوگ آرہے ہیں۔" "پتا نہیں ماں ہو کے وہ مجھے انجانے میں ہی سہی۔۔۔ ایسے چرکے کیوں لگا جاتی تھیں۔

"دعا کرو سعد۔۔۔ داداجی کوئی مسئلہ کھڑا نہ کریں۔"

"میں کیوں کروں دعا؟" میں کلس گیا۔

"بڑے بے مروت ہو۔۔۔ ویسے تو اوپر اوپر سے اتنی محبت جتاتے ہو ہانی سے' مگر اس کے لیے ایک دعا تک

نہیں کر سکتے۔"

"ہاں۔ نہیں کر سکتا۔" میری بدتمیزی عروج پہ تھی وہ ایک رومال سے ہاتھوں پر لگا اچار کا مسالا پونچھتیں میرے پاس چلی آئیں۔

"اچھا میرے لیے ہی کر لو مجھے بھی تو خواہش ہے کہ وہ بیاہ کے چلی جائے۔"

"کیوں؟" میں ناراض ہی ہو گیا... باقاعدہ۔

"آپ کو کیا تکلیف ہے اس سے؟ وہ کیا کہتی ہے آپ کو؟"

"ارے تکلیف کیا ہو گی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے۔ مہ پارہ کی طرح حویلی میں بیٹھی نہ رہ جائے۔"

"تو بیٹھی رہے نا حویلی میں... آپ کا کیا جاتا ہے۔"

"اور اگر اس کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے تو تمہارا کیا جاتا ہے۔" انہوں نے گھورا تو میں منمنا کے رہ گیا۔

"میرا ہی تو جاتا ہے۔"

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔"

مجھ سے مایوس ہو کے وہ جانے کے لیے مڑیں۔

"میں خود دادا جی سے بات کرتی ہوں۔ تم مدد کرنے کے موڈ میں نہیں ہو... بے فیض۔"

"کر سکتا ہوں مدد..." میرے کہنے پہ وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

"واقعی؟ کیا؟"

"ایک حل ہے آپ مجھ سے کر دیں اس کی شادی۔" مجھے لگا وہ حیران ہوں گی' پھر پریشان' پھر شاید ناراض یا غصہ مگر ان سب مراحل میں داخل ہونے کی بجائے انہوں نے فٹ میرے کاندھے پہ ایک زور کی دھپ لگا دی۔

"ہر وقت مذاق اور سعد... مذاق اور بکواس میں بہت فرق ہوتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا معاملہ ہے جسے تم ہنسی میں اڑا رہے ہو بڑے ہو جاؤ سعد اب... نالائق..."

وہ ڈانٹتی' سر جھٹکتی' نیچے چلی گئیں میں نے بے زار ہو کر مٹھی میں دبا باقی کا سارا باجرہ فضا میں اڑا دیا اور اس بے زاری کے ساتھ کھنڈر کی منڈیر پہ آ کے بیٹھ گیا۔

منڈیر بدلی تھی' انتظار نہیں۔ اس بار انتظار زیادہ طویل نہیں تھا چند ہی لمحوں میں ہانی کا ہاتھ میرے چہرے کے سامنے تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی دوسری اس کے ہاتھ میں دبے چاک پہ۔

"بہت ہو گیا... یہ لو اور لکھو اپنا اور میرا نام جو ہر صلح کے بعد لکھتے ہو۔"

"ابھی تک جھگڑا ہی نہیں ہوا تو صلح کیسی؟"

"اچھا۔ تو ابھی کسر باقی ہے لڑنے کی؟ کتنے برے ہو نا تم سعد... ایسے وقت میں جب مجھے تمہاری ضرورت سب سے زیادہ ہے تو تم نخرے دکھا رہے ہو۔"

"میری ضرورت تمہیں کبھی تھی ہی نہیں۔" میرے اندر ہزاروں گلے مچل رہے تھے۔

"ہمیشہ تھی... ہے... اور رہے گی۔" وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"میں کیا صرف مشکل اور ضرورت میں یاد آتا ہوں۔"

"پھر سے جھگڑا... بس کرو نا مجھ میں ہمت نہیں ہے لڑنے کی۔ تم بس میری ہمت بڑھاؤ کوئی امید دلاؤ... پلیز۔"

"تم دلاؤ نا مجھے امید۔" میں مچلا... مگر وہ اپنی کہتی رہی۔

"تم نہیں جانتے سعد مجھے کتنا ڈر لگ رہا ہے۔"

"مجھے بھی بہت ڈر لگ رہا ہے ہنی۔" میں ہی اپنی کہتا رہا۔

"دادا جی مان تو جائیں گے' بس اب ان پہ ہے سارا معاملہ۔"

اس کی بات نے 'کھٹ سے میرے دماغ کی ایک کھڑکی کھولی تھی ہاں... بڑے دادا... فیصلے کا اختیار تو ان کے پاس ہے... ابو' امی اور ہنی بھی' سب ان کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیسا اچھا ہو جو بڑے دادا میری اس جنگ کا سب سے مہلک ہتھیار ثابت ہوں میں اسی وقت اٹھ کے بڑے دادا

کے کمرے کی طرف جانے لگا' وہ پھر سے پکارتی رہ گئی... مگر چند ہی لمحوں بعد وہیں بڑے دادا کے پلنگ کی پائنتی بیٹھا ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔

"آج تجھے میرا خیال کیسے آ گیا؟"

"مجھے تو ہر وقت آپ کا خیال رہتا ہے۔ آپ کو ہی میرا خیال نہیں ہے۔ کسی کو بھی نہیں ہے۔ کسی کو میں نظر ہی نہیں آتا۔" میں نے ان کی ہمدردیاں لینے کے لیے جی بھر کے مظلومیت طاری کی' مگر وہ بھی میرے بڑے دادا تھے۔

"تیرے دادے کا بھی پیو ہوں میں... سب سمجھتا ہوں' جب بھی تجھے مجھ سے کوئی مطلب ہو' کچھ مانگنا ہو یا کچھ منوانا ہو تب ہی آتا ہے میرے پاس' بتا کیا ہے اصل بات؟" جب وہ اصل مدعے پہ آ گئے تو میں تمہید باندھ کے وقت کیوں ضائع کرتا۔

"وہ بڑے دادا... آپ... آپ یہ بتائیں پہلے کہ آپ... ڈانٹیں گے تو نہیں... منع تو نہیں کریں گے؟" تمہید بھلے نہ باندھتا' حفاظتی بند باندھنا تو لازمی تھے۔

"نہیں نہیں بول۔" انہوں نے پچکارا۔

"جو کہوں گا مان لیں گے؟"

"آہو... شاباش... بول۔"

"پہلے وعدہ کریں۔"

"وعدہ۔" انہیں بھی اب بے تابی ہو رہی تھی جاننے کی۔

"پکا والا وعدہ؟" میں نے ایک بار پھر تسلی کرنا چاہی' مگر اب ان کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"کنجرا... بھونک تے رہیا آں... ہور اشامپ پیپر تے لکھ کے دیواں؟"

چلانے سے ان پہ کھانسی کا دورہ پڑا تو میں گھبرا کے ان کا سینہ سہلانے لگا۔ ان کی سانس گم ہو رہی تھی اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا میری ہاتھ پیر پھول گئے۔

"نہیں بڑے دادا ابھی نہیں اس نازک موقع پہ نہیں۔ پلیز ابھی نہیں۔ ابھی رک جائیں جہاں اتنے سال نکال دیے آپ نے وہاں کچھ دن اور... پہلے میرا کام تو کر دیں..."

شکر خدا کا... ان کی حالت انہیلر لیتے ہی سنبھل گئی' مگر ہانپ رہے تھے اور فی الحال کچھ بولنے کی سکت نہیں تھی پھر بھی ہاتھ کے اشارے سے پوچھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں اب بک بھی دے۔

"بڑے دادا... سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔" میں ایک بار پھر ہل ہل کے ان کی ٹانگیں دبانے لگا۔

"آپ چاہیں تو کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ نے فیصلہ دے دیا تو سب مان جائیں گے۔"

"ہاں... تے بول تے سہی۔"

"وہ بڑے دادا... ہنی میرا مطلب ہے ام ہانی... آپ کو تو پتا ہے وہ میرے لیے کیا ہے' بس بڑے دادا... آپ سمجھ جائیں نا... آپ نے کہیں تو اس کی شادی کرنی ہے... تو... تو... پھر..."

اس سے پہلے کہ میری بات پوری ہو پاتی۔ امی اور ابو دونوں ہی اندر داخل ہوئے۔ میں کوفت سے جھنجھنا اٹھا۔ یہی حال بڑے دادا کا بھی تھا وہ بھی سخت بدمزا ہوئے۔

"چلو... پوری فوج آ گئی بڈھے تے چڑھائی کرن... مرن تے دیو سکون نال... بے ہدایتو۔"

"میں تو یہ بتانے آیا تھا دادا جی کہ آج شام سالار..." ابو کی بات کو بڑے دادا نے مکمل نہ ہونے دیا۔ بالکل ایسے جیسے میری بات کو ابو نے اچانک آ کے ادھورا کر دیا تھا۔

"آہو... آہو... پتا ہے کان پک گئے سن سن کے... زنانی مرد کا اپنا بس نہ چلا تو اسے بھیج دیا ہے چابی بھر کے۔" انہوں نے میرے کاندھے کو ٹھوکا دیا میں ہڑبڑا اٹھا اور بوکھلا کے انہیں دیکھنے لگا وہ میری بوکھلاہٹ بڑھانے لگے۔

"چل شاوا منڈیا... شروع ہو جا... کمشنر ہے' شریف ہے' کلم کلا ہے۔ شاباش... بول..."

"میں بڑے دادا؟" میں ہونق بنا انہیں دیکھ رہا تھا جو پھر سے کھانس رہے تھے۔

"دادا جی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار ام

امہانی سے اس کی مرضی پوچھ لیں۔"

"ایک تو یہ امی۔ میں بھنا اٹھا اکلوتی اولاد کی مرضی کیا ہے یہ جاننے کی زحمت بھی کریں۔

"اس سے کیا پوچھنا ہے۔ اسی نے تو یہ بھیجا ہے۔ یہ کھوتا۔ ام ہانی کا وکیل۔" ایک بار پھر میرے کاندھے کو استخوانی انگلیوں نے ٹھوکا دیا۔

"اب میں وعدہ کر چکا ہوں اس نامانیم سے۔ دے چکا ہوں اسے زبان۔"

مجھے یہ ٹھوکا ذرا نہ چبھا' خوشی سے بے قابو ہو کے میں نے ان کے پیر پھر سے دابنے شروع کردیے۔

"لاڈلا ہے یہ میرا اس کی کوئی بات ٹال سکتا ہوں؟"

"سچی بڑے دادا؟" میرا بس نہ چلا کہ میں ان کے پیر ہی چوم لوں۔

"ہاں اے میرے ولوں۔ کہہ دے اس کمشنر کے بچے کو لے آئے جنج۔"

اور میرے ہاتھ ان کے پیروں پہ ڈھیلے پڑ گئے۔ میں ٹکر ٹکر ان کو دیکھنے لگا۔ یہ بازی پلٹ کیسے گئی۔ میرا ہی سپہ سالار۔ میدان جنگ میں مجھ پہ ہی وار کر گیا۔

"آپ نے بہت درست فیصلہ کیا ہے دادا جی۔"

ابو خوش ہو کے بڑے دادا کے گلے لگنے آگے بڑھے۔

"اب تو سعد کو بھیجے گا منوانے کے لیے۔ تو میں ناں کیسے کر سکتا ہوں۔"

میں سکتے میں آگیا۔ امی میرے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"جیتے رہو سعد۔ یہ تم ہی تھے جو اپنے بڑے دادا سے یہ بات منوا سکتے تھے۔"

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ میں وہاں سے نکلا۔ عقب میں کئی آوازیں تھیں جو سماعتوں تک پہنچ کر دل و دماغ میں آگ بھڑکا رہی تھیں۔

ہانی بی بی۔ ہانی بی بی۔ مبارک ہو۔ دادا جی مان گئے۔" یہ سلمیٰ تھی۔ اور پھر امی کا فخریہ انکشاف۔

"میرے سعد کا جادو ہے۔ اس نے منایا ہے انہیں۔"

"سعد۔"

یہ شکرانے ادا کرتا لہجہ ام ہانی کا تھا۔ وہ شاید میرے پیچھے بھی آئی تھی مگر کسی نے روک لیا ہو گا۔

"ارے ہانی۔ تم کہاں چل دیں۔ دیکھو دوپہر ڈھل رہی ہے۔ شام کو سالار اور اس کے گھر والوں نے آنا ہے۔ مہ پارہ تم اسے تیار تو کر دو۔"

یہ بھی سنا تھا میں نے۔ اور اس کے بعد ایک مکمل سناٹا۔ پتا نہیں کس پاتال میں جا گرا تھا۔ جو نہ کچھ سنائی دے رہا تھا۔ نہ دکھائی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو آپ کی بچی پہلی نظر میں بھا گئی۔ بلکہ میں نے تو اسے دیکھے بغیر ہی دل سے بہو مان لیا تھا۔"

وہ باوقار۔ مگر سادہ دل سی اماں جان نائلہ اور رضوان دونوں کو بہت پسند آئی تھیں۔ اور اماں جان کو ام ہانی۔ البتہ مہ پارہ کی پسندیدگی بہت دور کی بات تھی۔

"لیکن ہم تو آپ کے بیٹے کو دیکھے جانے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے۔"

مہ پارہ کے صاف جتا دینے پر وہ کچھ شرمندہ ہوئیں۔

"دراصل وہ کچھ شرمیلا ہے۔ اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا اس موقعے پہ خود آنا۔"

"چلیں کوئی بات نہیں۔ ہم خود جلد آئیں گے آپ کے ہاں۔ دیکھیں۔ بچی کا معاملہ ہے۔ یوں ہتھیلی پہ سرسوں تو جمائی نہیں جا سکتی۔ سب دیکھنا' پرکھنا' جانچنا اور کھنگالنا پڑتا ہے۔" رضوان کو اس کا لہجہ کچھ بدتہذیبی کے زمرے میں آتا محسوس ہوا تو فوراً" ٹوک دیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو مہ پارہ۔ سالار اعظم کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور ان کی شرافت' خاندانی نجابت کا' کردار کا قائل بھی ہوں۔"

"لیکن آنا تو آپ سب کو ہو گا۔"

اماں نے سبھاؤ سے دعوت دے ہی ڈالی۔

"آخر رشتے داری ہونے جا رہی ہے۔ میل ملاپ بڑھنا چاہیے۔ آپ کا پورا حق ہے اپنی تسلی کرنے کا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مگر آپ اپنے آبائی گھر کا پتا بھی تو دیں۔" مہ پارہ کی نئی فرمائش پہ نائلہ نے کسمسا کے رضوان کو ٹھوکا دیا۔ وہ بھی مہ پارہ کو گھور کے رہ گئے مگر وہ نظرانداز کیے لہک لہک کے کہتی رہی۔

دیکھیں ناں۔ یہاں آئے آپ کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ کوئی آپ کو جانتا تک نہیں ہے اس علاقے میں۔ ہم آپ کے آبائی شہر میں۔ اور پرانے جاننے والوں سے ہی پوچھ گچھ کر کے تسلی کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ ضرور۔"

اماں جان نے مروت میں کہا ضرور۔ مگر نائلہ مسلسل مہ پارہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتی رہیں۔ رضوان نے بھی اپنی جانب سے کہہ کر تلافی کرنی چاہی۔

"نہیں۔ نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ سالار کے خاندان اور حسب نسب سے میں بخوبی واقف ہوں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ منہ میٹھا کراتے ہیں۔ سلمیٰ۔" نائلہ اپنی مسرت چھپانے کی اپنی سی کوشش کرتے ہوئے سلمیٰ کو پکارنے لگیں۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ مہ پارہ منہ بناتے ہوئے وہاں سے اٹھ کے جا رہی تھی۔

"ایک اور خواہش بھی تھی میری۔"

"جی جی کہیے۔"

رضوان نے اماں جان کی جانب توجہ کی جو کچھ کہہ رہی تھیں۔

"مجھے عنقریب اپنی بیٹی کے پاس امریکہ جانا ہے۔ کچھ مہینے رکوں گی وہاں۔ میں چاہتی تھی ہم منگنی وغیرہ کے تکلف میں نہ پڑیں۔ اور شادی جلد از جلد کر دیں۔ دراصل میں اس معاملے میں تاخیر نہیں چاہتی۔"

اب بھلا نائلہ کے لیے اس سے بڑھ کے خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا خود ہی حامی بھر کے سب طے کر دیں مگر دادا جی۔

رات کو دادا جی کے کمرے میں پھر سے مقدمہ پیش ہوا۔

"ایسا رشتہ قسمت والوں کو ملتا ہے۔ بہت نصیب والی ہے ہماری ام ہانی جو سالار جیسا شخص اس کی زندگی میں آرہا ہے۔" رضوان بڑھ چڑھ کے تعریفیں کر رہے تھے اور مہ پارہ ہر بات میں کجی تلاش کر رہی تھی۔

"دیکھا تک تو ہے نہیں ہم میں سے کسی نے اسے"۔ اور پھر دادا جی کو بھڑکانا چاہا۔ جو دل سے تو اب بھی راضی نہ تھے۔

"دیکھیں ناں دادا جی۔ کوئی بات ہے بھلا۔ پہلی بار وہ آئیں ہیں رشتہ لے کر اور بنا لڑکے کو دیکھے بھالے بھائی صاحب نے ہاں بھی کر دی۔ بھلے وقتوں میں تو لڑکی والے اگلوں کی جوتیاں گھسا دیا کرتے تھے۔"

"کیوں بھئی؟ اتنی بھاری تھی کڑی ہمیں' وہ کیا سوچیں گے کہ ان کو اتنی تھوڑ تھی رشتوں کی۔ تیار بیٹھے تھے ہاں کرنے کو۔"

دادا جی نے گھرکا تو رضوان بہن کو گھورتے ہوئے بولے۔

"دادا جی۔ بلاوجہ کے نقص کس لیے نکالتا ہیں؟"

"نقص نکالنے کی نوبت تو تب آتی جب اسے دیکھا جاتا۔" مہ پارہ نے پھر پھلجڑی چھوڑی۔

"انہوں نے ہمیں انوائیٹ کیا تو ہے۔ تم بھی چلنا۔ دیکھ لینا۔ اور کر لینا اپنی تسلی۔"

رضوان نے تنگ آکے مہ پارہ سے کہا۔

"اور دادا جی۔ آپ بھی چلیں مہ پارہ کے ساتھ۔"

"ناں۔ میں کتھے جاؤں۔" دادا جی پہ اسی وقت نقاہت طاری ہو گئی۔

میں تے میری بیماریاں۔ ھک ھا۔"

آہیں بھرتے۔ ہانپتے کانپتے۔ سو سو باتیں سناتے آخر کار' دادا جی نے اپنے تمام اعتراضات سے ہاتھ اٹھا ہی لیا۔ اب رضوان تبھی کھل کے مٹھائی کھا رہے تھے۔ نائلہ کی خوشی میں اس کا ساتھ دے رہے تھے جبکہ مہ پارہ بڑے کمرے میں ان کے ساتھ موجود تو تھی۔ مگر ان کی خوشیوں میں نہیں۔ اور اس کے

چہرے پہ موجود بے زاری اور ناگواری ام ہانی کے چہرے کھلتی حیا میں ڈوبی مسکراہٹ کو پھیکا کیے دے رہی تھی۔

"جب بس بھی کریں۔ شوگر ہائی ہو جائے گی۔"

نائلہ نے رضوان کے ہاتھ سے گلاب جامن لیا اور ام ہانی کے منہ میں ٹھونس دیا۔ وہ مزید شرما گئی۔

"میں تو خوش ہوں اور حیران بھی۔ کہ دادا جی نے میری توقعات کے بر عکس کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔"

رضوان نے ایک اور گلاب جامن اٹھالیا۔

"ظاہر ہے۔ بھابھی نے طے جو کر رکھا ہے کہ ہاں ہی کہلوانی تھی؟" مہ پارہ کے جلے کٹے طنز پہ ام ہانی سہم کر آنچل درست کرنے لگی۔ اسے بہت خوف آتا تھا۔ کبھی مہ پارہ کی زبان سے۔ کبھی اس کے مزاج سے۔

"یہ لو۔ سعد بھی آگیا۔"

نائلہ کے کہنے پہ آنچل ماتھے تک کھینچتی ام ہانی نے چونک کر سامنے دیکھا۔

میں تھکا ہارا۔ نڈھال۔ پژمردہ۔ بڑے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا حیرت سے۔ کبھی ٹیبل پہ رکھی چائے اور دیگر لوازمات کی باقیات دیکھ رہا تھا۔ کبھی فرش پہ دھرے مٹھائی کے ٹوکروں کو۔ تو کبھی سب کے درمیان آنچل میں، سر جھکائے شرماتی ام ہانی کو۔ ابھی میں کچھ پوچھ بھی نہ پایا تھا کہ امی مٹھائی لے کر بڑھیں۔

"کہاں تھے تم سعد۔؟"

"ایسی بری عادت ہے صاحبزادے کی۔ ایک تو بتائے بغیر گھر سے نکلنا۔ اور پھر فون نہ اٹھانا۔"

خلاف معمول ابو نے ڈانٹنے کی بجائے صرف جتایا۔

"حالانکہ کتنا ضروری تھا آج تمہارا گھر ہونا۔"

امی نے برفی کا ٹکڑا میری جانب بڑھایا۔

"کیوں۔۔۔ آج ایسا کیا تھا؟"

میرے اتنا پوچھتے ہی امی نے برفی کا ٹکڑا میرے منہ میں ٹھونس دیا۔

"ام ہانی کی منگنی۔"

مجھے ایسا لگا کسی نے میرے منہ میں انگارے بھردیے ہوں۔ نہ میں اس برفی کو اگل پارہا تھا نہ نگل پارہا تھا۔ ٹکر ٹکر سب کو دیکھنے لگا۔

ام ہانی دوپٹے میں چہرہ چھپائے مسکرا رہی تھی۔ مہ پارہ پھوپھو مجھے چھیڑ رہی تھیں۔

"ارے۔ یہ تو کچھ شادی مرگ والی کیفیت ہے۔"

"ناراض ہو گیا ہے شاید۔ اسے بتائے بغیر منگنی کرڈالی۔" یہ ابو کا قیاس تھا۔

"تو یہ گھر میں ٹکے بھی تو۔ کسی کے پاس بیٹھ کے کچھ سنے تو۔" امی نے میرا گال محبت سے سہلانا چاہا مگر میں ان کا ہاتھ جھٹک کے وہاں سے ایسے بھاگا۔ جیسے ایک منٹ اور رکا۔ تو۔ تو یہ انگارے میرے وجود میں اتر جائیں گے۔

بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے میں نے گلاب کی کیاری میں برفی کا وہ ٹکڑا تھوکا۔ جو میرے منہ میں جھلس رہا تھا۔ تھوک پھینکنے کے بعد بھی میرے حلق سے کڑواہٹ نہ گئی۔ بے بسی کے احساس سے پسپا۔ میں وہیں کیاری کے پاس بیٹھ کے رونے لگا۔

☆ ☆ ☆

"اور آج سے میں آپ کی ہو گئی۔"

وہ سرشاری سے کہہ رہی تھی۔ سامنے ہو تو الفاظ گنگ سے ہو جاتے تھے۔ اندر ہی اندر مچل کے رہ جاتے۔ مگر زبان کی نوک پہ آنے کی ہمت نہ کرپاتے تھے۔ اس وقت وہ فون کے دوسری جانب تھا۔ اس لیے وہ سب الفاظ اس کے لبوں پہ سجے تھے۔

"تم اسی دن میری ہو گئی تھیں۔ جس دن میری پہلی نظر تم پہ پڑی تھی۔ میں بتا چکا ہوں کہ جو مجھے پسند آتے ہیں وہ میرے ہو جاتے ہیں۔"

"چلیں۔ یوں کہہ دیتی ہوں کہ آج سے آپ میرے ہو گئے۔"

"میں صرف اپنا ہوں۔"

سالار کے کہنے پہ وہ ٹھٹکی۔ اور جب غور کرنے پہ

بھی اس کے لہجے میں مذاق کا کوئی شائبہ نہ ہوا تو روہانسی ہو گئی۔

"کیوں تنگ کرتے رہتے ہیں آپ مجھے۔ بار بار مجھے ستانے والی باتیں کریں گے تو۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔"

"کیا کروں گی تم؟"

وہ بے حد اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

"رو دو گی؟" اس کی سرگوشی ابھری۔ اور ام ہانی مسکرادی۔

☆ ☆ ☆

"سعد۔ بیٹا ناشتے کے لیے نیچے کیوں نہیں آئے؟"

صبح ہو گئی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے کبھی نہ ہوتا۔ اگر امی اندر آکے یہ نہ کہتیں۔ میں یونہی گم صم سا اوندھا پڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ میرے پاس بیٹھ کے محبت سے میرے بال سہلانے لگیں۔

"رات کو بھی بنا کچھ کھائے سو گئے تھے۔"

"کھلائی تو تھی آپ نے۔۔۔ مٹھائی۔"

میں نے ناراضی جتائی اور منہ پھیر لیا۔

اتنے ناراض کیوں ہو؟ رضوان نے ڈانٹا تھا کسی بات پہ؟ میں ابھی پوچھتی ہوں ان سے۔"

انہوں نے میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اپنی جانب موڑا اور پھر پریشان ہو گئیں۔

"تم رو رہے تھے سعد؟ ارے۔ بتاؤ تو سہی۔ مجھے پریشان مت کرو سعد۔ بتاؤ اصل بات۔"

"امی۔۔۔ وہ۔۔۔ ہنی۔۔۔"

میں وہی بچہ بن گیا جو ان کی گود میں سر رکھ کر پھپک پھپک کر رو دیا کرتا۔ اور فرمائشیں منوالیا کرتا تھا۔ مجھے لگا میرے رونے پہ ہمیشہ کی طرح وہ پریشان ہو جائیں گی۔ مگر وہ ایک سکون کا سانس لیتے ہوئے اپنے گود میں رکھے میرے سر کو پیار سے تھپکتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اوہ۔ شکر۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوا۔ پاگل۔ لڑکیاں بھی بھلا کیا ہمیشہ کے لیے گھر رہتی ہیں۔ اسے تو جانا ہی ہے ایک دن۔ میں جانتی ہوں تم اس کے جانے کے خیال سے دکھی ہو رہے ہو آخر بچپن کا ساتھ ہے۔ نہ تمہارا کوئی بہن بھائی۔ نہ اس کا۔ تم دونوں نے ایک دوسرے کی تنہائیاں بانٹی ہیں۔ مگر بیٹا۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔" انہوں نے جھک کر میرا ماتھا چوما۔ میرے سسکیاں تھم گئی تھیں۔ اور آنسو بھی۔

"بس دعا کرو اس کے لیے۔ اس کی زندگی کا اگلا سفر خوشگوار گزرے۔"

میری آنکھیں مکمل طور پر خشک ہو گئیں۔ میں نے اپنا سر ان کی گود سے نکالا اور تکیے پہ رکھ کر دوبارہ رخ موڑ لیا۔ باہر سے ابو کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً اٹھیں۔

"ارے۔ باتوں میں لگا لیا۔ میں چلوں۔ تمہارے ابو تو شور مچادیتے ہیں گھنٹہ پہلے ہی۔ اگر کہیں جانا ہو تو۔"

میں بے بسی سے انہیں کمرے سے نکلتا دیکھتا رہا۔ جانتا تھا کہ کہاں جانے کی تیاری ہے۔ کچھ دیر چپ چاپ لیٹا رہنے کے بعد میں پھرتی سے بیڈ سے اترا اور نیچے جھانکا۔

"مہ پارہ۔ آ بھی جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔"

امی کوفت سے پھوپھو کو بلا رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ دادا جی کو منا رہی ہے۔ ساتھ جانے کے لیے۔"

"وہ نہیں جانا چاہتے تو آپ دونوں کیوں اصرار کررہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں رضوان۔ یہی اچھا ہے کہ وہ نہ جائیں۔ بلاوجہ کوئی مین میکھ ہی نکالیں گے۔ بلکہ مجھے تو مہ پارہ کی طرف سے بھی کھٹکا ہے آپ نے دیکھا نہیں۔ کل بھی کیسے بار بار طنز سے۔۔۔"

اور پھر پھوپھو کو کمرے سے برآمد ہوتا دیکھ کے چپ ہو گئیں۔ ان کے لحاظ میں نہیں۔ حیرت سے۔ پھوپھو فیروزی ساڑھی میں پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ سامنے تھیں۔ فیروزہ جڑا کندن کا سیٹ بھی۔۔۔

"مہ پارہ۔ ابھی ہم صرف شادی کی تاریخ کی بات کرنے جارہے ہیں۔ شادی نہیں ہے جو تم اس قدر

تیار ہوگئی ہو۔"

"نہیں پتا چلنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں۔" وہ اترا رہی تھیں۔

"خاندان اور رتبے کا اندازہ زیور اور ظاہری چمک دمک سے نہیں لگایا جاتا۔ مگر بہرحال تم سے بحث کون کرے آؤ اب۔ پہلے ہی کافی دیر ہوگئی ہے۔"

امی سر جھٹک کے انہیں آنے کا کہتی آگے بڑھیں۔ میں تیزی سے سیڑھیاں اترا۔

"ایک منٹ۔ میرے بغیر کیسے جا رہے ہیں آپ؟"

سب ہی حیران رہ گئے۔ پھوپھو کہے بنا رہ نہ سکیں۔

"تم بھی ساتھ چلو گے؟ مگر اس موقع پر تو صرف بڑے جایا کرتے ہیں۔"

"آنے دو۔ ماشاء اللہ اب میرا بیٹا بھی بڑا ہوگیا ہے۔ آؤ سعد۔" ابو کے مزاج کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔

میں جانتا تھا ہنی کو جب اطلاع دی ہوگی تو وہ بہت حیران ہوئی ہوگی۔ کہ میں بھی ساتھ گیا ہوں۔ اب اسے کیا خبر کہ میں کس لیے وہاں جا رہا ہوں۔

ویسے۔ خبر مجھے بھی نہیں تھی۔ کہ میں کیوں جا رہا ہوں۔ اور جب وہاں سالار اعظم کی قد آدم تصویریں جا بجا آویزاں دیکھیں تو مجھے اندازہ ہوا۔ کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔

میں خود کو اذیت دینے آیا تھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ سعد رضوان شاہ۔"

اور جب ابو کے تعارف کرانے پہ سالار اعظم نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ تو میں نے یہی اذیت اس کے اندر بھی محسوس کی۔ خاص طور پر تب جب امی نے اس تعارف کو مزید تفصیل سے بیان کیا۔

"ہم ہانی اور اس کی بہت دوستی ہے۔ بچپن سے ہی۔ یوں سمجھو۔ ایک جان۔ دو قالب۔"

مجھے اس کے ہاتھ میں وہی خنکی محسوس ہوئی۔ جو اس کی نظروں میں تھی پھر اس نے صرف ایک لمحے کے لیے میرا ہاتھ چھوتے ہی فوراً" چھوڑ دیا۔ مگر ایک ناگوار سی شکن اس کے ماتھے پہ اگلے کئی لمحوں تک رہی۔ مجھے لگا۔ میرے آنے کا مقصد پورا ہوگیا۔ وہاں جتنی دیر سب موجود رہے۔ میں چپ تھا۔ اور واپسی کے سارے راستے بھی میں نے گفتگو میں بالکل کوئی دخل نہ دیا۔

"غضب خدا کا۔ اتنی بڑی عمر کا داماد چنا ہے آپ نے۔ میری تو زبان ہی من بھر کی ہوجاتی ہے اسے داماد کہتے ہوئے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو مجھ سے ایک آدھ برس کا ہی فرق ہوگا۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے مہ پارہ۔"

امی اس حد درجہ مبالغے پہ تلملا اٹھیں۔

"زیادہ سے زیادہ پینتیس برس کا ہوگا۔ مردوں کی، اسٹیبلش ہونے میں اتنی عمر تو ہوجاتی ہے۔"

"اتنی بھی نہیں ہوتی بھابھی۔ اور وہ پینتیس کا ہو پینتالیس کا۔ آپ یہ دیکھیں کہ ہانی کی عمر کیا ہے۔ کوئی دس گیارہ برس کا فرق ہوگا۔" ان سب سے لاتعلق میں گردن موڑے باہر تکتا رہا۔

"تو اتنا فرق عام ہے مہ پارہ۔ اور یہ بھی تو دیکھو۔ کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ جب انہیں یہ فرق نظر نہیں آرہا تو ہم کیا اعتراض کریں۔"

ابو کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ پھوپھو نے جھٹ دوسرا اعتراض داغ دیا۔

"اور مجھے تو مزاج کا بھی تیکھا لگا۔"

اس بار بھی ابو نے ہی ان کی تسلی کرانا چاہی۔ امی مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ شاید انہیں اندازہ تھا۔ کہ اگر وہ کچھ بولیں تو بہت خطرناک ہوگا اس لیے احتیاطاً" چپ تھیں۔

"سنجیدہ مزاج اور کم گو ہے اور کیا وہ ہنسی ٹھٹول کرتا تمہارے ساتھ۔ باادب ہے۔ اور مہذب۔"

میں جانتا تھا وہ بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ بہت سے سوال ہوں گے اس کے پاس۔ اور میں اس سے نہیں اس کے سوالوں سے بچنے کے لیے پھر سے کمرے میں بند ہوگیا۔ خلاف امید آج رات دروازے پہ کوئی دستک نہ ہوئی۔ میں اس سے کترا ضرور رہا تھا۔ مگر یہ تھوڑا ہی چاہتا تھا کہ وہ میرے پیچھے

نہ آئے۔ مجھے نہ پکارے۔ بے شک میں نے اس کی صدا کا جواب نہ دینا تھا۔ مگر وہ پکارتی تو۔ بھلے میں نے دروازہ نہیں کھولنا تھا۔ مگر وہ دستک تو دیتی۔

اس بات نے میرے اندر طیش کو اور بھی بلاخیز کردیا۔ اور وہ سارا طیش میں نے کھنڈر کی اس دیوار کے خالی حصے پہ نکال دیا۔ میری انگلیوں کی پوریں کوئلے سے سیاہ ہو رہی تھیں اور بدن پسینے سے شرابور جب مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"سعد"۔

میں پلٹ کے دیکھے بنا اپنا کام کرتا رہا۔ وہ میری پشت پر کھڑی تھی اس لیے اب تک دیکھ نہیں پائی تھی کہ دیوار پہ کوئلے نے اپنی سیاہی سے کیا ابھارا ہے۔ آخر اس نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے میرا رخ اپنی جانب موڑا۔

"شکر ہے۔ تم ملے تو۔" میں مڑا تو وہ سیاہی میری پشت پہ چھپ گئی۔ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"مگر مجھے تم نہیں ملی۔"

"یہ لو۔ تمہارے سامنے ہی تو ہوں۔"

"جو سامنے ہوتے ہیں' وہ ساتھ نہیں ہوتے۔ سامنے ہونے اور ساتھ ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے ہنی۔"

"ایک تو تمہاری باتیں۔ بدھو۔ سمجھتے ہو ایسی الٹی سیدھی ہانک کے بڑے کوئی فلاسفر بن جاؤ گے۔ اچھا۔ تم نے مجھے بتایا نہیں۔ تمہیں سالار کیسے لگے؟"

"بتاؤں؟"

"ہاں ناں بتاؤ۔"

وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ میں دیوار کے آگے سے ہٹا۔ اور اس سے کوئلے سے بنا عکس اسے دکھایا۔

"ایسا۔"

میں نے بڑے بڑے دانتوں' سر پہ سینگ اور خوفناک آنکھوں والی شبیہ اسے دکھائی۔

"یہ کیا مذاق ہے سعد؟"

میں نے ہنی کو اتنا برہم کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مذاق نہیں۔ یہ تمہارا سالار ہے۔ جن۔ خون چوسنے والا۔ جو ایک خوب صورت پری کو ہمیشہ کے لیے قید کرنے والا ہے۔"

"تمہارے بے ہودہ مذاق کبھی کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ کچھ تو تمیز کیا کرو سعد۔ اب بات مت کرنا مجھ سے؟"

وہ جو اتنے دن سے مجھے منا رہی تھی۔ اب خود خفا ہو کے چل دی۔

☼ ☼ ☼

وہ الجھ سی گئی تھی۔ اس کی ناراضی اس کا عجیب وغریب رویہ۔ یہ الٹی سیدھی حرکتیں کچھ بھی تو سمجھ نہ آرہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو مہ پارہ۔ اب وہ پرانے ڈیزائن کے بھاری زیور کون پہنتا ہے؟"

بڑے کمرے میں مہ پارہ اور نائلہ شادی کی تیاریوں کا آغاز کیے بیٹھی تھیں۔ ایک ڈھیر لگا تھا سامنے۔

"روایت ہے حویلی کی بھابھی۔"

"اب روایتیں دیکھیں۔ یا بچی کی پسند۔ میں نئے زیور ہی بنواؤں گی اور سب ہانی کی پسند کے۔"

"تو ان پرانے زیورات کا کیا ہوگا؟"

مہ پارہ نے جڑاؤ کنگن اٹھا کے حسرت سے دیکھا۔

"وہ میں سعد کی دلہن کو دے دوں گی۔"

اور سامنے سے آتی ہانی کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

"ہانی۔ ادھر آؤ بیٹا۔ تم سے پوچھنا تھا۔ ذرا یہ دیکھ کے بتانا تو۔ ان میں سے تمہیں کچھ۔"

اور پوچھتے پوچھتے وہ ٹھٹک کے رکیں۔ ہانی کے چہرے کی الجھن بہت واضح تھیں۔

"کیا ہوا بیٹا۔"

"نہیں۔ کچھ نہیں۔ بس۔ وہ سعد۔ وہ کچھ عجیب سا۔" وہ کیا بتاتی۔ جب خود ہی کچھ نہ جان پا رہی تھی۔

"ارے۔ تم سعد کی وجہ سے پریشان ہو۔ فکر مت

کرو ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہے تم سے دور ہونے کے لیے۔ بچہ ہی تو ہے اور تم سے اتنا قریب بھی۔ تمہارے جانے کے خیال سے ہی چڑچڑا ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔"

بظاہر کوئی اور وجہ بھی نہیں تھی۔ اس لیے ام ہانی نے بھی اس تسلی سے دل کو بہلا لیا۔ اور مسکرا کے ان کے ہاتھ سے گلوبند لے کر دیکھنے لگی۔

"مگر یہ سعد ہے کہاں؟"

مہ پارہ نے پوچھا۔

☼ ☼ ☼

میری گاڑی کی بریک ٹھیک سالار اعظم کے گھر کے سامنے لگی تھی۔ میں اس سیاہ پتھروں کی عمارت کو پتھریلی آنکھوں سے ہی کچھ دیر تکتا رہا۔ پھر اندر بڑھا۔

"دل تو میرا ہی چاہ رہا ہے نوین۔ کہ تم اس شادی پہ ہوتیں۔ آخر اکلوتا بھائی ہے مگر اس حالت میں اتنا لمبا سفر۔ اللہ اللہ کر کے تو یہ دن آیا ہے تمہاری زندگی میں۔"

میں ملازمہ کی رہنمائی میں ہال تک پہنچا جہاں سالار کی والدہ کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔

"نہیں نہیں۔ میں رک نہیں سکتی۔ پہلے تو وہ مانتا ہی نہیں تھا شادی کے لیے۔ اب مانا ہے تو میں ایک دن کی تاخیر بھی نہیں چاہتی۔ اس کے مزاج کا کیا بھروسا۔"

پہلے ملازم اور پھر مجھ پہ نظر پڑی تو وہ چونکیں۔

"نوین۔ میں تمہیں کچھ دیر میں کال کرتی ہوں۔"

"بیگم صاحبہ۔ یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" ان کے فون رکھتے ہی ملازم اپنا فریضہ ادا کر کے چلا گیا۔

"السلام علیکم۔ میں۔ سعد رضوان شاہ۔ کل آیا تھا آپ کے گھر۔ ام ہانی کا کزن۔"

☼ ☼ ☼

"سعد کون ہے؟"

سالار کے اچانک سوال پہ ام ہانی حیران رہ گئی۔ اس کے اتنے اصرار پر وہ اس سے ملنے آئی تھی اور اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"سعد۔ سعد ہے۔"

وہ بھولپن سے بولی۔

"آپ سعد کو نہیں جانتے' کل آیا تھا آپ کے ہاں؟"

"واقف ہوں۔ جانتا نہیں۔ بہت فرق ہے دونوں باتوں میں۔ سنا ہے تمہارا بہت اچھا دوست ہے۔ تمہاری زندگی میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔"

"ہاں۔ ہے تو۔" وہ مسکرائی۔

"اگر وہ اتنا اہم ہے تو میں اب تک اس بات سے انجان کیوں ہوں' مجھے تمہارے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات کا علم ہونا چاہیے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے کبھی اس کا ذکر تک نہیں کیا؟"

"آپ خود ہی تو منع کرتے ہیں"

وہ معصومیت سے گلہ کر بیٹھی۔

"کہ جب میں آپ کے ساتھ ہوں تو صرف آپ کی بات کروں۔ آپ کو برا جو لگتا ہے کہ میں کسی اور کا ذکر بھی نہ کروں آپ کے سامنے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب نہیں ٹوکوں گا۔"

کچھ دیر تک اس کے چہرے کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد سالار نے کہا۔

"بتاؤ اس کے بارے میں۔ میں خود پوچھ رہا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"صرف کزن ہی نہیں۔ بچپن کی دوست ہے وہ میری۔ سب سے اچھی دوست۔ مجھے بہت عزیز ہے ہنی۔ اور میں اس کے ساتھ کچھ غلط ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

میں کسی ریکارڈ کی طرح ان کے سامنے بج رہا تھا۔

"اتنی پیاری بچی ہے ماشاء اللہ۔ خدا اس کے نصیب اچھے کرے۔ اس کے ساتھ کبھی کچھ برا نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ۔"

"ہونے تو جا رہا ہے۔ بلکہ ہو رہا ہے۔"

میں نے جی بھر کے تشویش ٹپکائی اپنے چہرے اور لہجے سے۔ حسب توقع وہ چونک اٹھیں۔

"کیا مطلب؟"

"دراصل۔ میں آپ سے جو بات کرنے والا ہوں۔ وہ بہت نازک ہے۔ آپ کو حیرت بھی ہو گی اور شاید آپ کی رائے بھی میرے بارے میں بہت بری قائم ہو گی۔ لیکن۔ کیا کروں۔ بتائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ میں انجام کی پروا کیے بغیر آپ سے یہ بات کہنے جا رہا ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے بیٹا۔ مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔ جلدی بتاؤ۔ کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"جی جی۔ بتانے والا ہوں۔ بتانے ہی تو آیا ہوں؟"

میں صوفے پہ تھوڑا آگے کو کھسکا۔

"لیکن پہلے آپ وعدہ کریں کہ اسے طریقے سے ہینڈل کریں گی۔ اور کسی پہ ظاہر نہیں ہونے دیں گی کہ میں نے یہ بات آپ کو بتائی ہے۔"

"اب تو تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو"

ان کے چہرے پہ باقاعدہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"نہیں۔ پہلے آپ وعدہ کیجیے۔ میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ بلکہ قسم کھائیے۔"

"اچھا بیٹا۔ وعدہ۔ مگر بتاؤ تو سہی۔"

وہ سخت بے چین تھیں۔ بلکہ میں نے کر ڈالا تھا۔

"نہیں وعدہ نہیں۔ قسم۔ اپنے بیٹے سالار کی قسم۔"

☼ ☼ ☼

"مجھے بس اتنا پتا ہے کہ وہ کبھی میرا برا چاہ ہی نہیں سکتا۔ پوری دنیا میں اگر کسی کو سب سے زیادہ میری پروا ہے تو وہ سعد ہے۔ سعد رضوان شاہ۔"

اس کے لہجے میں سچائیاں بول رہی تھیں۔ اور سالار کی پیشانی شکنوں سے پر ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی دھن میں مگن ہانی کو احساس تک نہ ہوا۔

"وہ مجھے خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے خوش رکھتا ہے' مجھے خوشیاں دیتا ہے۔ میری خوشی کا دوسرا نام ہے سعد۔"

☼ ☼ ☼

"جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ امہ ہانی کے پیرنٹس۔ میرے چچا' چچی گزر چکے ہیں۔ میرے امی ابو نے ہی اسے پالا ہے۔" بالآخر میں نے بتانا شروع کیا۔

"میں جانتی ہوں اور تمہاری والدہ نے اس کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔"

"جی جی۔ اور ابو نے بھی پرورش میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ مگر کسی کو محبت اور توجہ سے پال لینا اور بات ہے اور اس کے تمام حقوق پورے کرنا ایک الگ بات۔"

"حقوق؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے کہتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا۔ مگر۔ دیکھیں ناں۔ بے شک میرے والدین ہی۔ پھر بھی۔ سچ تو سچ ہے۔"

انہیں ٹھیک ٹھاک ہراساں اور سراسیمہ کرنے کے بعد میں نے تمہید کو سمیٹا اور مدعے پہ آیا۔

"ساتھ تو سچائی اور انصاف کا دینا چاہیے۔ جیسے

دعائے مغفرت

ہماری رائٹر سعدیہ عزیز آفریدی کی والدہ قضائے الٰہی سے دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم سعدیہ عزیز آفریدی کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں۔ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)
قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

میں امی اور ابو کی اکلوتی اولاد ہوں ایسے ہی ام ہانی بھی اپنے پیرنٹس کی اکلوتی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کا جو بھی ہے۔ اس کی واحد وارث۔۔۔ اور آپ کو اندازہ تو ہو گا کہ وہ سب کچھ کتنا ہو گا۔"

"وہ جو بھی ہے۔ جتنا بھی ہے۔ ام ہانی کا ہے۔ ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے؟"

وہ شاید برا مان گئی تھیں۔ اس لیے وضاحت دینے لگیں۔

"اور سالار تو یوں بھی بہت خوددار اور غیور ہے۔ وہ کبھی جاننا تک پسند نہیں کرے گا کہ ام ہانی کتنی جائیداد کی مالک ہے۔"

"وہ تو آپ کی نیک نیتی ہے۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ سب کی نیت ہی ٹھیک ہو۔"

"کس کی بات کر رہے ہو بیٹا؟"

ان کے سوال پہ میں ایک لمحے کو جھجکا۔

"میں اپنے۔۔۔"

پھر اگلے ہی پل خود غرض ہو کے کہہ دیا۔

"اپنے ابو کی۔ وہ نہیں چاہتے کہ ام ہانی کو اس کے حصے کی پراپرٹی ملے۔"

☼ ☼ ☼

"وہ بہت سادہ ہے سالار۔ بہت معصوم" ام ہانی ایک بار سعد کے بارے میں بات کرنا شروع کر دے تو بھلا کون روک سکتا تھا اسے۔

"اپنی عمر سے کہیں کم ہے اس کی ذہنی عمر۔ اس کی عمر کے لڑکے اتنے تیز ہوتے ہیں۔ اور وہ بد ھو۔"

وہ ہنس پڑی۔ سالار کو اس کی ہنسی سے وحشت سی ہوئی۔ اس نے سگریٹ یوں سلگائی جیسے اس کے ساتھ سعد کے غائبانہ ذکر کو بھی دھوئیں میں اڑانا چاہتا ہو۔

"بہت اچھا ہے دل کا۔ معصوم۔ بھولا بھالا۔ سچا۔ دھوکا دینا۔ جھوٹ بولنا۔ فریب کاری۔ یہ سب اسے نہیں آتا۔"

☼ ☼ ☼

وہ حیرت سے گوگونے جا رہی تھیں اور میں فراٹے سے جھوٹ پہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اپنے اس فن کا اندازہ مجھے آج ہوا تھا کہ میں کتنی اچھی کہانی گھڑ سکتا ہوں۔

"بس اب یہ معاملہ آپ کے سپرد ہے۔ آپ چاہیں تو ام ہانی کو اس کا حق مل سکتا ہے۔"

"بیٹا جو تم کہہ رہے ہو۔ وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم سالار کو نہیں جانتے وہ کبھی بھی یہ بات نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر میں نے اسے یہ مشورہ بھی دیا تو وہ بگڑ جائے گا۔"

"تو آپ ان سے بات نہ کریں۔ ڈائریکٹ میرے ابو سے، یہ کہیں آپ کی بات زور رکھتی ہے۔"

میری بات پہ وہ مزید گھبرا گئیں۔ بے چاری سادہ خاتون۔

"نہیں نہیں۔ یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ اور سالار کو علم ہوا تو وہ۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔"

"پلیز۔ پلیز۔ کچھ تو سوچیں۔ وہ ایک یتیم لڑکی ہے۔ اسے اس کے حق سے محروم رکھنے کا سوچا جا رہا ہے صرف اس لیے کہ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ آپ ہی یہ فریضہ ادا کر دیں۔ نیکی سمجھ کے ثواب ہی کما لیں۔"

مجھے لگا اس عمر میں سب کو آخرت سنوارنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے ہی وہ رضامند ہو جائیں۔

"میرے ابو اتنے برے انسان نہیں ہیں۔ بس پتا نہیں کیسے۔۔۔ ہو سکتا ہے کسی کے غلط مشورے پہ ان کے قدم ڈگمگا گئے ہیں۔۔۔ آپ صحیح مشورہ دیں تو سنبھل بھی سکتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بات کھل جانے کی شرمندگی میں باز بھی آ جائیں گے۔ پلیز۔ مدد کر دیں ہنی کی۔ اور دیکھیں۔ آپ نے قسم کھائی ہے اپنے بیٹے کی۔ کہ آپ اس سارے معاملے۔ میں میرا نام نہیں آنے دیں گی۔"

آخر کار میں ان سے بات منوا کے ہی وہاں سے اٹھا۔

☼ ☼

فائزہ افتخار

شہ سلطان

چوتھی قسط

سالار کا ذہن پہلے سے ام ہانی کی باتوں سے الجھا ہوا تھا۔ وہ سعد کے بارے میں اتنی سادگی سے سب بتا رہی تھی کہ وہ چاہ کے بھی اپنی ناگواری یا سخت رد عمل ظاہر نہیں کر پایا تھا مگر یہ تھا جو چبھ رہا تھا۔۔۔ بری طرح سے' اماں کی بات پہ وہ مزید چڑ گیا۔

"یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے اس کی فکر کیوں ستانے لگی۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے۔ ام ہانی اس گھر کی بہو بن کے آنے والی ہے۔ اس کے معاملات ہم سے الگ نہیں

ناول

ہیں۔"

"مگر بہتر ہوگا آپ خود کو ان معاملات سے الگ ہی سمجھیں۔" اس کے تختی سے تنبیہہ کرنے پہ بھی وہ رہ نہ سکیں۔

"سالار۔۔۔ ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ وہ بن ماں باپ کی بچی ہے اس کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا حق اسے ملنا چاہیے۔"

اس پر وہ ٹھٹک گیا۔

"کیا کسی نے آپ سے کہا ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے یا اس کا حق غضب کیا جا رہا ہے۔"

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے۔ کون کہے گا بھلا۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

"تو کیا آپ کو الہام ہوا ہے۔"

"زمانہ بہت خراب ہے اور تم بھول گئے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا۔۔۔ تم کم عمر تھے اور میں جوان بیوہ۔۔۔ لوگ تو تیار تھے ہمیں ہڑپ کرنے کو تیار۔۔۔ وہ بھلے لوگ سہی

۔۔۔ لیکن کسی کی نیت کا کیا پتا۔"

"کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ۔۔۔ وہ لوگ اس کی جائیداد رکھ لیں گے؟ رکھ لیں۔۔۔ اگر ام ہانی چاہے گی تو میں اس کی پائی پائی اسے دوبارہ واپس دلوا دوں گا۔ مگر تب۔۔۔ جب مجھے اس کا اختیار ہوگا۔ ابھی آپ اس معاملے سے دور رہیں اور جو کام آپ کو سونپا ہے صرف وہ کریں۔۔۔ یعنی شادی کی تیاریاں۔"

اس کا بے زار لہجہ بتدریج بدتمیز ہو گیا تو اماں چپ ہو گئیں۔۔۔ مگر جو ٹھان بیٹھی تھیں۔ اس سے پیچھے نہ ہٹ سکیں۔

☼ ☼ ☼

دل میں چور ہو تو انسان ویسے ہی میسنا اور گھنا سا بن کر نظر جھکا کے بیٹھتا ہے بجیسے میں کھانے کی میز پہ اس وقت ان دونوں کی باتوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی سنتا حلق سے نوالے اتار رہا تھا۔

"تم اس ویک اینڈ پہ ام ہانی کو لے کر شہر چلی جانا شاپنگ کے لیے۔"

"بالکل۔۔۔ اور جیولر کو میں نے گھر ہی بلا لیا ہے ہانی پسند کرلے گی۔"

"وہ سادگی پسند ہے۔ میں جانتا ہوں کیا پسند کرے گی مگر تم اس کی پسند کے علاوہ بھی کچھ بھاری زیورات بنوا لینا ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"بالکل مجھے بھی اس بات کا احساس ہے۔ دنیا ہر عمل پہ نظر رکھتی ہے۔ ذرا سی کوئی کسر رہ گئی تو کہیں گے ام ہانی کے ماں باپ زندہ ہوتے تو یہ کرتے۔۔۔ وہ کرتے

"دنیا کی زبان کون پکڑ سکتا ہے مگر مجھے لوگوں سے زیادہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کی فکر ہے.... میں نے کل وکیل کو بلوایا ہے ام ہانی کی ساری پراپرٹی اس کے نام باقاعدہ، مستقل کرنے کے لیے...." میرے کان کھڑے ہوئے۔

"بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ ہم اپنی جانب سے ہی اسے کوئی پراپرٹی گفٹ کریں۔"

شرمندگی کے مارے لقمہ میرے حلق میں پھنس گیا۔

"ضرور کریں.... ہماری اپنی بیٹی ہوتی تو کیا ہم اسے نہ دیتے۔ رضوان آپ کو لوگوں کی پروا ہو نہ ہو.... مگر مجھے ہے۔ میں ڈرتی ہوں جب کوئی ہماری نیت پہ شک کرے یا ہم پہ انگلی اٹھائے۔"

اس سے زیادہ مجھ سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا.... میں کھانا چھوڑ کے وہاں سے اٹھ گیا.... وہ دونوں حیرت سے مجھے جاتا دیکھ رہے تھے۔ شاید پکارا بھی ہو.... مگر

مجھ میں اب اور کچھ سننے کا حوصلہ نہیں تھا میں اندھیرے لان میں آکے بیٹھ گیا۔ جیسے سب سے چھپنا چاہتا ہوں۔ کسی کو نظر نہ آنا چاہتا ہوں۔ مگر اوپر... دور کھلی کھڑکی سے جھانکتی ام ہانی کی نظروں سے کیسے اوجھل رہتا۔

رات بھر اوس میں بھیگنے کے بعد میں برآمدے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ کانوں کے پیچھے دوپٹا اڑستی وہاں نکلی... دیر تک کھڑی مجھے نماز پڑھتے دیکھتی رہتی... جب میں نے دعا کے بعد ہاتھ چہرے پہ پھیرے تو کہنے لگی۔

"ارے واہ... آج تو بڑے اچھے بچے بنے ہوئے ہو، نماز پڑھی جارہی ہے۔ کیا مانگ رہے تھے؟"

"جس سے مانگا ہے اسے پتا ہے۔"

"تمہیں مسجد جاکے پڑھنی چاہیے تھی نماز..."

"مجھے اللہ سے اکیلے میں کچھ بات کرنا تھی۔" میں اٹھ کے اسی سنجیدگی سے جائے نماز تہ کرنے لگا۔

"وہی بات... جو ساری رات باہر اکیلے بیٹھ کر کرتے رہے۔" اس کے سوال پہ میں چونکا... پھر رخ بدل کے ٹال گیا۔ مگر وہ ٹلنے والی تھی۔

"بتاتے کیوں نہیں کہ ہوا کیا ہے؟"

"نہ کچھ ہوا ہے... نہ میں ہونے دوں گا' سمجھیں۔"

تلخ لہجے میں اسے جھاڑ کے میں اندر چلا گیا اور کل کی طرح کمرے میں بند ہو گیا۔ اس وقت تک جب تک مجھے سالار کی اماں کے آنے کی اطلاع نہیں مل گئی۔

☼ ☼ ☼

"بغیر اطلاع کے آنے کے لیے معذرت چاہتی ہوں۔" ایک شرمندگی خجالت اور الجھن کے ساتھ ساتھ ان کے چہرے پہ ایک تذبذب بھی تھا' جیسے وہ ابھی تک شش و پنج کے عالم میں ہوں کہ انہیں یہ بات کرنی چاہیے کہ نہیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ... آپ کا اپنا گھر ہے۔"

امی کھٹک تو گئی ہوں گی ان کے انداز سے مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔ البتہ ابو نے فوراً" اظہار کر دیا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کچھ پریشان ہیں۔"

"پریشان تو نہیں البتہ... میں یہ سوچ کے ہچکچا ضرور رہی ہوں کہ آپ میری بات کا غلط مطلب نہ نکالیں۔"

"آپ کھل کے بات کریں۔" امی... ابو... پھوپھو' تینوں سنبھل گئے۔

"ام ہانی آپ کی بیٹی ہے مگر اب ہمارا بھی اس سے ایک رشتہ جڑنے جارہا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہ حق ہے کہ اس کے معاملات میں... اس کی بھلائی کی خاطر... میرا مطلب ہے..." وہ رک رک گئیں۔

"دیکھیں روپیہ' پیسہ' جائیداد یہ سب بہت بد لحاظ چیزیں ہیں محبتوں اور رشتوں میں دراڑ پیدا ہو جاتی ہے ان سے۔ اگر بروقت ان کے بارے میں فیصلہ نہ کر لیا جائے۔" امی اور ابو دونوں ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔" انہوں نے وضاحت چاہی۔

"ام ہانی کو اپنے والدین سے ورثے میں جو بھی ملا ہے" آپ لوگوں نے بہت ایمانداری اور خلوص سے اب تک اسے سنبھالا ہے مگر اب وقت آگیا ہے کہ اس کی امانت اسے سونپی جائے۔"

امی ابو تو یقیناً" ایک سناٹے میں آگئے تھے۔ مگر پھوپھو نے واویلا مچا دیا۔

"ہائے اللہ... تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے شادی سے پہلے ہانی کی ساری جائیداد آپ کے حوالے کر دی جائے... غضب خدا کا۔" پھوپھو کی آواز باہر مجھ تک با آسانی آرہی تھی۔ اور میں دعائیں کر رہا تھا کہ اونٹ اسی کروٹ بیٹھے جس کروٹ میں چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں... ہمارے حوالے کیوں خدانا خواستہ... ام ہانی کی چیز ہے اس کے حوالے کریں۔" وہ گڑبڑا

کے وضاحت دینے لگیں۔

"ایک ہی بات ہوئی۔۔۔ لے کر تو وہ آپ کے گھر آئے گی۔ اتنا اتاؤلا پن۔۔۔ ہم کونسا کھا جانے والے تھے اس کا حق۔"

"مہ پارہ۔۔۔ خاموش رہو۔" ابو کے ڈپٹ کے چپ کرانے پہ بھی وہ تلملاتی رہیں۔

"بھائی صاحب۔۔۔ اچھا ہوا ان کی نیت وقت پہ سامنے۔۔۔"

"میں نے کہا ناں مہ پارہ۔۔۔ خاموش۔" اور پھر واقعی ایک خاموشی چھا گئی۔ اندر جانے کی میری ہمت نہیں ہو رہی تھی اور اب باہر تک کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں بے چینی سے تپتی گھاس پہ ٹہل رہا تھا۔ اندر سے سالار کی اماں کو نکلتے دیکھ کر میں اوٹ میں ہو گیا۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے اندر کے ماحول کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔۔۔ مگر دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے انہوں نے چادر آگے تک کھینچ رکھی تھی۔ لاچار مجھے ان کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہی اندر آنا پڑا تاکہ صحیح صورت حال جان سکوں' امی ابو اسی سکتے اور افسوس کے سے عالم میں تھے جبکہ پھوپھو بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"کمال ہے۔۔۔ اتنی بڑی بات پی گئے آپ لوگ۔۔۔ اور انہیں کورا سا جواب دینے یا آئینہ دکھانے کی بجائے تسلی دے کر روانہ کر دیا۔"

"شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور وہ بھی بیس دن بعد کی۔ ایسے میں کسی قسم کی بدمزگی کا مطلب جانتی ہو تم۔۔۔ مہ پارہ؟"

"اور جو انہوں نے کہا اس کا مطلب جانتے ہیں آپ۔۔۔ ان کی نظر ہانی کی دولت اور جائیداد پہ ہے۔۔۔ ارے کیسے خاندانی لوگ ہیں یہ' انہوں نے تو اتنا ہلکا پن دکھلا دیا۔ ابھی سے یہ حال ہے تو بعد میں کیا کریں گے۔"

"لیکن یہ بھی تو دیکھو مہ پارہ۔۔۔ ہانی کا جو ہے اسے ہی دینا ہے۔" امی کی بات کو پھوپھو نے مکھی کی طرح ہوا میں اڑا دیا۔

"ہاں۔۔۔ مگر' کوئی اپنے منہ سے تو نہیں مانگتا۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں۔"

"نہیں اب بالکل بھی وقت نہیں ہے۔" ابو نے قطعی لہجے میں کہا اور میں آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ یہی خطرہ تھا مجھے۔۔۔ اور وہ بھی ابو کی جانب سے ہی۔

"دنیا کو کیا کہیں گے ہم کہ انہوں نے ہانی کی جائیداد اس کے نام کرنے کا کہا تو ہم نے رشتہ توڑ دیا تاکہ لوگ سمجھیں ہم واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتے اور کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ جو بھی دوسرا رشتہ آیا وہ ہر طرح کے لالچ سے مبرا ہو گا۔"

میں مدد طلب نظروں سے پھوپھو کو دیکھنے لگا۔ ان کا ہی آسرا تھا۔ امی تو اپنے سرتاج کی زبان بول رہی تھیں۔

"بیٹی کا رشتہ تو ایک رسک ہی ہوتا ہے۔ لینا پڑتا ہے آگے ہماری دعائیں اور اس کا مقدر بس تم سے ایک درخواست ہے بلکہ ہاتھ جوڑتی ہوں کہ دادا جی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ ان کی ضد کے آگے ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔۔۔ وہ اس عمر میں ہیں کہ زیادہ سوچ بچار نہیں کر سکتے۔ بس جذباتی فیصلہ صادر کر دیں گے فوراً"۔ تم اپنا حال دیکھو' ان کی ضد کی وجہ سے تم بیٹھی رہ گئیں کسی کا کیا گیا۔" ہمیشہ کی طرح اس آخری بات نے پھوپھو کی زبان بند کر دی۔

"بلکہ ام ہانی سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بچی کا دل برا ہو گا۔"

میں پیر پٹختا اپنے کمرے میں جانے لگا۔ تیسرا دن تھا' مجھے کمرے میں خود کو سارا دن بند کیے۔۔۔ سب کے دل میں الٹے سیدھے وسوسے تو آنے ہی تھے۔ مگر آج امی ابو اور پھوپھو کے دل میں پہلے سے اتنے وسوسے تھے کہ انہیں فرصت ہی نہ ملی' میرے تیور پہ غور کرنے کی۔ ایک ہنی تھی جو وقفے وقفے سے آ کے دستک دیتی اور پکارتی اور پھر مایوس ہو کے لوٹ جاتی تھی۔ رات گئے مجھے بھوک نے ستایا تو میں دبے پاؤں نکلا اور ہال کے اندھیرے کونے سے گزرتے گزرتے امی ابو کی آواز سن کے رک گیا۔

"یہ دنیا ہے رضوان' یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔" امی کی آواز میں افسوس تھا۔ دکھ تھا بے یقینی تھی۔
"مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا ہے نائلہ۔" اور ابو ان کی آواز میں تو اتنا کرب تھا کہ میں لرز کے رہ گیا۔
"میری نیت اور خلوص پہ شبہ کیا گیا ہے نائلہ... اور وہ بھی بیٹی کے معاملے میں' کیا میں اتنا کم ظرف ہوں کہ اپنی ہی بچی کے ساتھ..."
"دل پہ نہ لیں رضوان۔ خدا جانتا ہے آپ کی نیک نیتی کو۔"
"ہاں... مگر میں نے خود کو آج سے پہلے کبھی کمزور اور بے بس محسوس نہیں کیا ٹوٹ گیا ہوں اندر سے۔"

ان کی بات پہ۔ میں نے اپنے اندر بھی کچھ ترخ سے ٹوٹتے محسوس کیا... کچن تک جاتے قدم واپس موڑ کے میں لان میں چلا آیا۔ کمرے میں جاتا تو شاید گھٹن سے دم نکل جاتا میرا۔
"ابو آئم سوری' آئم سوری ابو۔" آنسوؤں میں بھیگی آنکھیں بند کیے میں نے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہا۔
"کیا کیا ہے تم نے سعد۔"
پتا ہی نہیں چلا۔ کب بنی میرے ساتھ آکے بیٹھ گئی تھی' میں نے گردن موڑ کے دیکھا اور اس کی چبھتی نظروں سے بچنے کے لیے رخ پھیر لیا۔
"کچھ نہیں... کچھ بھی نہیں میں نے کیا کرنا ہے۔"
"جھوٹ مت بولو۔" وہ رعب سے مجھے لتاڑ گئی۔
"میں تمہارے سب انداز پہچانتی ہوں سعد۔"
"بکواس' تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں' نہ جاننے کی اہلیت ہے تم میں۔"
"کچھ تو کیا ہے تم نے... جسے چھپا بھی رہے ہو اور اس پہ پچھتا بھی رہے ہو... کہہ دو گے تو دل ہلکا ہو جائے گا۔"
"نہیں بتاؤں گا۔" میں نے روٹھی نظروں سے اسے گھورا اور اس نے غصہ سے۔

"سعد... بتاتے ہو یا لگاؤں ایک؟"
"میری دادی بننے کی کوشش نہ کرو... میں تمہارا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔"
"دوست تو ہو..." وہ مسکرا دی۔
"اور میں جانتی ہوں۔ بے وقوفی اور جلد بازی میں تم بہت سی الٹی سیدھی حرکتیں کر جاتے ہو اور پھر نادم بھی ہوتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ... کیا رزلٹ اچھا نہیں آیا۔ چھپایا ہے تم نے؟"
اس نے بڑی ہمدردی سے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھا... مگر میں اس کے الٹے سیدھے اندازوں پہ چڑا بیٹھا تھا۔ ہاتھ جھٹک دیا۔
"سعد مجھے بتا دو گے تو میں تمہیں ڈانٹ سے بچا لوں گی۔"
"کیوں؟ تم گارڈین ہو میری... میری گارجین ہو؟" میرے دھاڑنے پہ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

☼ ☼ ☼

"میں... مگر میں کیوں؟" سالار ریسیور کان سے لگائے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔
"اگر آپ نے اپنے لائر کو بلایا ہے اپنے ایک ضروری کام سے تو میرا ہونا کیوں ضروری ہے۔"
اس کے استفسار پہ رضوان کو اسے ساری بات تفصیل سے بتانا ہی پڑی۔ دوسری جانب ایک گہری خاموشی تھی اور پھر کھٹ سے فون بند۔ انہوں نے فون رکھتے ہوئے ایک سانس بھر کے کہا۔
"سالار کو بھی بلا لیا ہے میں نے' یہ قدم اٹھانا تو ہے ہی۔ مگر وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے کہنے پہ کر رہا ہوں' وکیل کے سامنے ان کے علم میں آجانا چاہیے کہ میں تقریباً" سب کارروائی پہلے سے کر چکا ہوں۔"
"صحیح کہا آپ نے... انہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ ہم نے تو اپنی پراپرٹی میں سے بھی ام ہانی کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔" اتنے میں سالار کو آتے دیکھ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"السلام علیکم۔" تیور کی طرح اس کا لہجہ بھی خشک اور سرد تھا۔

"آؤ بیٹا۔۔۔ میں تمہارا ہی ویٹ کر رہا تھا۔۔۔ اعظمی صاحب بھی آنے ہی والے ہوں گے۔۔۔ بیٹھو۔"

"میں بیٹھنے نہیں آیا اور آپ اپنے وکیل کو بھی آنے سے منع کر دیں تو بہتر ہے۔ بلاوجہ آپ کا اور ان کا وقت ضائع ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں کسی قسم کی وضاحت نہیں دوں گا کہ اماں نے یہ بات آپ سے کیوں کی۔۔۔ کیا مقصد تھا ان کا۔۔۔ مگر میں اپنی بات کہوں گا میں سالار اعظم اس بات سے انکار کرتا ہوں اگر ام ہانی میری زندگی اور میرے گھر میں آئے گی تو اپنے والد کا تمام ترکہ اس حویلی میں چھوڑ کے آنا ہو گا۔" اس کے لہجے میں پتھریلی سی جنونیت تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو سالار۔۔۔ تم بیٹھو تو سہی۔ آرام سے بات کرتے ہیں۔ ابھی تم جذباتی ہو رہے ہو۔"

"میں جذبات کو کبھی ساتھ لے کر نہیں چلتا۔ جذباتی فیصلے ناپائیدار ہوتے ہیں اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ اگر ہانی کو یہ جائیداد عزیز ہے تو اسے میری امید ترک کرنا ہو گی۔" اس نے فیصلہ کن نظروں سے سامنے ہکا بکا کھڑی ام ہانی کو دیکھا۔

"یہ کوئی ایشو نہیں ہے بیٹا۔۔۔ جس پہ تم بگڑ گئے۔۔۔ یہ ام ہانی کا حق ہے۔ جو اسے کل یا آج ملنا ہی ہے۔"

"کیا آپ کو لگتا ہے میں اس کے کسی بھی حق کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں؟" اس نے پلٹ کے سوال کیا۔

"ایسا نہیں ہے۔۔۔ مگر۔"

"یا ام ہانی کو اندیشہ ہے کہ میں اس کی ذمہ داری ٹھیک سے نبھا نہیں سکوں گا اس لیے وہ جائیداد کی بیساکھیاں لے کر آنا چاہتی ہے۔"

"سالار تم بات کو الجھا رہے ہو بیٹا۔"

"نہیں میں وہ مسئلہ سلجھا رہا ہوں جو اماں نے الجھا دیا تھا۔ یہ تو طے ہے کہ ام ہانی میرے گھر خالی ہاتھ آئے گی۔ رہا اس کا حق تو آپ اسے وہ تب دیجیے گا جب میں نہ رہوں۔ کم از کم میری زندگی میں یہ ممکن نہیں۔"

"سالار۔۔۔" ام ہانی تڑپ اٹھی تھی۔

اور پھر رضوان اور نائلہ کو دیکھتے ہوئے نظر جھکا کے بولی۔

"اس جائیداد اور دولت کی ضرورت مجھ سے زیادہ ہمارے ٹرسٹ اسکول اور اسپتال کو ہے۔۔۔ میں اسے وہاں دینا پسند کروں گی۔" سالار کے ہونٹوں پہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ آگئی۔

"سن لیا آپ نے اس کا فیصلہ۔"

"اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" نائلہ نے بے بسی سے کہا۔

"شکریہ۔" وہ جانے کے لیے مڑا۔۔۔ اور پھر رک کر دوبارہ کہنے لگا۔

"ایک اور بات۔۔۔ میں چاہتا ہوں شادی تین ہفتے بعد کے بجائے اگلے ہی جمعے کو ہو۔"

"کیا۔۔۔ مگر اتنی جلدی؟ صرف پانچ دن ہیں درمیان میں۔"

"کچھ مسئلہ نہیں ہے۔ میں ویسے بھی سادگی کا قائل ہوں اور شادی تو ہے ہی ایک پرسنل معاملہ اس میں سینکڑوں افراد کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگلے جمعے میں نکاح کے لیے چند قریبی لوگوں کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گا۔" وہ حتمی انداز میں کہہ کر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

میں مسجد سے بھاگا آ رہا تھا سالار کے آنے کا سنتے ہی مگر حویلی کے گیٹ پہ ہی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔۔۔ چند لمحے کے لیے ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل سرد نگاہوں کا تبادلہ کرتے رہے اس وقت کوئی پاس تو تھا نہیں جو میں مروت کے مارے اس کا لحاظ کرتے ہوئے سلام دعا ہی کر لیتا۔ میری نظروں میں اس کے لیے جو بھی تھا وہ یقیناً خوشگوار نہیں ہو گا مگر اس کی نظروں میں میرے لیے۔ جو حسد، رقابت اور جھلسا دینے والی کیفیت تھی اس کی وجہ جاننے سے میں قاصر تھا۔

پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ کے اس طرف کھڑی اپنی سرکاری گاڑی کی جانب بڑھا اور میں اندر۔۔۔

"کوئی تک ہے بھلا۔"

اندر مہ پارہ پھوپھو جلی بیٹھی تھیں اور امی پریشان۔

"صرف پانچ دن ہیں جمعے میں اتنی جلدی شادی کی تیاریاں سالار نے بھی حد کر دی۔" اور میرے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔

"بھابھی آپ لوگ بھی تو اس کے سامنے ایسے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں کہہ دیتے کہ شادی مقررہ تاریخ کو ہو گی۔"

"بھئی میں ان معاملات میں بالکل کورا ہوں۔۔۔ پہلی بار ایسا فرض نبھانا پڑ رہا ہے۔"

ابو جھنجلا اٹھے۔

"ڈرتا ہوں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو جائے اور کوئی اونچ نیچ۔۔۔ میں یہ تاثر کیسے دوں کہ ہم اتنے گئے گزرے ہیں کہ ایک ہفتے میں شادی کے انتظامات تک نہیں کر سکتے۔"

"مگر میں اکیلی۔۔۔ یہ سب ہو گا کیسے؟"

امی کی پریشانی میں ڈوبی آواز بہت دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ میں بے جان قدم گھسیٹتا اپنے کمرے کی جانب جانے لگا۔

"واہ بھابھی۔۔۔ کیسے خود کو اکیلی کہہ کر مجھے کنارے سے لگا دیا۔ جیسے میں تو کچھ ہوں ہی نہیں۔"

"چلو تم دونوں اصل مسئلے کو چھوڑ کے اب اپنی بحث شروع کر دو۔" ابو نے دونوں کو ڈپٹ کے چپ کرایا تھا اور شاید۔۔۔ شاید مجھے پکارا بھی تھا مگر میرے کمرے کا دروازہ ایک بار پھر بند ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اماں پہ گھبراہٹ اور خوف دونوں طاری تھے۔ سالار تھا ہی اتنا غصے میں۔

"آپ نے زندگی کے ہر موڑ۔۔۔ ہر قدم پہ مجھے مایوس اور شرمندہ ہی کیا ہے۔"

"سالار۔۔۔ میں نے۔۔۔ میری نیت تو صرف اتنی تھی کہ۔۔۔" انہوں نے کہنا چاہا مگر سالار نے بات کاٹ دی۔

"بس۔۔۔ کچھ نہ کہیں۔۔۔ میں سب جانتا ہوں آپ نے یہ سب کس لیے کیا۔ آپ چاہتی تھیں اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے قدم جمے ہوں۔۔۔ آپ خود کبھی مجھ پہ حاوی نہ ہو سکیں۔ اس کے بدلے آپ اسے مجھ پہ حاوی دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"سالار۔۔۔" وہ اس درجہ بدگمانی پہ دنگ رہ گئیں۔

"میں ماں ہوں تمہاری۔۔۔ میں ایسا کیوں چاہوں گی بھلا۔"

"آپ نے آج تک جو بھی کیا ہے۔ کیا اس کی کوئی وجہ ہے آپ کے پاس؟" اور غصے میں ٹیبل کو ٹھوکر مارتا آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

مجھے شعیب کے علاوہ کون ملتا جس کے سامنے میں اپنی حالت بیان کرتا۔

"شعیب جو کرتا ہوں الٹا ہو جاتا ہے ایسا لگتا ہے قسمت کے ہر چکر میں بس میں لپیٹا جا رہا ہوں۔ جتنا سالار سے اس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تقدیر ان کو اور بھی پاس لے آتی ہے۔ اب تو مجھے اپنی دعاؤں پہ بھی بھروسا نہیں رہا شعیب۔"

شعیب نے جواب میں کچھ کہا تھا۔ مگر اس کی آواز باہر سے آتی ڈھولک کی تھاپ اور گیتوں کی آواز میں دب گئی۔

"یہ پیلا جوڑا۔۔۔ یہ ہری ہری چوڑیاں۔" میرے ہاتھ مردہ سے ہو گئے۔ اور فون پھسل کے گود میں آ گرا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہنگامہ ہے بھئی۔"

مہ پارہ جوڑے میں بال لپیٹتی ہال میں نکلی۔ جہاں حویلی کی سب ملازمائیں سلمٰی کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھیں گیت الاپ رہی تھیں اور سلمٰی کے سانولے ہاتھ دھپا دھپ ڈھولک پہ پڑ رہے تھے۔

"سوچا تھا۔۔۔ شادی سے ہفتہ پہلے ڈھولک رکھوں گی۔ اب اتنے دن رہے نہیں تو سلمیٰ کو بٹھا دیا ڈھولک پہ۔۔۔ کل سے بلواتی ہوں۔ آس پڑوس اور برادری کی بچیوں کو۔۔۔ سب رشتے داروں کو اب فون پر ہی مدعو کرنا پڑے گا۔۔۔ خود جا کے کیسے دعوت دیں اور بہت سے کام بھی تو ہیں۔"

"ہونہہ۔۔۔ یہ سوچیں رشتے داروں کو وجہ کیا بتائیں گے اتنی "آنا" "فانا" شادی کی؟"

مہ پارہ نے نائلہ کے اطمینان کو فکر میں جھونکنا چاہا۔

"یہ کام رضوان کے سپرد۔ اور تو رک کیوں گئی سلمیٰ بجا۔۔۔ اور جا کے اور بھی لڑکیوں کو بلا کے لاؤ شادی والا گھر ہے پتا چلنا چاہیے۔"

"بابل تیرے محلاں وے رنگلے بوہے۔"

سلمیٰ کی چنچل آواز مہ پارہ کو اداس کر گئی۔ اس نے جوڑے میں سے باہر نکلی لٹ کو پیچھے اڑسا۔۔۔ جس میں بہت سے سفید بال اب صاف جھلکنے لگے تھے' وہ بوجھل قدموں سے پلٹنے لگی۔

بابل تیرے محلاں دے رنگلے بوہے۔۔۔

تے وچوں میری ڈولی لنگھی

"ساڈا چڑیاں دا چنبا اے۔۔۔

بابل اساں۔۔۔ اڑ جانا۔

سلمیٰ کی کراری آواز کانوں کے پردے چیرے دے رہی تھی۔ ام ہانی کے کمرے کے کھلے دروازے کے پاس رک کر میں نے دیکھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ اپنی چوڑیوں سے کھیلتی۔۔۔ ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے۔۔۔ میرے قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھے اور دروازہ بند ہونے پہ سلمیٰ کی آواز اور ڈھولک کی تھاپ مدھم ہوئی تو وہ چونک کر مڑی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کی خوشی دگنی ہو گئی۔

"نکل آئے ناں تم کمرے سے۔۔۔ میں جانتی تھی اب تمہاری خفگی زیادہ دیر چل ہی نہیں سکے گی۔" میں کھنچتا چلا گیا اس کی جانب۔

"دیکھو ناں۔۔۔ سعد میرے ہاتھوں میں یہ چوڑیاں کیسی لگ رہی ہیں۔" اس نے کلائی میرے سامنے لہرائی۔

"زہر لگ رہی ہیں۔" میں نے دل کی بات کہی۔۔۔ سچی بات۔

"تم بہت برے ہو۔" وہ پھر سے خفا ہو گئی۔

"مجھے پتا ہی نہیں تھا ہنی کہ میں تمہیں اتنا برا لگتا ہوں۔" میرے لہجے میں درد تھا اور وہ میرے ہر درد کو محسوس کرنے والی جانے کب سے اتنی بے حس ہو گئی تھی۔

"لگتے نہیں تھے۔۔۔ اب بھی نہیں لگتے۔۔۔ مگر تم ہو گئے ہو برے۔ کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ کیوں اکھڑے اکھڑے کٹے کٹے اور کترائے کترائے رہتے ہو۔۔۔ ملتے بھی ہو تو جلی کٹی باتیں کرتے ہو۔ پتا ہے تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے میں اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی کو ٹھیک سے محسوس بھی نہیں کر پا رہی۔"

"تم اس لیے اس خوشی کو محسوس نہیں کر پا رہی تھیں۔۔۔ کیونکہ تم خوش ہو ہی نہیں۔"

"میں خوش کیوں نہیں ہوں گی' یہ شادی میری مرضی سے ہو رہی ہے۔"

"لیکن میری مرضی تو نہیں ہے ناں اس میں اور تمہیں تو عادت ہے میرے ساتھ رونے کی' میرے ساتھ ہنسنے کی تو جب میں خوش نہیں ہوں تو تم خوش کیسے ہو سکتی ہو۔"

"یہ تو میں بھی تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم خوش کیوں نہیں ہو۔ کیسے دوست ہو تم۔" وہ بگڑ گئی میرے سچ پہ۔

"بولو ناں۔۔۔ ایسے کرتے ہیں دوست؟ ایسے ہوتے ہیں۔"

"میں اس لیے خوش نہیں ہوں کیونکہ۔۔۔ کیونکہ میں دوست نہیں ہوں ہنی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔۔۔ بے یقینی تھی۔

بابل اساں اڑ جانا۔۔۔

ساڈا چڑیاں دا چنبا۔۔۔

ہم دونوں کے خاموش ہوتے ہی سلمیٰ کی گراری آواز پھر سے ماحول پہ حاوی ہونے لگی۔ ہنی کو نجانے کیا ہوا... مجھے دیکھتے دیکھتے وہ اچانک گھبرا کے مجھ سے کترا کے وہاں سے جانے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور باقاعدہ گڑگڑا ہی اٹھا۔

"ہنی... مت کرو ایسا... نہ کرو یہ شادی۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟" وہ وحشت زدہ سی ہو کے اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔

"ہو جاؤں گا... بہت جلد لیکن بچ بھی سکتا ہوں۔ اگر تم چاہو۔"

"تمہارا تو پتا نہیں... مگر تمہاری ان الٹی سیدھی باتوں سے میں ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔"

آخر اس نے غصے سے اپنا ہاتھ مجھ سے چھڑا لیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ پھر سے کھلا رہ گیا... اور سکوت سے سلمیٰ کی آواز راج کر رہی تھی۔

ساڈی تبی اڈاری اے ...

اساں ہن نئیں آنا ...

☆ ☆ ☆

"یہ والا بچے تلے کا ہے... سونے کے تار سے گندھا... اب کہاں ہوتا ہے ایسا کام... دیکھو تو۔"

ام ہانی کا دھیان کسی جانب جا ہی نہیں رہا تھا۔ سوائے اس پہیلی کے جو اس کے دل و دماغ میں کھلبلی مچا رہی تھی۔ وہ کسی کی سن کے بھی نہ سن پا رہی تھی۔

"اماں جان نے یعنی تمہاری دادی نے بڑے چاؤ سے بنوا کے رکھا تھا یہ حویلی کی بیٹی کے لیے ایسا ہی جوڑا بنتا ہے ہمیشہ... مہ پارہ کے نصیب میں تو تھا نہیں... اب میں اسے تمہارے ناپ کا بنوا دیتی ہوں۔" وہ اسی بے دھیانی میں ہلکے سے اس دوپٹے کو چھو کر رہ گئی۔

"کیا ہوا ہانی، مہ پارہ نے تو دل جلانے والی کوئی بات نہیں کر دی؟ اسے بھی ذرا لحاظ نہیں کہ تم چند دن کی مہمان ہو۔"

"نہیں تائی اماں... ایسا کچھ نہیں ہے۔"

وہ سنبھل سی گئی۔ ویسے بھی صبح سے گھر میں مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ دور پرے کے قریبی سب عزیز و اقارب کی سواریاں وقفے وقفے سے اتر رہی تھیں۔ ایسے میں اس کے کھوئے کھوئے انداز کو کوئی بھی کسی بھی رنگ میں لے سکتا تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کے خالہ بتول... جو رشتے میں تو دادی لگتی تھیں۔ مگر پچھلی نسل کی دیکھا دیکھی یہ نسل بھی ان کو خالہ کہتی تھی اور تو اور ان کا سگا پوتا علی بھی... ان کی تو ویسے بھی سب پہ نظر ہوتی تھی... کل سے دس بار تو مہ پارہ پھوپھو کو کچوکے دے چکی تھیں کہ سگی بھتیجی کی شادی پہ منہ پھلائے پھر رہی ہے اور... وہ سلمیٰ... نیاز ماموں کی اکلوتی پٹاخا کتنی عادت ہے اسے سوال کرنے کی... یہ کیا؟ وہ کیوں؟ تو یہ...

"اچھا... اب یہ زیور بھی دیکھ لو۔"

"اوفوہ... یہ تو بہت بھاری ہے تائی اماں۔"

"ہاں... اب سب تمہاری پسند کے ہلکے پھلکے تو نہیں رکھنے۔" میں نے سیڑھیاں اترتے ہوئے بے زاری سے ہال کے پھیلاوے پہ نظر دوڑائی۔ جسے شاید وہ سب رونق اور ہنگامے کا نام دے رہے تھے۔

"سعد... باہر مت نکلنا۔"

امی نے زیورات کے ڈبے جلدی سے بند کرتے ہوئے مجھے پکارا۔

"اڑے اڑے پھرتے ہو سارا دن... یہ نہیں کہ پوچھ ہی لو کہ کوئی کام ہے؟"

"جی... کوئی کام ہے؟"

میں نے مارے باندھے وہیں کھڑے کھڑے کہا... ایک ناراض سی نظر ہنی پہ ڈالی... اس کی نظر میں مجھ سے زیادہ ناراضی تھی۔

"بالکل ہے... تم نے اپنے ابو اور نیاز ماموں کے ساتھ سالار کے ہاں جانا ہے۔"

مجھے تو آگ ہی لگ گئی سن کر۔

"کس خوشی میں؟"

"سالار کا ناپ لینے۔"

"کس چیز کا ناپ، چوڑیوں کا؟"

میں مزید تپ کے بولا تو جہاں ہانی نے نظروں سے

آگ برسائی وہاں امی نے بھی دھپ لگادی۔
"چپ' بدتمیز شیروانی کا ناپ لینے اور یہ تو رسم ہے کہ اس کے لیے گھر کے سب مرد جاتے ہیں۔"
"تو سمجھیں میں مرد ہی نہیں ہوں۔"
جز بز ہو کے میں نے انتہائی بے تکی بات کر ڈالی جس پہ ام ہانی باوجود خفگی کے بے ساختہ ہنس پڑی۔۔۔ میں نے فوراً" اس کے چہرے سے نظر ہٹائی' کہیں یہ ہنی میرا غصہ نہ کم کردے۔
"میرا مطلب ہے میں نہیں جا سکتا ایسی بے کار سڑی ہوئی رسموں کے لیے آپ اندازے سے لے لیں۔ ایکسٹرا لارج۔"
چبا چبا کے میں نے جتایا۔ وہ ہنستے ہنستے پھر گھورنے لگی۔ خالہ بتول کا چہیتا بلو نگڑا علی فوراً" نمبر بڑھانے لپکا۔ یہ بچپن کی عادت تھی اس کی۔۔۔ خبیث۔
"آپ فکر نہ کریں آنٹی۔۔۔ میں چلا جاتا ہوں انکل کے ساتھ کوئی اور کام ہے تو بتائیں۔"
"جیتے رہو بیٹا۔۔۔"
"ارے یہ بھی کوئی بات ہے۔"
وہ میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے خوامخواہ فری ہونے لگا۔ یہ بھی بچپن کی عادت۔۔۔ بلاوجہ چپکو ہونے کی۔
"ویسے بھی سعد کوئی اکلوتا بھائی تو ہے نہیں ہانی آپی کا۔۔۔ میں بھی تو ہوں۔"
اس بری طرح اس کا ہاتھ میں نے اپنے کاندھے سے جھٹک کے اسے پرے دھکیلا کہ امی ہائیں۔۔۔ ہائیں کرتی رہ گئیں۔
میرا سب تلملانا۔۔۔ سارا احتجاج بے کار گیا جانا پڑا مجھے ابو اور ماموں کے ساتھ 'سالار کا ناپ لینے۔۔۔ اور وہ چپکو علی حسب عادت ساتھ ساتھ چپکا ہوا۔۔۔ کسی کو احساس نہیں ہو رہا تھا کہ میرے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔ جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا میرا دل کٹ رہا تھا اور سب اس کاٹ پیٹ میں اس چیر پھاڑ میں اپنا اپنا حصہ ڈال رہے تھے۔
نہ چاہتے ہوئے بھی ڈیڑھ گھنٹے بعد میں سالار کے گھر میں اس کے سامنے تھا۔ نہ صرف ساتھ جانا بلکہ اس کا ناپ لینے کی منحوس ذمے داری بھی مجھے سونپی گئی' علی مزے سے بیٹھا چائے میں بسکٹ بھگو بھگو کے کھا رہا تھا۔ ماموں اور ابو' سالار کی اماں کو بور ترین خاندانی قصے سنا رہے تھے اور سالار۔۔۔ وہ تن کے میرے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ دونوں بازو پھیلائے ایسا لگتا تھا جیسے وہ زندگی میں کبھی بھی نہیں مسکرایا تھا اور اگر کبھی مسکرانے کی زحمت کرے گا تو چہرے پہ یہاں سے وہاں شکنیں پھیل جائیں گی۔۔۔ نہیں' بلکہ شکنیں بھی نہیں۔۔۔ دراڑیں جیسے پتھر میں پڑتی ہیں۔
پتھر سے دل لگا تا تھا تمہیں ہنی۔۔۔ خود جو پتھر ہو۔
"اب وہ والا بازو بھی آگے کریں سالار صاحب۔"
دل پہ پتھر رکھتے ہوئے میں نے کہا تو ابو نے فوراً" ٹوکا۔
"یہ سالار صاحب کیا ہوتا ہے۔ سالار بھائی کہو۔"
"بلکہ دولہا بھائی۔"
علی نے آٹھواں بسکٹ چائے میں بھگوتے کہا۔
"ابھی بنے کہاں ہیں یہ دولہا۔۔۔ جب بنیں گے تو دیکھیں گے۔" میرے لہجے میں جو چیلنج تھا۔ شاید اسے صرف سالار نے ہی محسوس کیا۔ اس لیے اسی وقت پوچھ بھی لیا۔
"یہ چیلنج ہے۔۔۔ یا وارننگ؟"
میں جواب دینے کے بجائے سرد نگاہ ڈال کے اب اس کی گردن کا ناپ لینے لگا اور جان بوجھ کے گردن کے گرد فیتہ ذرا کس دیا۔ سالار نے میرے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹائے۔
"رہنے دو۔۔۔ تمہارے بس کی بات نہیں' بڑا حوصلہ چاہیے اس کے لیے۔"
"ناپ لینے کے لیے؟"
"نہیں میرے گریبان تک ہاتھ ڈالنے کے لیے۔"
اگرچہ بڑا کرارا جواب تھا میرے پاس۔۔۔ پھر بھی ابو کی تنبیہہ بھری نظروں کا لحاظ کرتے میں چپ رہا۔
گھر واپسی پہ میری حاضری ہوئی دربار میں۔۔۔
"بہت بدتمیز۔۔۔ بدلحاظ اور زبان دراز ہو گئے ہو تم

۔۔۔ کتنی بے مقصد بکواس کی تم نے سالار کے سامنے اگر وہ مائنڈ کر جاتا تو؟"
"تو کیا کیوں نہیں؟"
میں نے تڑپ کے کہا۔ جس پہ مزید ڈانٹ پڑی۔
"شٹ اپ۔۔۔ نالائق۔۔۔ مذاق کا کوئی وقت ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ مذاق کس سے کیا جا رہا ہے۔ وہ ایک سوبر ڈیسنٹ اور سنجیدہ مزاج انسان ہے۔ خبردار جو تم آئندہ اس کے سامنے اوور ہوئے تو۔"

میں سر جھکائے جھاڑ کھاتا رہا۔۔۔ علی نے نمک مرچ لگا کے سارا قصہ سب کے سامنے دہرا دیا تھا۔۔۔ ایسا کیسے ہوتا کہ ہنی تک بات نہ پہنچتی۔۔۔ ابو سے جان بچا کر نکلا تو وہ راستہ روکے کھڑی تھی۔
"راستہ دو مجھے۔۔۔"
میں بے رخی سے کہہ رہا تھا۔۔۔ اس کا چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔ ذرا جو اس پہ میری ناراضی اور بے کلی کا اثر ہوا ہو ۔۔۔ وہ اپنی ہی خوشیوں میں مگن تھی۔۔۔ مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔
"اوہو۔۔۔ بڑی بے تابی ہے' لگتا ہے ببلی سے ملنے جا رہے ہو۔۔۔ تبھی۔"
"یہ ببلی کہاں سے آگئی درمیان میں۔"
"تائی امی کہہ رہی تھیں اس دن۔۔۔ کہ تمہاری اور ببلی کی جوڑی۔۔۔"
"بکواس۔" میں دھاڑا۔
"اور اس ببلی کو تو میں جان سے مار دوں گا۔"
"بنو مت اب۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے۔ خود اس پہ مرتے ہو۔"
"اور مجھے لگتا ہے سالار کوئی بڑا ہی چھچھورا انسان ہے' جو جس کی کمپنی میں تم بھی ویسی ہی ہو گئی ہو۔"
بس۔۔۔ سالار کا ذکر۔۔۔ وہ بھی اس انداز میں کرنے کی دیر تھی۔۔۔ وہ ہنستے سے اکھڑ گئی ساری مسکراہٹیں غائب۔
"کمال ہے۔۔۔ میں تمہاری بلاوجہ کی ناراضی ختم کرنے کے لیے تمہارے آگے پیچھے پھر رہی ہوں اور تم بدتمیزی کر رہے ہو۔۔۔ لڑنا تو مجھے چاہیے تم سے۔۔۔ پتا چل گیا ہے مجھے کہ تم سالار کے گھر میں ان سے بھی خاصی بدتمیزی کر کے آئے ہو۔"
"ہاں تو؟ کر کے آیا ہوں پھر۔"
"شرم کرو۔۔۔ بڑے ہیں وہ تم سے۔"
"پتا ہے۔۔۔ اور صرف مجھ سے ہی نہیں۔ تم سے بھی خاصے بڑے۔۔۔"
"سعد۔۔۔" وہ احتجاجاً چلائی۔
"ہٹو پرے۔" میں بدتمیزی سے اسے سامنے سے ہٹا کے نکل گیا۔
بڑے دادا کے کمرے میں ابو اور ماموں نجانے کیا مذاکرات کر رہے تھے۔ اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ علی نے بتایا تو تھا۔
نیاز ماموں بڑے شوقین مزاج انسان تھے۔ ابو کے صرف سالے ہی نہیں۔۔۔ کزن اور بچپن کے دوست بھی تھے اس لیے بنا کسی جھجک کے ان سے فرمائش کر دی تھی۔
"رضوان بھائی۔۔۔ کوئی گانے بجانے کا بھی پروگرام رکھا ہے کہ نہیں؟"
"ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں مہندی تو سراسر زنانہ فنکشن ہے۔ ہم یہاں مردانے میں محفل غزل رکھیں گے۔۔۔ اور شادی والے دن بڑے مشہور قوال کو بلایا ہے۔"
"غزل؟۔۔۔ قوال؟" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔
"ہاں۔۔۔ سالار کو بھی غزل کا کافی ذوق اور شغف ہے۔"
"رضوان بھائی۔۔۔ کچھ ہمارے ذوق اور پسند کا بھی خیال کر لیں۔" ابو سمجھ گئے کہ ماموں کی نیت کیا ہے۔
"یار۔۔۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔۔۔ بیٹے کی ہوگی تو سارے چاؤ پورے کر لیں گے۔۔۔ ابھی برا لگتا ہے۔"
"سعد تو ابھی بچہ ہے۔۔۔ اس کی شادی کے وقت ہماری عمر کہاں رہے گی رونق میلے کی۔۔۔ پلیز رضوان بھائی۔"
"یار نیاز۔۔۔ ایک تو تمہاری رنگین مزاجی جوں کی

توں۔۔۔ ٹھیک ہے دادا جی کو منالو۔"

"بھئی۔۔۔ دادا جی کے زمانے سے ہی تو چلا آرہا ہے یہ سب۔ سنا ہے ان کے وقتوں میں تو لکھنؤ اور بنگال سے رقاصائیں آیا کرتی تھیں۔"

اب سارا معاملہ سمجھ آیا۔ یہ دونوں اس وقت اس مشن پہ کام کر رہے تھے۔ میں سیدھا اندر گھسا اور مسنا سا بن کے بڑے دادا کے پیر دبانے لگا۔

"چلو۔۔۔ ہن بک وی دیو۔"

میرے آنے پہ ابو جزبز ہو کے لحاظ اور شرما شرمی میں چپ کر گئے تھے جس پہ بڑے دادا نے ہنکارا بھرا۔۔۔ نیاز ماموں نے مدعا بیان کیا۔

"بس دادا جی۔۔۔ آپ سے ایک اجازت لینا تھی۔۔۔ خوشی کا موقع ہے۔۔۔ وہ بھی اتنے عرصے بعد کوئی ہلچل کوئی ہنگامہ۔۔۔ کوئی رونق ہونی چاہیے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے کوئی کسر نہ چھوڑو۔۔۔ ایسے عالی شان طریقے سے شادی کرو ام ہانی کی کہ سارا زمانہ یاد کرے۔"

"جی۔۔۔ ضرور' ضرور ان شاء اللہ مگر ہم نہیں۔۔۔ نیاز چاہ رہا تھا کہ کچھ نیا۔۔۔ کچھ الگ ہو۔"

"تے فیر مینوں مار دیو۔۔۔ کڑی دے ویاہ والے دن دادے دے قل رکھ لو۔۔۔ سب توں نئی گل۔"

بڑے دادا سے ہی تو لی تھی میں نے کڑواہٹ۔ ان کی بات پہ میں نے بڑی مشکل سے ہنسی روکی۔

"اللہ نہ کرے دادا جی۔ کیسی بد شگونی کی باتیں کر رہے ہیں۔ خدا آپ کو لمبی عمر دے۔ ہمارا مطلب تو تھا کوئی شغل میلہ کوئی۔۔۔ رونق کوئی ناچ گانا۔"

"ہاں تو میراثنیں بلا لو۔" بڑے دادا کی پیشکش پہ نیاز ماموں منہ بنا کے بڑبڑائے۔

"اوں ہوں۔۔۔ اپنی دفعہ لکھنؤ اور بنگال۔۔۔ ہماری دفعہ میراثنیں۔"

"کوئی اسٹینڈرڈ ہونا چاہیے دادا جی۔۔۔ سنا ہے آپ کے زمانے میں مہندی کی رات مردانے میں محفلیں بجتی تھیں۔"

"اچھا۔ تے سدھی طراں بول کہ مجرا کرانا ہے۔"

ان کے صاف صاف کہنے پہ ابو میری موجودگی کی وجہ سے ذرا خجل سے ہو گئے۔۔۔ اور مجھے موقع مل گیا۔

"لاحول ولا بڑے دادا۔۔۔ آپ یہ سب ہونے دیں گے؟ یہ سب۔۔۔ یہ تو غیر شرعی اور غیر اسلامی کام ہیں۔"

"تم اتنے شرعی کب سے ہو گئے برخوردار؟" ابو کو میرے دخل اندازی کرنے پہ تاؤ آگیا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔۔۔ ان سب خرافات کی ضرورت کیا ہے۔ سادگی سے بھی تو ہو سکتا ہے سب کچھ۔۔۔ سنت کے مطابق نہ جہیز۔۔۔ نہ دکھاوا۔۔۔ مسجد میں شربت اور چھواروں پہ نکاح۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا' لوگ کیا کہیں گے؟" ابو میری بے وقت کی راگنی پہ چیں بہ چیں ہوتے گئے۔

"آخر کمشنر آرہا ہے بارات لے کر۔ اسے مسجد میں بٹھا کے چھواروں پہ ٹرخا دیں گے تو دنیا کیا سوچے گی حویلی والوں کے بارے میں۔"

"لیجئے بڑے دادا۔۔۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ' یہ شادی جہیز اور شو شا کے لیے کر رہے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں ایسے لوگوں سے رشتہ جوڑنا ٹھیک ہے؟"

"سعد۔۔۔ یہ کیا بد مزگی پھیلا رہے ہو۔" ابو کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"چپ کر رضوان۔۔۔ جھڑک نہ میرے سعد شہزادے کو' منڈا بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔۔۔ اوئے نیاز رضوان پھڑو قلم' دوات تے کاغذ۔۔۔ لکھو میری وصیت۔"

"وصیت؟" ماموں بھونچکا رہ گئے۔

"آہو۔۔۔ وصیت' نکاح مسجد میں ہوگا۔"

"دادا جی۔"

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور میں زیادہ زور و شور سے ان کے پیر دبانے لگا۔۔۔ ہل ہل کے۔

"آہو۔۔۔ نہ ناچ گانا۔۔۔ نہ شور شرابا نہ جہیز۔۔۔ نہ مہندی بس شربت تے نکاح۔۔۔ تے چھوہارے یہی ہے میری وصیت۔ ایسے ہی ہونا ہے ویاہ۔۔۔ میرے

سعد کا۔"

انہوں نے بات مکمل کر کے محبت سے مجھے دیکھا تو میں سٹ پٹا گیا۔ میرے ہاتھ ان کی پنڈلی پہ جم گئے۔

"مم... میرا؟"

"آہو... اپنے پڑپوتے کا۔ اپنے ولی عہد کا ویاہ میں ایسے ہی کروں گا جیسے وہ چاہتا ہے۔ چاہے دنیا کچھ بھی سوچے تسی لوگ ابھی کر لو اپنے شوق پورے سجا لو مجرے... بس میرے سعد کی شادی برکت والی ہو گی۔ سادگی نال۔"

☆ ☆ ☆

"شکل دیکھنے والی تھی سعد کی... لگتا ہے اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ تائی امی امی کے اور بیلی کے حوالے سے کیا سوچ رہی ہیں۔"

ام ہانی اپنے کمرے میں سالار سے فون پہ بات کر رہی تھی اور حسب سابق وہ سعد کے ذکر پہ الجھن سی محسوس کر رہا تھا۔

"قسم سے بھاگتا ہے وہ بیلی کو دیکھ کر۔"

"اور بھاگ کر کہاں جاتا ہے؟" سالار کے چبھتے ہوئے سوال کو وہ اپنی سادگی میں محسوس ہی نہ کر سکی اور اپنی دھن میں بولے گئی۔

"ویسے میں سوچ رہی تھی... کیسا لگے گا وہ دولہا بن کے؟"

"تمہیں نہیں لگتا اس وقت تمہیں اپنے ہونے والے دولہا کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"ہاں... وہ تو ہے... مگر سعد..."

"کیا تمہارے پاس سعد کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے کرنے کو۔"

بالا خر وہ تلخ ہو ہی گیا تو ام ہانی بھی سنبھل گئی۔

"کمال ہے سالار... میں نہیں بتاتی تو بھی آپ گلہ کرتے ہیں۔ بات کرتی ہوں تب بھی غصہ ہوتے ہیں۔ کیا شادی کے بعد بھی آپ یونہی بلاوجہ مجھے ڈانٹا کریں گے۔"

"ہاں... شاید اس سے بھی زیادہ۔" وہ سنجیدہ تھا۔

گمبھیرتا نے اسے ہلکے پھلکے انداز میں لیا۔

"ارے... آپ مذاق بھی کر لیتے ہیں واہ۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں... ابھی دو تین دن ہیں سوچ لو۔" "اب کے وہ سچ میں رونے والی ہو گئی۔

"پلیز... سالار ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔"

"ابھی سے؟ اچھا سنو۔" اس نے فون میں سرگوشی کی۔

"گھبراہٹ حد سے بڑھ جائے تو کیا کرتی ہو؟" وہ چپ رہی تو خود ہی بولا۔

"رو دیتی ہو؟"

"بس کریں ناں سالار... کیوں ڈرا رہے ہیں مجھے یہ کیا مذاق ہے بھلا۔"

دروازے کے قریب آنے پہ مجھے اس کی روہانسی آواز سنائی دی... میں نے دھڑ دھڑ دروازے پہ دستک دی۔

چند لمحے اندر خاموشی رہی تو میں نے بلند آواز میں کہا۔

"میں ہوں... دروازہ کھولو ہنی۔"

چند سیکنڈ بعد وہ بال جوڑے میں لپیٹتی چہرے پہ حیرت لیے دروازہ کھول رہی تھی اس نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر مڑ کے وال کلاک کو... جو رات کے دو بجا رہی تھی۔

"سعد؟"

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے ہنی۔"

"ابھی؟ مگر... صبح بات کرتے ہیں سعد... ابھی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"دیر ہوئی نہیں ہے... لیکن اگر... میں نے کچھ نہ کہا تو واقعی بہت دیر ہو جائے گی" "ایسی بھی کیا بات ہے۔"

"تم یہ شادی کیوں کر رہی ہو ہنی؟ کیوں؟ کس لیے؟" میں نے لگی لپٹے بنا... بغیر کسی تمہید کے چھوٹتے ہی کہہ دیا۔

"سعد؟" وہ حیران کم ناراض زیادہ ہوئی۔

"سیریسلی ہنی... ایسا کچھ نہیں ہے اس میں... میں ملا ہوں سالار سے... وہ کتنا بڑا ہے تم سے عمر میں اور بہت ہی سڑیل کھڑوس... ایک بار بھی ہنستے نہیں دیکھا میں نے اسے۔" میں ایک ایک کر کے اس کی خامیاں گنوانے لگا۔

"مجھے ہر وقت ہنسنے والے مرد پسند بھی نہیں ہیں۔" میں لمحہ بھر کے لیے چپ ہوا۔ پھر اس کے ہاتھ تھام کے کہا۔

"تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا نہیں بتایا؟"

"یہی کہ تمہیں..."

میں رک گیا... سخت بے بسی تھی کیسے سمجھاتا اسے کہ وہ ایک بار کہتی تو میں عمر بھر کے لیے ہنسنا بھول جاتا صرف اس کے لیے۔

"سعد... تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" اس نے اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑائے۔ جس پہ میں بپھر گیا۔

"میرا مسئلہ یہ ہے کہ تم یہ شادی کیوں کر رہی ہو... مت کرو تم کیسے کر سکتی ہو میرے ساتھ ایسا... سالار کے ساتھ شادی کے بارے میں سوچتے ہوئے تمہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا؟ میرا... میری محبت کا... کبھی سوچا تم نے کہ میں تمہارے بغیر کیا کروں گا؟ کیسے سہ پاؤں گا... کیسے رہ پاؤں گا تمہارے بغیر۔"

وہ حیرت سے میرا چلانا... میری آنکھوں کا ڈبڈبانا دیکھتی رہی۔

"کیوں؟ کس لیے؟ کیا بنے گا میرا؟ کیسے رہوں گا میں تمہارے بغیر تم مجھے چھوڑ کے کیسے..."

میں طیش میں ابل ابل کے چلا رہا تھا کہ ایک دم جھاگ کی طرح ٹھنڈا شانت ہو کے رہ گیا... اس کے دونوں ہاتھ میرے رخساروں پہ ٹھہر گئے تھے۔ میرا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ اب نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"اتنا چاہتے ہو مجھے؟" میں صرف اقرار میں گردن ہلا کے رہ گیا۔

"میں بھی تمہیں بہت پیار کرتی ہوں سعد... بہت زیادہ" میں ہوا میں اڑنے لگا... بنا پروں کے...

"مگر جانا تو ہوگا ناں... نہیں رک سکتی۔"

"مگر کیوں..." میں بڑی تکلیف میں کراہا۔

"تم بچے نہیں ہو سعد... جو سمجھ نہ سکو۔ بھلا میں ساری عمر یہاں کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ جھنجلا اٹھی۔

"رہ سکتی ہو اور بچی تم بھی نہیں ہو ہنی۔ جو یہ نہ سمجھ سکو کہ کیسے رہ سکتی ہو۔"

شاید اب کے میرے لہجے میں کچھ تھا، جو وہ چونکی تھی۔ اس کے ہاتھ دھیرے سے میرے چہرے سے پھسل کے نیچے آگرے تھے۔ جو میں نے فوراً" ہی دوبارہ تھام لیے تھے اور اب باقاعدہ گڑگڑا کر اس کی منت کرنے لگا تھا۔

"ہنی... پلیز... پلیز مت کرو تم یہ شادی، وہ شخص بالکل بھی تمہارے قابل نہیں ہے۔ تم جلد بازی میں فیصلہ کر رہی ہو۔ تمہیں اس سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے... وہم ہے یہ تمہارا... منع کرو اس شادی سے" وہ جھنجلا اٹھی تھی۔ اور دوبارہ اپنے ہاتھ چھڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو سعد کیوں کر رہے ہو ایسی باتیں"

اب میں خود کو مزید سمیٹ کے نہیں رکھ پا رہا تھا... رو اٹھا اس کے سامنے باقاعدہ آنسوؤں سے سسک سسک کے رو پڑا۔

"تمہیں کیوں نہیں سمجھ آتا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ تم کیوں نہیں سمجھتیں۔"

وہ جو ناراض۔ اکھڑی اکھڑی سی دو قدم پرے ہٹ گئی تھی۔ میرے آنسوؤں پہ تڑپ اٹھی اور فوراً" آگے بڑھ کے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے خود بھی رو پڑی۔

"بدھو میں سب سمجھتی ہوں سب پتا ہے مجھے تم کیوں کر رہے ہو ایسا؟"

میں رونا بھول کے اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم نہیں چاہتے ناں کہ میں یہاں سے جاؤں تم

سے دور ہو جاؤں مگر سعد' سالار کے میری زندگی میں آنے کے بعد تمہاری حیثیت تو نہیں بدل جائے گی۔ تم' تم ہی رہو گے۔ میرے سب سے اچھے دوست۔۔۔ میرے بچپن کے ساتھی۔ پلیز ایسا مت کہا کرو۔ سالار کے بارے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے میں جانتی ہوں تم اسے اس لیے پسند نہیں کرتے کہ وہ تمہاری دوست کو تم سے دور لے کر جا رہا ہے مگر سعد یقین کرو اس سے شادی کے بعد بھی میں تم سے۔۔۔"

اس نے مجھے مایوسی کے ایسے اندھے کنویں میں گرایا کہ دوبارہ نکلنے کی امید بھی کھو بیٹھا۔

"بس۔۔۔ بس ہنی تمہیں تو واقعی سب پتا ہے۔ تم تو سچ میں میرے دل کے حال سے واقف ہو۔"

روٹھ کے جانے کے لیے مڑا تھا میں۔۔۔ مگر ابھی دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ وہ دوڑ کے لپکی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

"نہ جاؤ سعد۔۔۔ یوں ناراض ہو کے تو نہیں' مجھے خوشی خوشی وداع کرو۔۔۔ میں تمہیں اداس نہیں کر سکتی۔"

میرے بازو اٹھے اور اس کے گرد مضبوطی سے حائل ہو گئے۔۔۔ میں نے اس کے کاندھے پہ سر رکھا اور سرگوشی کی۔

"اور میں تمہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

فضا میں بانسری کی لے گونجی۔۔۔ میں مزید کھو سا گیا۔ اور اس کی کمر کے گرد گرفت اور سخت کر دی۔ جیسے۔۔۔ جیسے اسے سب سے چھپا کے اپنے اندر سمونا چاہتا تھا۔۔۔ مگر میرے لمس میں۔۔۔ میری اسے 'خود میں سمونے کی شدت میں کچھ ایسا تھا کہ وہ کپکپا سی گئی۔۔۔ میں نے اس کی کپکپاہٹ اور تیز ہوتی دھڑکن کی گھبراہٹ کو اپنے ہر مسام میں پھوٹتے محسوس کیا۔۔۔ اگلے ہی لمحے وہ تڑپ کے مجھ سے الگ ہو چکی تھی۔ میں نے پھر سے اسے خود کے قریب کرنا چاہا۔ تو اس نے وحشت بھرے انداز میں میرے ہاتھ جھٹکے اور پرے ہٹ گئی۔

میں کسی خواب کے ٹوٹنے کے عالم میں اسے بے خود ہو کے دیکھ رہا تھا اور وہ۔۔۔ وہ ہراساں جیسے کسی ڈراؤنے خواب کے زیر اثر ہو۔ اچانک وہ پھر سے آگے بڑھی اور پوری قوت کے ساتھ مجھے ادھ کھلے دروازے سے باہر دھکیلنے لگی۔۔۔ میں اس وقت روئی کے ایک معمولی ذرے سے بھی کم وزن تھا۔۔۔ مزاحمت تک نہ کر پایا۔۔۔ اور یونہی لڑکھڑاتا۔ ڈگمگاتا باہر نکل گیا۔۔۔ اس نشے سے چور کیفیت میں اسے دیکھتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ پھر میں نے چٹخنی لگانے کی آواز سنی۔۔۔ اور بے جان قدموں کو گھسیٹتا اپنے کمرے میں آیا۔

میرے بیڈ پہ کچھ تھا۔ جس نے میرے دماغ سے وہ نشہ بھک سے اتار دیا۔ بہت سے شادی کے دعوت نامے جو شاید امی اس لیے رکھ گئی ہوں کہ میں اپنے دوستوں کو دے سکوں۔۔۔ میں نے ایک کارڈ اٹھایا سالار کا نام ام ہانی کے نام کے ساتھ لکھا دیکھ کے میرے اندر کئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔۔۔ میں نے وحشیانہ طریقے سے قلم پھیر کے اس نام کو سیاہی میں چھپایا۔۔۔ پھر اس پہ اپنا نام لکھنے لگا کہ شاید کچھ تسکین ملے۔۔۔ مگر' مگر میں۔۔۔ میں ان چنگاریوں کو اب بھانبڑ کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی اس طاؤسی تخت پہ اسی طرح سر جھکائے گم صم بیٹھی تھی جس کیفیت میں اس نے پوری رات کاٹ دی تھی۔ آس پاس کیا ہو رہا تھا۔۔۔ وہ اسے نظر آتے ہوئے بھی دکھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔ اک شور برپا تھا' جو اس کی سماعتوں سے ٹکرا ضرور رہا تھا مگر وہ کچھ سن ہی نہ پا رہی تھی۔

"یہ سلمیٰ کہاں ہے؟ اسے کہا بھی تھا کہ ابٹن سویرے ہی گھول کر رکھ دے۔"

مہ پارہ پھوپھو کا واویلا۔

"اور یہ سعد۔۔۔ نجانے کیا دریافت ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے میں یکایک کہ اب سارا سارا دن پوری پوری رات دروازہ بند کیے اندر مراقبہ کرتا رہتا ہے' بے چارہ علی ہی بھاگا پھر رہا ہے ہر کام کے لیے۔" یہ

نائلہ کا گلہ تھا۔

اور سعد کے نام پہ اس کی سماعتیں جھنجھنا اٹھیں۔۔۔ اس کے تصور میں گزشتہ رات کے وہ جان لیوا لمس پھر سے تازہ ہوئے اور وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔۔۔ آس پاس دیکھتے ہوئے ہڑبڑاہٹ کے عالم میں اب وہ اپنے حواس قابو میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلمیٰ کو ڈرے ڈرے سہمے سہمے انداز میں اندر داخل ہوتے دیکھ کے مہ پارہ نے جیسے اپنی دو دھاری زبان سے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔

"لو آگئی۔۔۔ سر پہ خاک ڈال کے۔"

"وہ۔۔۔ جی میں۔ جی۔۔۔ میں تاں ذرا۔"

"بس بس کہانیاں نہ گھڑ تا اب 'سب پتا ہے۔ اسی کمہاروں کے لفنگے سپوت سے ملنے گئی ہوگی۔ بھابھی آپ اس کے دو بول پڑھوا کے رخصت کیوں نہیں کر دیتیں۔۔۔ چوبیس گھنٹے کی چوکیداری کون کرے۔"

"وہی کرتا تھا۔" نائلہ بھی اس چوکسی سے عاجز آگئی تھیں۔ مگر کیا کرتیں۔ سلمیٰ نامراد کام کاج میں بڑی پھرتیلی تھی۔

"یہ ام ہانی کی شادی جو آگئی۔ اب ایسے موقعے پہ اسے بھی لال جوڑا پہنا کے بٹھا دیتی تو یہ سب کون کرتا۔"

"سن سلمیٰ۔" مہ پارہ نے اب ذرا اس کو اپنی نصیحتوں سے مستفید کرنا چاہا۔

"چھوڑ دے یہ عشق بازیاں۔۔۔ یہ سب موسمی بخار ہوتا ہے۔ جوانی کی مستی۔ کوئی محبت پیار عشق کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ نری بکواس۔ یہ جو مرد ذات ہے ناں۔۔۔ جوانی آتے ہی جو سب سے پہلے نظر آئے' اسی پہ لٹو ہو جاتا ہے۔"

ام ہانی بڑے غور سے مہ پارہ کے تجزیے سن رہی تھی۔

"اسی لیے تو مرد عورت کو ملنے جلنے میں احتیاط بتلائی ہے۔ پرانے وقتوں میں یونہی تو لڑکی کو قد نکلتے ہی پردے میں نہیں بٹھا دیتے تھے۔۔۔ سگے والوں کی نظر تک نہیں پڑنے دیتے تھے کہ یہ آگ اور تیل کا میل ہے۔ لڑکے تو یوں بھی دل ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں۔ ذرا چھوٹ ملی۔۔۔ ہو گئے فدا۔۔۔ جو قریب ہوا اسی کی جانب کھنچے اور نام رکھ دیا عشق ہونہہ۔" ہانی کے دل کو بڑی لگ رہی تھیں باتیں۔۔۔

"علی ذرا سعد کو تو نکالو کمرے سے رضوان نے کتنے بہت سے کام سونپے تھے اسے آج مایوں ہے۔۔۔ سر پہ کھڑا ہے وقت۔"

"ابھی جگا کے آیا آنٹی۔۔۔" علی مستعدی دکھاتا فوراً" ہی میرے کمرے کے دروازے کو پیٹ رہا تھا۔

"نکل باہر سعد۔۔۔ کتنا کام پڑا ہے۔۔۔ سعد سن رہا ہے۔ انکل کا پارہ ہائی ہو رہا ہے۔" میں بے حس و حرکت بیڈ پہ چت پڑا ہے۔

"انکل بھی آ۔۔۔ اور ہاں وہ ڈی جے کو تو تو نے ہی لانا تھا۔ ہو گیا انتظام؟ تمہارے نیاز ماموں کی رگ موسیقی در قص پھڑک رہی ہے۔ بار بار پوچھ رہے ہیں ڈی جے کا۔" میں نے تکیہ کانوں پہ رکھ لیا۔

"سعد۔۔۔ سو رہا ہے یا مر گیا ہے؟ اٹھ جا۔۔۔ جا کے ڈی جے کو لا۔۔۔ میوزک ارینج منٹ ساری تیرے ذمے ڈالی تھی انکل نے۔" بھنا کے میں اٹھا اور وہی تکیہ دروازے پہ مار کے چلایا۔

"جاتا ہوں۔۔۔ بجواتا ہوں شادیانے۔"

جلتا کڑھتا میں کمرے سے نکلا۔۔۔ سامنے علی بتیسی نکالے کھڑا تھا جسے توڑنے کی اشد خواہش کو میں نے بڑی مشکل سے ٹالا اور اسے بدتمیزی سے سامنے سے ہٹاتے ہوئے سیڑھیاں اتر۔۔۔ یہ جا۔۔۔ وہ جا۔

اس منحوس پیلے دانتوں اور جامنی ہونٹوں والے ڈی جے کو لایا۔۔۔ اس نسواری رنگت اور بھورے بالوں والے مووی میکر کو لایا اور لائٹنگ۔۔۔ میوزک ارینج کرنے والے سب منحوسوں اور لعنتوں کو کام پہ لگا کے میں ان سے بھی دس گنا زیادہ منحوس اور لعنتی شکل بنا کے ایک طرف کھڑا تھا اور وہاں پیلی زنانہ پنڈال میں کمر پہ دوپٹا کس کے باندھے اپنے فن کے مظاہرے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

اور مردانہ حصے میں نیاز ماموں کی لاہور سے بلائی

رقاصائیں گھنگھرو باندھ رہی تھیں۔
"اللہ۔۔۔ مہ پارہ آنٹی۔۔۔ یہ میوزک کیوں نہیں آن ہو رہا۔۔۔ میں نے اتنا زبردست ڈانس تیار کیا ہے۔"
مہندی گھولتی سلمیٰ نے بھی حصہ ڈالا۔
"میں نے بھی گدا ڈالنا ہے۔جی' مسرت شاہین کا گانا لگواؤں گی سعد صاحب سے۔"
وہاں بڑے دادا کی وہیل چیئر بھی مردانہ پنڈال میں دھکیل کے لائی جا رہی تھی۔ کیا نظارہ تھا۔۔۔ واہ واہ۔۔۔ دو دو ملازم وہیل چیئر کے ساتھ ساتھ۔۔۔ ایک نے ڈرپ تھام رکھی تھی۔۔۔ دوسرے نے یورین بیگ۔۔۔
"دادا جی۔۔۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں آپ کمرے میں آرام کرتے۔" ابو جز بز ہو رہے تھے۔
"وڈا سیانا۔" بڑے دادا مائنڈ کر گئے۔
"ناں تو اکیلا ہی موجیں کرے۔۔۔ ویسے بھی ایسی محفلوں میں کسی وڈے اور سیانے کا ہونا ضروری ہے' ورنہ ایسے ہلکی عمر کے منڈے شوخے اور ہوچھے ہو کے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے علی کے پاس سے وہیل چیئر گزارتے ہوئے اس کی جانب اشارہ کیا' جو ہونقوں کی طرح منہ کھولے نارنجی شرارے والی رقاصہ کو دیکھ رہا تھا۔ نیاز ماموں بڑے دادا کے لیے گاؤ تکیے سیٹ کرنے لگے اور بڑے دادا چشمہ درست کرتے ہوئے نارنجی شرارے والی اور ہرے غرارے والی رقاصاؤں کا جائزہ لینے لگے اور پھر منہ بنا کے تبصرہ کیا۔
"بے سوادی۔۔۔ کون لایا ہے ان میراثنوں کو؟"
"نیاز دادا جی۔" ابو نے اکتاہٹ سے کہا۔۔۔ وہ ویسے ہی ان سارے کے حق میں نہیں تھے۔
"اس کھوتے کو کیا پتا۔۔۔ جرابیں خرید لے وہ ہی بڑی گل ہے۔"
"میوزک آن کرو جی۔"
نارنجی شرارے والی نے پاٹ دار آواز میں کہا۔ پنڈال کے پرے میں ڈی جے کے پاس کھڑا سب سن رہا تھا۔
"کونسا لگاؤں پہلے؟"

ڈی جے نے اپنے پیلے دانتوں اور جامنی ہونٹوں کا لشکارا مجھ پہ مارا تو میں فوراً" آگے بڑھا۔
"ہٹو پرے۔۔۔ میں لگاتا ہوں۔۔۔ خود۔"
اور جیب سے سی ڈی نکال کے لگائی۔۔۔ ماحول میں عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی آواز گونجی۔

ہم تو تنکے چن رہے تھے آشیانے کے لیے
آپ سے کس نے کہا۔۔۔ بجلی گرانے کے لیے

نیچے جھک کے گھنگھرو باندھتی نارنجی شرارے والی تڑپ کے سیدھی ہوئی۔۔۔ باقی سب بھی ہڑبڑا اٹھے ہوں گے۔

ہاتھ تھک جائیں گے کیوں پیس رہے ہو مہندی

عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی تنبیہہ پہ مہندی کے تھال میں موم بتیاں لگاتی سلمیٰ چونک کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

خون حاضر ہے ہتھیلی پہ لگانے کے لیے

بلی اور اس کی شوخی سہیلیاں جو کمر پہ دوپٹے کسے لڈی ڈالنے کے لیے تیار تھیں۔۔۔ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ اب خیلوی صاحب پورے جوش میں آ گئے۔

ادھر زندگی کا جنازہ اٹھے گا
ادھر زندگی ان کی دلہن بنے گی

ام ہانی نے بھی گوٹے سے لپا پیلا دوپٹا فٹ الٹ دیا۔

میری موت پریوں کے جھرمٹ میں ہوگی
جنازہ حسینوں کے کاندھے پہ ہوگا

اور خیلوی صاحب کی دردناک آواز پہ خالہ بتول نے سینے پہ دوہتڑ مارے۔
"بیڑہ تر جائے۔۔۔ شگناں والے گھر جنازے؟"

کفن مرا ہوگا۔ انھی کا دوپٹہ
بڑی دھوم سے میری میت اٹھے گی

اور گیت کے ان بولوں نے تو بڑے دادا کو وہیل چیئر سے ہی اٹھا دیا ابو لپکے۔
"دادا جی۔۔۔ نیاز علی ان کو پکڑو۔"

"مینڈاں گائیں... ایدی نے۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے غصے میں بپھرے نیاز ماموں اور علی کے سہارے شاید میری ہی تلاش میں نکلے تھے اور میں لان کے پچھلے تاریک گوشے میں فوارے کے سنگی چبوترے پہ لیٹا بازو آنکھوں پہ موڑ کے رکھے 'خملوی صاحب کے دکھ میں برابر کا شریک تھا یا شاید وہ میرے دکھ کو اپنے دل پہ لے گئے تھے۔

ادھر میرے ارمان کفن پہن لیں گے
ادھر ان کے ہاتھوں پہ مہندی لگے گی

ادھر میں نے ایک دردناک سرد آہ بھری۔ ادھر میرے سر پہ بڑے دادا کی چپل زوردار طریقے سے رسید ہوئی۔

"نامعقول... بے غیرت۔" میں ہڑبڑا کے کھڑا ہوا۔ ابو بھی غصے میں تھے۔

"یہ کیا شرارت ہے سعد... حد ہے بدتمیزی کی۔"

"شرارت... نیستی گاتے لگا کے پھوڑی والا ماحول بنا دیا۔"

وہ اب چھڑی سے مجھے پیٹ رہے تھے اور میں خود کو بچانے کی کوشش کرتا یہاں وہاں کود رہا تھا۔

"بڑے دادا... ہائے بڑے دادا۔" اور خملوی صاحب کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

ادھر میرے دل پہ خنجر چلیں گے
ادھر ان کے ماتھے پہ بندیا سجے گی

مارتے مارتے اب بڑے دادا ہانپنے لگے تھے... نیاز ماموں نے ہی آگے بڑھ کے ان سے چپل اور چھڑی کے ہتھیار لیے۔

"دادا جی... بس کریں آپ کی طبیعت..." اور طبیعت کا یاد دلاتے ہی بڑے دادا غش کھا کے نیاز ماموں کے بازوؤں میں جھول گئے... ایک ہاتھ سینے پہ رکھ کے۔

اب ابو کے بھی ہاتھ پاؤں پھولے ورنہ اب تک وہ مزے سے میری خاطر تواضع کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

"دادا جی... ارے سعد منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جلدی جاؤ... ڈاکٹر کو بلا کے لاؤ۔"

"میں؟" میں نے چوٹیں سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ہی دادا جی کی یہ حالت ہوئی ہے... جاؤ جلدی کرو پتا نہیں اتنی رات کو ڈاکٹر ملتا بھی ہے یا نہیں۔" میں بھاگا... بھاگتے بھاگتے بڑے دادا کی آواز سنی۔

"اوئے... میں نئیں بچنا..."

"یا اللہ... بچ جائیں بڑے دادا... جہاں اتنے سالوں سے بچتے آرہے ہیں اس بار بھی بچالیں اللہ میاں... ورنہ سارا ملبہ میرے اوپر گرنا ہے۔"

دعائیں مانگتے میں نے جیپ اسٹارٹ کی... مگر رہ رہ کے بڑے دادا کا فق ہوتا چہرہ... سینے پہ رکھا ہاتھ... ایک جانب کو جھولتا بدن اور ان کی کپکپاتی آواز تصور میں آتی رہی۔

"اوئے... میں نئیں بچنا۔"

اور میں جیپ کی اسپیڈ اور بڑھا دیتا۔ پھر اچانک... پتا نہیں کہاں سے دو تین دن پہلے والی بڑے دادا کی بات یاد آگئی۔

"تے فیر میتوں مار دیو کڑی دے ویاہ والے دن اودھے وادا وی قل رکھ لو۔"

میرے پاؤں بے اختیار بریک پہ جا پڑے تھے۔

ایک زبردست چرچراہٹ کے بعد اب مکمل سناٹا۔ بس دور سے جھینگروں کے ٹرانے کی... یا گیدڑوں کی آواز... اور اس سنسان ویران سڑک پہ جیپ روکے میں اپنے اندر اٹھنے والے مکروہ خیالات سے لڑ رہا تھا۔

"نہیں نہیں... بڑے دادا کے بارے میں میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں... ڈوب کے مر جا سعد۔"

میں نے بڑی لعنت ملامت بھی کی خود کو... مگر بے سود میرے اندر کا خبیث جیت گیا... میں نے اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹائے جیب سے فون نکال کے آف کیا اور مزے سے سیٹ سے ٹیک لگا کے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی نے آہستگی سے ہینڈل گھمایا۔ رات کے

سناٹے میں دروازہ کھلنے کی بڑی ہلکی سی آواز بھی بہت زیادہ محسوس ہوئی۔ لائٹس پہلے سے آن تھیں۔ ایک ہی نظر میں ساری بے ترتیبی ظاہر ہو رہی تھی۔ جو ام ہانی کے لیے بڑی جانی پہچانی تھی۔ بکھرے کپڑے۔۔۔ جوگرز۔۔۔ جرابیں۔۔۔ کتابیں ڈی وی ڈیز۔۔۔

اس کے پیروں میں ایک میلی ٹی شرٹ آئی' جو جھک کے اٹھاتے ہوئے جیب میں کچھ غیر مانوس سا وزن محسوس ہوا۔ نکال کے دیکھا تو یہ وہی چکنا سرمئی پتھر تھا۔ جیسا پتھر وہ دونوں کھیلتے ہوئے استعمال کرتے تھے اور ہر بار چاک سے بنائے گھیرے کے اندر کھڑے ہوئے جب وہ اس پتھر کو چوم کے آنکھیں بند کرکے پیچھے اچھالتی تھی تو ہر بار وہ پتھر غائب ہوتا تھا۔

الجھے ہوئے انداز میں وہ اس پتھر کو ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے رک گئی۔ کچھ سوچ کے دراز میں رکھنے لگی۔ مگر جیسے ہی دراز کھولا وہاں اس جیسے درجنوں پتھر دیکھ کے دنگ رہ گئی اور ان بہت سے چکنے سرمئی پتھروں کے درمیان اس ٹوٹی ہوئی سیاہ چوڑی کا ایک ٹکڑا اور کچھ بھی تھا ان پتھروں تلے دبا ہوا۔ ام ہانی نے نکال کے دیکھا۔ وہ اس کی اور سالار کی شادی کا کارڈ تھا۔ مگر سالار کا نام بڑی بے دردی سے کاٹا گیا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ اس پہ سعد کا نام۔۔۔

ام ہانی نے وہ کارڈ گھبرا کے ایسے دراز میں پھینکا جیسے دہکتا انگارہ چھو لیا ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی دنوں سے ڈنگ مارے اور کلبلاتے سوالوں کو جیسے ایک ایک کرکے جواب ملتے گئے۔

"کیونکہ میں دوست نہیں ہوں۔"

"مگر تم مجھے نہیں ملیں۔"

"اس وقت تمہاری آواز سن لینا ایسا ہی ہے جیسے گرمیوں کے روزے میں مغرب کی اذان سننا۔"

"تم سامنے ہو۔۔۔ مگر ساتھ نہیں۔۔۔ ساتھ ہونے اور سامنے ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"شادی کے بعد یہ نام یہاں لکھے دیکھ کے ہمیں کیسا لگے گا؟"

"تمہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا؟"

"میرا نہیں سوچا تم نے۔"

"میں کیسے رہوں گا تمہارے بغیر۔" یہ سب جواب کھلتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے سسک پڑی۔ اس کی سسکیاں تب تک ویران کمرے میں گونجتی رہیں جب تک کھلی کھڑکی سے آنے والی بانسری کی صدا ان پر غالب نہ ہوئی۔

وہ دم سادھے چند لمحے بانسری سنتی رہی۔ سسکیاں اگرچہ تھم چکی تھیں۔ مگر آنسوؤں پہ بند نہیں باندھا جارہا تھا۔

"کیوں سعد۔۔۔ کیوں۔۔۔ اب میں کیا کروں تمہارا۔۔۔ بدھو کیسے تمہیں۔۔۔" وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

☆ ☆ ☆

پتا نہیں کب یوں ہی جیپ میں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔

اذان کی آواز پہ میں ہڑبڑا کے اٹھا۔ جیب سے فون نکال کے دیکھا تو لاتعداد میسجز تھے۔ ان گنت مسڈ کالز۔۔۔ میں نے جلدی سے جیپ اسٹارٹ کی اور ذہن میں وہ سب بکواس قصے دہرانے لگا جو مجھے وہاں جا کے بیان کرنے تھے۔

"جیپ کی خرابی۔۔۔؟"

"راستہ بھٹک جانا۔"

"ڈاکٹر کا نہ ملنا۔"

جیپ خراب ہونے کا بہانہ سب سے موثر لگا اور وہاں بڑے دادا کے کمرے میں ابو ان کو دوا کھلانے کی مسلسل کوشش کر رہے تھے اور وہ مسلسل مزاحمت۔۔۔

"رضوان۔۔۔ رہن دے دوائیاں۔۔۔ میں ہن نئیں بچنا۔۔۔ او دیکھ سامنے دروازے تے۔۔۔ میرے ابا جی کھڑے تے فرشتاں نال۔۔۔ مینوں لینے آئے ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں دادا جی۔۔۔ کوئی بھی نہیں ہے دروازے پہ۔"

"چاچا جی۔۔۔ فرشتے اکیلے آتے ہیں۔" خالہ بتول نے بھی تسلی دی۔

"آپ کو اپنے ابا جی کا بھلیکھا (مغالطہ) لگ رہا ہے۔ غور سے دیکھیں، دو فرشتے ہوں گے۔"

"رضوان بھائی صاحب وہ بزرگ ہیں۔ ان کو زیادہ پتا ہے ان باتوں کا۔ ہم لوگوں کو تھوڑا ہی نظر آئیں گے فرشتے۔ سنا ہے، جن کا وقت آجاتا ہے ان کو نظر آجاتے ہیں۔"

مہ پارہ پھپھو کے لہجے میں امید اور آس کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

فرشتے... موت... آخری وقت...

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے اور میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا۔

"بڑے دادا..." غمگین سی صدا لگاتے میں نے انٹری دی جہاں ابو اب بڑے دادا کے منہ سے زبردستی سیرپ بھرا چمچہ لگاتے کہہ رہے تھے۔

"لو، ہو دادا جی! کچھ نہیں ہوا آپ کو، سنا نہیں؟ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ ہارٹ اٹیک نہیں ہے، گیس ٹربل ہے۔ اب ٹھیک ہیں آپ۔" میں مایوس ہو گیا۔

"ٹھیک ہیں اب؟" مرے مرے انداز میں، میں نے کہا اور ابو پلٹ کے مجھے گھورتے ہوئے ڈانٹنے لگے۔

"اور تم اب آرہے ہو... رات پونے دو کے نکلے صبح کے پانچ بجے شکل دکھا رہے ہو۔ کیا مریخ پہ چلے گئے تھے ڈاکٹر کو لینے... اور فون بھی بند..."

"وہ... دراصل... جیپ خراب... فون کی بیٹری۔" سارے رٹے لگائے بہانے پھس ہو گئے۔

"بڑے دادا واقعی ٹھیک ہو گئے۔" آخری امید کے طور پہ میں نے پوچھنا چاہا۔

"ہاں... وہ تو شکر ہے علی بھاگ کے ڈاکٹر کو لے آیا... اب واپس چھوڑنے بھی گیا ہے۔ بڑا اچھا بچہ ہے۔"

"اس اچھے بچے کی تو میں..." میں نے دانت کچکچائے۔

"سوچو... چاچا جی لگے جاتے تو شادی تو کھوہ میں چلی جاتی۔" خالہ بتول کی بات پہ ابو نے ناگواری سے ٹوکا۔

"اللہ نہ کرے... اللہ دادا جی کو لمبی عمر دے۔"

"پھر بھی کتنی لمبی آخر..." مہ پارہ پھپھو کی بڑبڑاہٹ تھی۔

"کوئی نئیں... میں نئیں بچنا ہن۔" بڑے دادا کا وہی واویلا... وہی دہائی۔

"ہائے ہائے چاچا جی... جہاں نوے سال گزار لیے... چار دن ہور نکال لو... ویاہ تے ہون دیو خیر نال۔"

"آپ خالہ بتول کی باتوں کو دل پہ نہ لیں دادا جی۔" ابو نے بڑے دادا کا ہاتھ محبت سے ہلایا۔

"آپ نے تو ابھی سعد کی بھی شادی کرنی ہے۔ اس کے بچے بھی کھلانے ہیں۔"

"چکو... اور سنو۔" مہ پارہ پھپھو نے کڑوا زہر منہ بنایا۔

"اور ہاں دادا جی... آپ کو اس سال حج پہ بھی تو لے جانا ہے۔" ابو نے انہیں زندہ رہنے کے مزید لالچ دیے۔

"پلے لبھہ دیں... مجرا ہونا ہے آج کہ وہ لاہور والیاں واپس چلی گئیں... ہائے... میں تے کج دیکھا ہی نئیں۔" بڑے دادا کی دہائی پہ خالہ بتول نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"لو کرلو گل... تسی کرالو چاچا جی کو حج..."

"میں چھوڑ آیا ڈاکٹر کو۔" علی نے اندر داخل ہوتے ہوئے فخریہ اعلان کیا... جس پہ میں نے اس بری طرح اسے گھورا کہ وہ گھبرا اٹھا۔

"کیا ہوا سعدی۔"

"ذرا تو باہر چل... میں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا۔" دانت پیستے ہوئے میں نے کہا اور اس کے گلے میں بازو ڈالتا اسے باقاعدہ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔ برآمدے میں لے جاکے اس کی گردن کے گرد اس کے بازو کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے دے لگائی اس کی گدی پہ دھپا دھپ۔

"ارے سعد... کیوں پیٹ رہا ہے مجھے... ارے

چھوٹ۔۔۔ بول تو سہی۔۔۔ ارے۔۔۔ نہ مار۔۔۔" میں نے اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور اب دے گھونسے پہ گھونسا اس کے مٹکا سے پیٹ پہ۔

"بڑی جلدی ہوئی ہے نا تجھے ہر بات کی۔۔۔ بڑی آگ ہوتی ہے نمبر بنانے کی۔" اس کا اچھی طرح بھرتہ بنانے کے بعد میں پسینہ پونچھتا ہال سے گزر رہا تھا۔ جب امی اور ابو کو خود پہ ہی تجزیے کرتے سنا۔

"سعد اپنی عجیب و غریب حرکتوں کی وجہ سے دن بہ دن مجھے پریشان کرتا جا رہا ہے۔"

"صحیح کہہ رہے ہیں۔۔۔ پتا نہیں کب بڑا ہوگا۔۔۔ اور ادھر میں اس کی شادی کی بات چلانے کا سوچ بیٹھی تھی۔"

"کیا۔۔۔ سعد کی شادی۔۔۔ تم پاگل ہو گئی ہو نا بیگم۔۔۔ اس کی عمر تو دیکھو۔۔۔ انیس سال کے بچے کی شادی ہوتی ہے کیا۔"

مجھے ابو کی اس بات پہ تاؤ آگیا۔ انیس سال کی عمر میں کیا میں فیڈر لیتا ہوں ابھی تک۔

"اوفوہ۔۔۔ شادی کہاں۔۔۔ صرف رشتے کی بات۔"

"دم بھی نہیں۔۔۔ یہ کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔ پڑھائی کے دوران ایسے سلسلوں سے بچوں کا ذہن ڈسٹرب ہوتا ہے۔" پیر پٹختا میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"ذمے داریوں کے بنڈل میرے سر پہ ڈالتے ہوئے میری کم عمری نہیں نظر آتی۔ شادی کی بات پہ آجاتی ہے۔"

ہال میں اب وہی شور شرابا پھر سے شروع ہو چکا تھا۔ ڈھولک۔۔۔ ڈانس کی پریکٹس۔۔۔ شادی کے گیت۔۔۔

میں نے دروازہ بند کر دیا۔ کھڑکی کے پاس آکے نیچے جھانکا۔ لان میں رات ہونے والے فنکشن کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ کرسیاں لگ رہی تھیں۔ شادیانے۔۔۔ مہندی کا فنکشن کل رات ہونے والے مایوں کی تقریب سے ذرا بڑے پیمانے پہ ہو رہا تھا۔

"سعد صاحب۔۔۔" سلمیٰ حسب عادت بنا دستک دیے اندر داخل ہوئی۔ میرا موڈ اتنا خراب تھا کہ اسے ڈانٹنے تک کو جی نہ چاہا۔۔۔ میں ماتھے پہ بل لیے اسے دیکھتا رہا۔

"سعد صاحب۔۔۔ وہ آپ کو۔۔۔"

"مجھے نہیں آنا۔۔۔ جو بھی بلا رہا ہے اسے کہو سعد سو رہا ہے۔ تین دن تک اٹھے گا۔" اس کی بات کاٹ کر میں نے کہا۔

"اچھا جی۔۔۔" وہ حیرت سے کہتی مڑی۔

"میں کہہ دیتی ہوں ہانی بی بی سے۔۔۔" میں چونکا۔

"ایک منٹ۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ ہنی بلا رہی ہے؟"

"ہاں جی۔۔۔" یہ سنتے ہی میں پاگلوں کی طرح باہر بھاگا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ سوائے اس جگہ اور ہو بھی کہاں سکتی تھی۔ میں یوں ہی سرپٹ بھاگتا کھنڈر میں چلا آیا۔

وہ وہیں تھی۔

بے حد سنجیدہ۔

کچھ کچھ رنجیدہ۔

اسے دیکھ کے میں رکا۔ سانس ہموار کرنے کی کوشش کی مگر وہ دھڑکنوں کی طرح قابو میں نہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا۔۔۔ ہزار ہا خوش فہمیوں سے دامن بھرتا میں اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"یہ کیا ہے سعد۔۔۔" اس نے شادی کارڈ میرے سامنے کیا۔ جس پہ سالار کی جگہ میرا نام لکھا نظر آرہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس بھری، سکون کی، سر سے ایک بوجھ کے اتر جانے کی۔۔۔ یعنی جو بات میں اسے اتنے دنوں سے سمجھانا چاہ رہا تھا، جتلانا چاہ رہا تھا وہ خود بخود جان گئی۔

"میری خواہش ہے۔۔۔ اور کیا؟"

"تمہیں شرم نہیں آتی ایسی فضول بات کرتے۔"

اس کے غصے سے کہنے پہ میں نے چاروں جانب کھنڈر کی دیواروں پہ لکھے اپنے اور اس کے نام کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ ہر جانب تمہارا اور میرا نام لکھا ہے۔ کئی بار تو تم نے خود لکھا ہے۔ پھر ہاں کیوں نہیں؟"

"یہ نام میں نے دوستی کے نام پہ لکھے تھے 'مگر اب تم میرے وہ دوست نہیں ہو۔۔۔ تم بالکل کوئی اجنبی ہو۔۔۔ تم کوئی اور ہی ہو سعد۔" اس کے لہجے میں تاسف دیکھ کے میں بھی دکھی ہو گیا۔ "کیا محبت کرنا غلط ہے ہنی؟"

"اس قسم کی محبت غلط ہے۔"

"کس قسم کی؟"

"دیکھو سعد۔۔۔ اگر تمہارے آس پاس میرے سوائے اور کوئی لڑکی نہیں بھی تھی۔۔۔ تب بھی اس ایڈونچر کے لیے تمہیں اپنے اور میرے تعلق کا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ عمر کا یہ حصہ خطرناک ضرور ہوتا ہے 'مگر ایسا بھی بے لگام نہیں۔۔۔ کہ انسان رشتوں کا لحاظ کھو دے۔" اس کے نصیحت کرنے پہ میں تڑپ اٹھا۔

"کون سے رشتے کا لحاظ۔۔۔ کون سی خالہ۔۔۔ تائی یا پھوپھی لگتی ہو تم میری۔۔۔ بولو۔۔۔" میرے چلانے پہ اس کے چہرے پہ افسوس مزید گہرا ہوا

"تم واقعی وہ سعد نہیں ہو۔۔۔ تم بالکل کوئی اجنبی ہو۔۔۔ اور میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔" کے لیے مڑی۔

مگر میں اسے ایسے جانے کیسے دے سکتا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کے روک لیا۔

"آخر میرا قصور کیا ہے ہنی۔۔۔ تمہیں چاہنا۔۔۔ تم کیسے کہہ سکتی ہو صرف اپنی عمر کے تقاضے کے مطابق میں تمہاری جانب کھنچ رہا ہوں۔ جسے تم جوانی کا ابال سمجھ رہی ہو وہ تو بچپن سے کسی سائے کی طرح میرے ساتھ ہے۔" اور مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی مسلسل کوشش کرتی ہنی یہ سن کے حیرت سے ٹھنڈی پڑ گئی۔

"بچپن سے۔۔۔"

"بچپن کے جذبات میں تو کھوٹ نہیں ہوتا ہنی۔۔۔ تب تو دل ہر بے ایمانی۔۔۔ برائی اور ہوس سے پاک ہوتا ہے۔۔۔ میں بچپن سے تمہیں یوں ہی چاہتا آرہا ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔۔۔ اب وہ ہاتھ چھڑانے کی مزاحمت ترک کر چکی تھی۔

"سعد... میں بھی تمہیں بچپن سے چاہتی ہوں... لیکن خدا کے لیے اس چاہت کو بچپن کی چاہت ہی رہنے دو... اس پہ نئے نئے لیبل مت لگاؤ... کیوں اس رشتے کو خراب کر رہے ہو... وعدہ کرو... آئندہ یہ بات نہیں کرو گے۔" اس کے یوں مجھے بچہ جان کے پچکارنے پہ میں ہمیشہ کی طرح ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"کیوں نہ کروں... ہمارے درمیان اگر کچھ ہے تو بس یہ ہی ہے... ورنہ کچھ نہیں... آئی لو یو... سنا تم نے... آئی لو یو..." اس کی نظروں میں چنگاریاں سی ہوئیں... پھر وہ میرا ہاتھ کھینچ کے ایک جانب لے جانے لگی... مغربی ٹوٹی دیوار کے اس جانب کھائی تھی۔ گہری کھائی... وہاں پہ جا کے وہ رکی۔

"اب بولو... کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"آئی لو یو۔" کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت کے عالم میں... میں نے وہ الفاظ دہرا دیے۔

"اونچی... اور اونچی..."

"آئی لو یو..." میں پوری طاقت کے ساتھ چلایا... اور میری آواز کی بازگشت کھائی میں گونج کے رہ گئی۔

"تمہارے یہ تین الفاظ... ان بوسیدہ دیواروں سے ٹکرا کے اس کھائی میں گر چکے ہیں۔ ان کی اتنی ہی اوقات تھی۔" میں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر کھائی میں جھانکا... شاید وہیں کہیں گری تھی میرے دل کی وہ بات جو کب سے سنبھالے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ بالکل کھائی میں گرے ان لفظوں کی طرح۔ وقت سے رات کاٹی تھی۔ اب دن نہیں کٹ رہا تھا۔ لان کے ایک کونے میں کھڑا میں بھسم کر دینے والی نظروں سے رات ہونے والے فنکشن کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ابو کی سخت ترین لعنت ملامت پہ میں پانچ بجے کمرے سے نکل ہی آیا۔

"سعد... تم کیا مہمانوں کی طرح کونے میں کھڑے ہو... لڑکے والے راستے میں ہیں۔" نیاز ماموں نے پاس سے گزرتے ہوئے ٹوکا۔

"تمہاری بہن کے سسرال والے ہیں... تمہیں ان کے استقبال کے لیے آگے آگے ہونا چاہیے۔"

ان کے "بہن" کہنے پہ میں تڑپ ہی تو اٹھا... مگر وہ میری تلملاہٹ دیکھے بغیر آگے جا چکے تھے۔ سر جھٹک کے میں نے دھیان دوسری جانب لگانا چاہا... علی مووی میکر کو ہدایات دینے میں مصروف تھا۔

"اب سب سمجھ لیا... مہ پارہ پھوپھو یہ بار بار کیمرہ لانا ہے، ورنہ وہ مائنڈ کر جائیں گی۔ نائلہ آنٹی نے منع کیا ہے کہ ان کے کلوز اپ نہیں لینے... ان کی ڈبل چن... اور ہاں..." لپک کے وہ میرے پاس آیا اور بڑا دوستانہ گانٹھتے ہوئے میرے کاندھے پہ بازو رکھ لیا۔

"ہم دونوں کی بھی مووی زیادہ بنانی ہے... آخر ہم دلہن کے بھائی ہیں۔" میں نے اس بے دردی سے اس کا بازو جھٹکا کہ وہ خود بھی ایک جانب گرتے گرتے بچا۔

"ارے کیا ہوا؟ ناراض کیوں ہو رہا ہے؟ اچھا یار... میں نہیں ہوں بھائی... تو ہی ہے اکلوتا بھائی... بس خوش..." لپک کے میں نے اس کا گریبان پکڑ کے گھونسا تان لیا۔

"کیا کر رہا ہے؟" اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ میں نے بھی یہاں وہاں دیکھا۔ ہر کوئی اس طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ بالآخر میں نے اس کا گریبان چھوڑا۔

"سن... تو پرسوں کی گیم ہارا تھا... یاد ہے؟"

"ہاں... یاد ہے۔" مرے مرے لہجے میں اس نے کہا۔ "اور تو نے کہا تھا ہارنے والے کو جیتنے والے کی بات ماننا ہو گی... اب بھونک..."

"وہی کرنے والا ہوں۔" میں خباثت سے مسکرایا اور سامنے سے آتے مہمانوں کی جانب اشارہ کیا۔ "وہ جو نیلے دوپٹے والی ہے نا... اسے چھیڑ..."

"مروائے گا کیا؟" وہ بدک اٹھا۔

"وہ تو لڑکے والوں کی طرف سے ہے۔"

"تو بے غیرت... کیا اپنی طرف کی بچیوں کو چھیڑے گا؟ شرط تو ایسے ہی پوری ہو گی۔ دولہے والوں کی طرف سے آئی لڑکی کو ہی چھیڑنا ہو گا۔"

"پاگل ہے کیا؟ لینے کے دینے پڑ جائیں گے' اگر کوئی بدمزگی ہو گئی تو۔" اس کے خدشے پہ میری آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

"ہونے دو۔" میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے کہا۔

"لو۔۔۔ دولہا والے سب آ گئے۔" علی سامنے دیکھتے اور ہاتھوں کے توتے اڑاتے بولا۔

"میں نہیں کرنے والا یہ فضول کام۔۔۔ چاہے تو کتنا بھی مار لے۔۔۔" وہ کورا سا جواب دے کر میرے نئے منصوبے پہ پانی پھیرتا چلا گیا اور میں مایوسی سے کچھ اور پلان کرنے پہ غور کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼
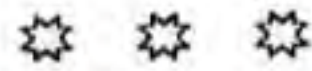
وہ مہندی کے سبز لہنگے میں ملبوس سر جھکائے کلائی کی پیلی چوڑیوں کو سہلاتی اسی بازگشت کے سحر میں تھی۔

"آئی لو یو ہنی۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔" ہر بار یہ الفاظ اسے نئے سرے سے ایک اذیت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ تب ہی تکلیف سے کروٹ لی اور سالار کی فون کال کے روپ میں نیا کچوکا لگانے آئی۔

"میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہوتا ام ہانی کہ میں بار بار تمہیں فون یا میسج کروں۔۔۔ اور اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" وہ شدید غصے میں تھا۔

"تم نے کل رات اچانک فون بند کیا۔ اس کے بعد میری کوئی کال پک نہیں کی۔"

"وہ میں کچھ بزی رہی۔"

"ساری رات۔۔۔ سارا دن۔۔۔" اس نے چبھتے لہجے میں پوچھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔

"میسج کا ریپلائی کرنے کا بھی وقت نہیں تھا یا ضرورت نہیں سمجھی۔" "دراصل میں کچھ اپ سیٹ تھی۔" اتنا کہہ کر وہ خود ڈر گئی کہ اگر سالار نے اس پریشانی کی وجہ پوچھ لی تو کیا کہے گی۔ مگر اسے توفیق نہ ہوئی۔ الٹا بگڑ گیا۔

"تم اپ سیٹ ہو۔۔۔ یا کچھ بھی۔۔۔ قیامت ہی کیوں نہ ٹوٹ رہی ہو تم پہ۔۔۔ تم مجھے نظر انداز نہیں کر سکتیں ام ہانی۔" اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

"تم نہ مجھے سوری کہہ رہی ہو۔۔۔ نہ انتظار کروانے پہ معذرت کا ایک بھی لفظ۔۔۔ اب انتظار تم کرو گی۔"

"جی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں مہندی کی تقریب میں نہیں آ رہا۔۔۔ اور کل بارات لے کر بھی تب تک نہیں آؤں گا جب تک تم خود چل کے میرے پاس نہیں آؤ گی۔۔۔ مجھے سوری کہنے۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

فائزہ افتخار

امِ ہانی اس نئی فرمائش... شرط مطالبہ... یا ضد جو بھی یہ تھا... اس پہ حق دق سی رہ گئی... جواب میں ایک لفظ تک نہ تھا کہنے کو...

نہ معذرت کا' نہ اپنی مجبوریاں بیان کرنے کے لیے' نہ اس سے رحم کی اپیل کر سکی۔

نہ نظر ثانی کی درخواست...

بس مردہ ہاتھوں سے فون ایک طرف رکھ کے سالار کے الفاظ اور لہجے کو یاد کرنے لگی۔ بہت غور کرنے پہ بھی ان پہ کسی قسم کے مذاق کا شائبہ نہ ہو رہا تھا۔

ناولٹ

"اٹھو بھئی... نیچے چلو... رسم ہونی ہے۔" مہ پارہ ایک دو لڑکیوں کے ہمراہ شور مچاتی اندر آئیں۔

"لہنگا میں پکڑوں گی آپی کا۔"

بیلی بڑے شوق سے آگے بڑھی' کسی معمول کی طرح ان کی سنگت میں کمرے سے نکلتے نکلتے امِ ہانی نے بڑی بے بسی اور رحم طلب نظروں سے بیڈ پہ پڑے فون کو دیکھا... جہاں سے حکم صادر ہو چکا تھا۔

اور اس نے خالی خولی دھمکی نہیں دی تھی... وہ واقعی نہیں آیا تھا۔ نیچے اماں نائلہ اور مہ پارہ سے معذرت کر رہی تھیں۔

"دراصل سالار کو یہ مہندی وغیرہ کی رسمیں پسند نہیں ہیں اسی لیے نہیں آیا۔"

"مگر آنا تو چاہیے تھا۔ لوگ کیا کہیں گے۔" مہ پارہ کو اللہ موقع دے اعتراض اور نکتہ چینی کا۔

"بس... وہ اس کا کہنا ہے کہ یہ خالصتاً" خواتین کی رسم ہے۔ وہ تو آپ کی خوشی کی خاطر اس نے اعتراض نہیں کیا ورنہ وہ تو سرے سے ان مہندی مایوں کی تقریبات کے ہی خلاف ہے۔ سادگی سے کرنا چاہتا تھا شادی۔"

امِ ہانی کو ذرا سا حوصلہ ہوا... بھلا شادی کے دن نہ آنے کا کیا جواز پیش کرے گا... آ ہی جائے گا... بس ایسے ہی ڈرا رہا ہے۔

"چلیں... جیسے اس کی خوشی۔" نائلہ نے معاملہ رفع دفع کرانا چاہا...

"کوئی بات نہیں... خیال اس کا بھی درست ہے۔ آپ آئیں بیٹھیں تو سہی... مہ پارہ انہیں ہانی کے قریب لے جاؤ۔"

امِ ہانی پیلے دوپٹے سے سر ڈھانپے خود کو ڈھارس دے رہی تھی کہ یہ محض خالی خولی دھمکی ہے۔ سالار اعظم جیسا سمجھ دار انسان ایسا نہیں کرے گا اور... اور پھر رات کو ان سب ہنگاموں سے فارغ ہونے کے بعد بالآخر وہ اسے منا لے گی... منت سماجت کر کے محبت سے کسی بھی طرح بس تھوڑی دیر تک۔

اور یہ تھوڑی دیر سالار کے لیے بہت طویل مدت کے برابر تھی۔

اپنے کمرے کی نیم تاریکی میں بیٹھا ہاتھ میں پکڑے فون کو بے تاثر نگاہوں سے تکتا سالار خوش رنگ زہر کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

نشہ جیسے جیسے اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا۔ امِ ہانی کی جانب سے کسی میسج یا کال نہ آنے کی جھنجلاہٹ اور کوفت رفتہ رفتہ طیش میں بدلتی جا رہی

تھی۔

☆ ☆ ☆

ناچتے گاتے۔۔۔ مست خوش حال سب کے سب زہر لگ رہے تھے مجھے ان سب کی محبتوں سے میرا ایمان ہی اٹھ گیا۔ حتی کہ امی کی ماتا سے بھی۔۔۔ بڑے دادا جی کے لاڈ سے بھی۔۔۔

اگر ان سب کو واقعی مجھ سے محبت ہوتی تو کیا میرے چہرے سے میرے دل کا درد نہیں جان سکتے تھے۔

اور اگر جان رہے تھے۔۔۔ ہلکا سا شائبہ بھی ہوا تھا تو نظر انداز کیسے کر رہے ہیں۔۔۔ خوشیاں کیسے منا رہے ہیں مجھے اس آگ میں جلتا دیکھ کے بھی۔

رسم ہو رہی تھی مہندی کی۔۔۔ اور میں ایک کونے میں کھڑا شعلے برساتی نظروں سے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

سب سے پہلے خالہ بتول کو آگے لایا گیا۔ رسم کی ادائیگی کے لیے۔۔۔ اور وہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتی

ام ہانی کے پاس بیٹھ کے اس کے ہاتھ پہ شگن کی مہندی لگانے لگیں۔ کسی چھچھورے نے گانا لگا دیا۔

مہندی تاں سجدی

جے نچے کڑی دی دادی

اور شور سا مچ گیا۔ ام ہانی کے منہ میں ذرا سی مٹھائی ٹھوستی ہوئی خالہ بتول نے پہلے تو لجا کے شور کرتی لڑکیوں بالیوں اور بہو بیٹیوں کو واجبی سا گھورا۔ پھر گھٹنوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈال کے اٹھیں اور تین چار ٹھمکے ہلا لیے۔

پھر تو جیسے سب کی باری آگئی۔۔۔

مہندی تاں سجدی۔۔۔

جے نچے کڑی دی ماں۔۔۔

اور امی جی رسم کی ادائیگی کے بعد ٹشو پیپر سے انگلی لگی مہندی صاف کرتے ہوئے بس ذرا سا ہاتھ ہلا کے رہ گئیں۔۔۔ شاید یہی تھا ان کا ڈانس۔۔۔ سب پھر بھی یوں تالیاں بجا کے داد دینے لگے۔۔۔ اب مہ پارہ پھوپھو کی باری تھی۔۔۔ میں خود پر جبر کرتے ہوئے یہ سب تماشا دیکھنے پہ مجبور تھا۔

"مہندی تاں سجدی۔"

جے نچے کڑی دی پھوپھی۔۔۔

اور کڑی دی پھوپھی تو پھر ایسا جھوم کے ناچی کہ خالہ بتول کو پکڑ پکڑ کے انہیں بٹھانا پڑا۔

نجانے مجھے کیا ہوا۔۔۔ میرے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے اور راستے میں بھنگڑا ڈالتے نیاز ماموں نے مجھے پکڑ کے اس واہیاتی میں شامل کرنا چاہا۔۔۔ مگر میں ان کا بازو جھٹک کے آگے بڑھتا گیا۔ ایک پل کے لیے بھی نظر ام ہانی سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

اور عین اس وقت جب امی کی کوئی قریبی سہیلی ام ہانی کو مہندی لگانے کی نیت سے اٹھیں۔۔۔ میں ام ہانی کے بالکل نزدیک پنجوں کے بل بیٹھ چکا تھا۔۔۔ اور وہاں رکھے بڑے سے سجے سجائے تھال میں موجود تیل، ابٹن اور مہندی کی پیالیوں میں سے مہندی میں اپنی انگلی بھگو چکا تھا۔

"نوشے۔۔۔ منڈے نہیں کرتے یہ رسم۔۔۔"

خالہ بتول نے للکارا۔۔۔ مگر امی نے ٹوک دیا۔

"رہنے دیں ناں، خالہ جی کرنے دیں اسے اپنا شوق پورا۔"

مہندی تاں سجدی

جے نچے منڈے دا ماما۔۔۔

نیاز ماموں کے ناچنے پہ سب تالیاں بجا بجا کے داد دے رہے تھے اور میں مہندی میں بھیگی انگلی لیے گھونگھٹ سے ذرا ذرا سا جھلکتا ام ہانی کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔۔۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔۔۔ جسے اس نے فوراً" ہی آنچل کے اندر کر لیا۔ پھر بھی میں نے مضبوط گرفت کے ساتھ اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے کیا کہ اس پہ مہندی لگا سکوں۔۔۔ مگر اب وہ ننھی سی مٹھی بھینچ چکی تھی۔۔۔ میں نے اس کا گھونگھٹ ہلکا سا ہٹایا۔ زرد رنگ میں اس کی رنگت بھی زرد تھی۔۔۔ چہرے پہ ایک خوف و ہراس۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میں نے اس کی مٹھی کھولنا چاہی تو اس بار وہ مزاحمت نہ کر سکی۔

مہندی تاں سجدی

جے نچے کڑی دی بہن۔۔۔

اب بیلی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اس لیے میری جانب کوئی متوجہ نہ تھا سب اس کی قلابازیاں دیکھ رہے تھے۔ میں نے مہندی سے اس کی ہتھیلی پہ اپنے نام کا پہلا حرف ایس لکھ دیا۔

وہ جو نظر جھکا چکی تھی۔ ایک بار پھر مجھے دیکھ کے رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں گلہ تھا شکوہ تھا، ناراضی تھی۔

مگر اتنی نہیں جتنی میری نگاہوں میں تھی۔ شاید اسی لیے وہ تاب نہ لا سکی۔۔۔ نظر بھی چرالی اور گھونگھٹ بھی کھینچ کر خود کو ایک بار پھر مجھ سے چھپا لیا۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ اٹھ کے وہاں سے جانے لگا۔

مہندی تاں سجدی۔

جے نچے کڑی دا ویر۔۔۔

کسی نے گانے کے بول اچانک ہی تبدیل کر دیے

تھے اور ٹھمک ٹھمک کے ناچتا علی مجھے کھینچ کر اپنا ساتھ دینے پہ زبردستی مجبور کر رہا تھا۔ میں نے بے زاری سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے واجبی سے ایک دو دھکے بھی دیے۔ مگر اب وہ خود اپنے بھونپو جیسے حلق سے آوازیں نکالتا گانے لگا۔ ساتھ ساتھ میرا بازو اٹھا کے مجھے ناچنے پہ اکسا رہا تھا۔

او مہندی تاں سجدی۔

جے نچے کڑی دا ویر۔

یہاں میری برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور بھنا کے اسے زور کا تھپڑ دے مارا۔

تالیاں بجاتے سب نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کسی نے جادو کی چھڑی گھما کے سارے ماحول کو سویا ہوا محل میں تبدیل کر دیا تھا۔ میوزک بھی بند ہو چکا تھا اور میں طیش میں آ کے اب علی کو بے تحاشا پیٹ رہا تھا۔

"کب سے بکواس کیے جا رہا ہے۔ تیری تو میں۔"

سب سے پہلے ابو آگے بڑھے۔

"ارے سعد۔ چھوڑو اسے۔"

مگر میں ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے دوسرے ہاتھ کے گھونسے اس کی کمر میں مارے جا رہا تھا اب ابو کے ساتھ ساتھ نیاز ماموں بھی مجھے اس سے الگ ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ پاگل ہو گئے ہو کیا؟" ادھر خالہ بتول کی دہائیاں۔

"ہائے ہائے۔ میرے پوترے کو مار دے گا یہ منڈا۔"

"سعد۔ سن نہیں رہے تم؟"

امی بھی وہیں کھڑی کھڑی غصے سے چلائی تھیں اور میں مارتے مارتے اب اسے نیچے گرا چکا تھا۔

"اب بولے گا اب کرے گا بکواس؟"

قریب تھا کہ میں نیچے گرے علی پہ بیٹھ کے اس کا گلا دبا دیتا کہ آخر ابو اور ماموں اور شاید دو تین اور بھی کوئی لوگ تھے مجھے کھینچ کر، گھسیٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔"

میں ابھی تک کسی بے قابو بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح خود کو چھڑا کے ایک بار پھر علی پہ پل پڑنے کی تگ و دو میں تھا کہ ابو کے زوردار طمانچے نے میرے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔

جھاگ کی طرح بیٹھ کے اب میں گال پہ ہاتھ رکھے ڈری ڈری نظروں سے سب کے چہروں کے سوال پڑھ رہا تھا۔ ایک نظر نیچے گرے علی پہ ڈالی جو لیروں لیر کرتے کے ساتھ کراہ رہا تھا۔

"سعد۔ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا؟ یہ کیا حرکت تھی۔" ابو نے گرج کے پوچھا۔

"وہ۔ وہ علی۔ علی نے۔"

مجھے اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا جواز پیش کروں۔

"ہاں وہ علی اس کو چھیڑ رہا تھا۔" اچانک مجھے سامنے بیلی نظر آئی تو میں نے اس کی جانب انگلی کا اشارہ کر دیا۔

"وہ اس کے بارے میں بری بری باتیں کر رہا تھا۔ تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

اب سب کی غصیلی نظروں کا رخ علی کی جانب تھا۔ جو پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا۔ اب بالکل ہی ڈھے گیا۔

اور سب لوگوں کی وہ نظریں جن میں لمحہ بھر پہلے میرے لیے لعنت ملامت اور پھٹکار تھی۔ اب ممنونیت اور تشکر نظر آ رہا تھا۔

میں ایک عظیم انسان۔

ایک غیرت مند شخص۔

واہ ایک لڑکی کی بے عزتی ہوتے دیکھ کر نہ ماحول دیکھا نہ نتائج کی پروا کی۔ اور دھنک کے رکھ دیا اپنے ہی عزیز دوست کو۔

ابو نے بھی میری مزید مرمت کا ارادہ موقوف کر دیا مگر مجھے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے ضرور گئے۔

"تماشا بنا کے رکھ دیا تم نے۔ یہ کوئی طریقہ ہے، مجھے بتا دیتے۔ خالہ بتول سے کہہ دیتے۔ بڑے مرگئے تھے کیا؟ یہی سوچ لیتے کہ لڑکے والے کیا تاثر لیں گے اس غل غپاڑے سے۔ احمق ایسی باتیں پی جاتی ہیں۔

اچھالی نہیں جاتیں۔"
اور مجھے کمرے میں دھکیل کے آخری دھمکی دی۔
"خبردار جو اب تم کل تک اس کمرے سے نکلے۔"
دروازہ بند ہونے کے بعد میں ڈھے سا گیا اور بیڈ پہ جا گرا۔ آج کی رات بس ایک آخری رات۔
یہ ایک واحد موقع ہے میرے پاس جو کرنا ہے آج کی رات کرنا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جائے گی۔ کچھ دیر میں وہیں پڑا نیچے سے آنے والے ہنگاموں پہ کان دھرے رہا جب سارا شور مدھم پڑا۔ حتیٰ کہ گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے اور گیٹ سے نکلنے کی آوازیں بند ہوئے بھی گھنٹہ گزر گیا۔ تو میں چپکے سے اپنے کمرے سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

سالار کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ اور ام ہانی اس گھنٹے میں یہ چوتھا میسج اسے کر رہی تھی۔
"سالار... پلیز بات کو سمجھیں... میں کیسے آؤں... گھر میں اتنے مہمان ہیں۔ شادی والے دن کتنا مشکل ہو گا نکلنا... میں آپ کو منالوں گی۔ جو کہیں گے ویسا کروں گی۔ وعدہ آپ پلیز مجھے ایسے نہ ستائیں... اتنی کڑی شرط نہ..."
دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بری طرح ہڑبڑا کے پلٹی اور مجھے دیکھ کے فون ایک جانب رکھ دیا۔
"سعد... کیا کرنے آئے ہو تم؟ ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے میری برداشت کی حد ویسے ہی ختم ہو چکی ہے۔"
"مجھ سے بھی اب اور برداشت نہیں ہو رہا۔" اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے میں آگے بڑھتا رہا۔
"میرا دل پھٹ رہا ہے ہنی... میں تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے یہ مت کرو... نہ کرو یہ شادی میں ہوں ناں۔ میں تم سے شادی..."
"پاگل تو نہیں ہو گئے تم..." وہ زور سے چلائی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھ سے شادی کرو گے؟ عمر دیکھی ہے اپنی انیس سال کے ہو ابھی اور تمہاری اسٹڈیز بھی مکمل نہیں ہوئی' باتیں اور شوق دیکھو اپنے۔" وہ باقاعدہ لعنت ملامت کرنے لگی۔
"تو تم کچھ سال انتظار کر لو۔"
"کیوں کروں میں انتظار میں سالار کو پسند کرتی ہوں۔ کل میری شادی ہے اس سے سمجھے؟"
"کیا نظر آ رہا ہے تمہیں سالار میں؟" بے بسی کے احساس سے چلا میں رو ہی پڑا۔
"اتنا بڑا ہے وہ تم سے عمر میں... وہ تمہیں مجھ سے زیادہ پیار بھی نہیں دے سکتا۔"
"ہاں ہو سکتا ہے وہ مجھے تم سے زیادہ پیار نہ دے سکیں مگر وہ مجھے وہ تحفظ دیں گے جو تم کبھی نہیں دے سکتے۔ ابھی تو تم خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہو بات بے بات تمہارے آنسو نکل آتے ہیں۔ گڑگڑانے لگتے ہو... میں سالوں سے تمہارے آنسو صاف کرتی آ رہی ہوں اور سالار... وہ میری آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتے۔"
وہ ایسے گن گن کے میری کمیاں اور سالار کی خوبیاں جتا رہی تھی کہ میں اور شدت سے رونے لگا۔
"دیکھو... دیکھو تم پھر سے رو رہے ہو۔"
اس کے استہزائیہ انداز پہ میں بازو موڑ کے اپنی آستین کے کف سے آنسو پونچھنے لگا۔
"تم تو اتنے چھوٹے اور ناسمجھ ہو سعد... کہ ابھی تک محبت کا مطلب تک نہیں جانتے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ پیار کوئی من پسند کھلونا نہیں ہے جو بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ کے ضد کر کے یا پھر رو دھو کے پا لیا جائے۔" اس کے طعنوں تشنوں نے مجھے غصہ دلا دیا۔
"تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ سنانے والی کہ مجھے پیار کا مطلب آتا ہے یا نہیں... بچہ ہوں میں ٹھیک ہے۔ اب یہ بچہ ہی تمہیں بتائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔"
"اچھا کیا کر لو گے تم؟"
میں اس کے سوال پہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا۔

کوئی جواب نہ تھا۔ میرے پاس واقعی میں کیا کر سکتا تھا لیکن اس وقت اس کی تپی باتوں نے مجھے اتنا کم تر محسوس کروا دیا تھا کہ مجھے کچھ تو کہنا تھا کوئی دعوا تو کرنا تھا چاہے کھوکھلا ہی سہی۔

"تمہارے اس سالار کو تو میں دیکھ لوں گا۔۔۔ کیسے لاتا ہے بارات اور کیسے لے کر جاتا ہے تمہیں مجھ سے دور۔"

"سعد۔۔۔"

میرے اس کھوکھلے دعوے اور بے جان سی دھمکی پہ بھی وہ اتنی ہراساں ہوئی کہ اس کا زرد چہرہ اور پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کے میری پچھلی انا کو تسکین سی ملی' بڑا بچہ سمجھ رہی تھی ناں مجھے' کیسے اوسان خطا کر دیے میں نے' مجھے مزا آنے لگا اسے ڈرانے میں۔

"بڑا اترا رہی ہو ناں اس پہ۔۔۔ میں بتا رہا ہوں ہنی۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں' میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ جان دے بھی سکتا ہوں جان لے بھی سکتا ہوں۔"

"سعد۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ۔" وہ شدت سے چلائی تھی۔

"کوئی اور یہ بات کرتا تو مجھے غصہ آتا۔۔۔ مگر تم سے سن کے شرم آ رہی ہے کہ کبھی تمہیں دوست جانا تھا میں نے۔۔۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔۔ اور میری زندگی سے بھی۔"

اس کا وہ ڈر جو مجھے لطف دے رہا تھا۔ بس چند لمحوں کا مہمان تھا اور بس اب پھر وہی نفرت' بے پناہ نفرت۔۔۔ میں پھر سے رو پڑا تھا شکست کے بھرپور احساس نے مجھے گھٹنوں کے بل گرا دیا تھا۔

"ہنی۔۔۔؟"

میرے سسک کے کہنے پہ وہ پھر سے چلائی۔ اسی شدید نفرت کے ساتھ۔

"کبھی بھی مجھے ہنی کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔ تم یہ حق کھو چکے ہو۔۔۔ بلکہ مجھے میرا اصل نام لے کر بھی مخاطب نہ کرنا اور۔۔۔ اور سعد رضوان شاہ ہو سکے تو کبھی مجھے بنا نام کے بھی مخاطب مت کرنا کبھی ملنا تو ایسے جیسے دو اجنبی ملتے ہیں۔"

زہر کے چھینٹے مجھ پہ اچھال کے وہ رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ میں ہارے ہوئے انداز میں اسے حسرت سے دیکھتا رہا۔

کل تک جو ہلکی سی امید میرے اندر سانس لے رہی تھی کہ وہ میری محبت پہ ایمان لے آئے گی۔ آج اس امید نے آخری سسکی لے کر دم توڑ دیا۔

میں اسے کھونے نہیں والا تھا۔

میں اسے کھو چکا تھا۔۔۔

الٹے قدموں میں اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتا وہاں سے نکل آیا اور باقی کے آنسو اپنے کمرے میں آ کے بہائے۔

روتے روتے تھک گیا تو بیگ نکال کے اس میں کپڑے ٹھونسنے لگا۔ میں اسے کسی اور کا ہونے سے روک نہیں سکتا تھا۔ مگر کسی اور کا ہوتے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

بس یہ ایک تھا جو فی الحال میرے بس میں تھا کہ میں یہاں سے دور چلا جاؤں۔۔۔ کم از کم اس ایک دن کے لیے۔۔۔ جب وہ میری آنکھوں کے سامنے سالار کے ساتھ چلی جاتی۔

اتنا حوصلہ کہاں سے لاتا بچا ہی کہاں میرے پاس جو تھوڑی بہت ہمت تھی وہ مجتمع کر کے یہاں سے نکلنے لگا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے مڑ کے دیکھا تھا۔ ہنی کے کمرے کی کھڑکی کے پردے گرے ہوئے تھے اور ان کے اس پار گھپ اندھیرا تھا۔

"کہاں جا رہا ہے سعد۔۔۔ سن تو۔" لنگڑاتا لڑکھڑاتا علی مجھے پکارتا پیچھے آ رہا تھا۔

"کہیں بھی۔۔۔ تجھے کیا؟"

"میں نے مڑ کے دیکھا تو اس کے چہرے پہ نظر آتے مار پیٹ کے نشان مجھے ندامت میں بھگو گئے۔

"مگر کیوں؟ شادی ہے کل۔"

"اسی لیے تو۔۔۔" میں بدستور چلتا رہا۔۔۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے۔

"مجھ سے ناراض ہو کے؟"

وہ لپک کے سامنے آگیا اور میرا راستہ روک لیا۔ مجھے ہنسی آنی چاہیے تھی اس کی اس درجہ خوش گمانی پہ۔۔۔ مگر اس کی سادگی پہ رونا آگیا۔

"دیکھ تو اور مار لے۔۔۔ نکال لے غصہ مگر قسم سے میں نے بیلی کو نہیں چھیڑا تھا تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"علی۔۔۔ ہٹ جا سامنے سے۔"

"نہیں میں تجھے ایسے ناراض ہو کے نہیں جانے دوں گا۔"

"نہیں علی۔۔۔ میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔" میں نرم سا پڑ گیا اس کے سامنے۔

"اور سوری یار۔۔۔ رات تمہیں خوامخواہ ہی۔۔۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے ہنی سے بھی میں نے ابھی اتنی فضول بکواس کر دی۔ جو نہیں کرنی چاہیے تھی لگتا ہے میں پاگل ہو رہا ہوں۔۔۔ اسی لیے جانا چاہتا ہوں تاکہ شادی کے موقع پہ مجھ سے پھر کچھ الٹی سیدھی حرکت نہ ہو جائے۔"

"مگر تو جائے گا کہاں؟"

"ہاسٹل یا کسی دوست کے پاس اور ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا واپس آجاؤں گا خود ہی ایک دو روز میں مگر وعدہ کر تو کسی کو نہیں بتائے گا کہ میں کہاں ہوں۔ ابو کو تو ہرگز نہیں۔"

"مگر تو جا کیوں رہا ہے اور تیرے بغیر یہ شادی کیسے ہو گی آخر؟" اس کی بے تکی بات نے مجھے پھر سے تاؤ دلا دیا۔

"کیوں، میرے بغیر کیوں نہیں ہو سکتی؟ میرے ساتھ ہو رہی ہے کیا؟"

ہاتھ سے اسے بری طرح اپنے سامنے سے ہٹاتا میں وہاں سے نکلا تو پو پھٹنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

"امہانی بیٹا۔"

نائلہ اس کا عروسی لباس اور زیورات کے ڈبے اٹھائے اندر داخل ہوئیں تو اسے خلاف توقع اور خلاف معمول سوتا پایا۔

"امہانی۔۔۔ بیٹا آج اتنی دیر تک سوؤ گی؟ اٹھو بیٹا۔ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔۔۔ بیلی کے ساتھ پارلر بھی جانا ہے تمہیں۔"

اور پاس آنے پہ اسے جگانے کی نیت سے جیسے ہی چھوا تو چونک اٹھیں وہ بری طرح تپ رہی تھی۔

"یا اللہ اتنا تیز بخار۔۔۔ اٹھو امہانی تمہیں تو سخت بخار ہے پھنک رہی ہو۔۔۔ اٹھو ناشتا کرو تو میں تمہیں دوا دوں ذرا طبیعت سنبھلے تو پھر ہی بھیج سکوں گی پارلر۔"

امہانی کراہ کے اٹھی اور سب سے پہلے جلتی بلتی آنکھوں کے ساتھ تکیے کے نیچے سے فون نکال کے دیکھا۔۔۔ سالار کو بھیجے کسی میسج کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اماں پریشان نظروں سے سالار کے کمرے کی حالت دیکھ رہی تھیں۔۔۔ خالی بوتلیں، لڑھکتے گلاس۔

اور خود وہ بے سدھ پڑا تھا۔

"سالار یہ کیا حرکت ہے۔ آج تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے کچھ تو خیال کرتے۔۔۔ ساری رات پیتے رہے کیا؟"

وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہی تھیں مگر اس کی مدہوشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"سالار۔"

بہت پکارنے۔۔۔ بہت جھنجھوڑنے پہ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کی سرخ انگارہ آنکھیں دیکھ کے ڈر کے تھوڑا سا پیچھے ہٹیں۔ عام حالات میں ہی وہ خاصا بد لحاظ ہوتا تھا تو نشے میں تو۔۔۔

"میں تو تمہیں بتانے آئی تھی کہ امہانی کی تائی کا فون آیا تھا۔"

وہ کرنٹ کھا کے اٹھ بیٹھا۔۔۔ سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں امہانی نے خودکشی نہ کر لی ہو اب یاد آیا کہ کل سے اسے کیسے کیسے خوفناک اور دھمکی آمیز پیغام بھیجے تھے۔

"بتا رہی تھیں کہ امہانی کو تیز بخار ہے۔"

"اوہ۔"

وہ پرسکون سا ہو کے دوبارہ لیٹ گیا اور اماں بیماری کی خبر پہ اس کا اطمینان بھرا سانس لینے پہ حیران رہ گئیں۔ پھر وہ ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگا تو اسے قدرے معمول پہ آتا دیکھ کے اماں کی جان میں بھی جان آئی۔

"تیار ہونے لگے ہو؟ ماشاء اللہ مجھے تو کبھی کبھی لگتا تھا تمہیں دلہا بنے دیکھے بنا ہی میں اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔ مگر خدا کا کرم ہے۔ اس نے یہ دن دکھایا۔"

وہ بے تاثر چہرے اور سرد انداز کے ساتھ کوٹ سے ٹائی میچ کرتا ان کو سن رہا تھا۔

"آج تمہارے ابو زندہ ہوتے تو تمہیں دولہا بنے دیکھ کے وہ بھی بہت خوش ہوتے۔"

سالار نے ہاتھ میں پکڑا سوٹ غصے سے دور فرش پہ اچھال دیا اور دھاڑا۔

"آپ نے قسم کھا رکھی ہے ہر موقع پہ میرے سکون کو برباد کرنے کی؟ جان بوجھ کے آپ مجھے تکلیف دیتی ہیں۔"

"سالار میں تو۔۔۔"

وہ گڑبڑا کے وضاحت دینے لگیں۔

"کتنی بار کہا ہے آپ سے۔۔۔ مت کیا کریں اس شخص کا ذکر میرے سامنے اگر آپ کو اتنی ہی یاد آتی ہے ان کی تو اپنے کمرے کی تنہائیوں میں ان کو یاد کر کے رو لیا کریں۔"

وہ خاموشی سے آنسو پیتی وہاں سے جانے لگیں اور سالار نے اندر کی تپش پہ چھینٹے مارنے کے لیے ایک اور بوتل کھول لی۔

☼ ☼ ☼

"کسی کو بتا کے بھی آیا ہے یا نہیں؟" شعیب تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔"

بہت وقت کے بعد میں یہ مختصر جواب دینے کے قابل ہو سکا۔۔۔ دل ہی نہیں چاہ رہا تھا اس کے کسی سوال کا جواب دینے کو۔

"غلط کیا سعد۔۔۔ وہ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"کسی کو میرا خیال بھی نہیں آئے گا۔ ابو نے خود مجھے کمرے سے نہ نکلنے کی تاکید تھی اور آج سارا دن سب بہت مصروف رہیں گے۔"

پھر میں نے جیب سے فون نکال کے اسے آف کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"اور جب تک خیال آئے گا۔ تب تک بہت وقت ہو چکا ہو گا۔ شادی کے عین وقت کوئی مجھے ڈھونڈنے یا واپس لانے کے لیے نہیں نکلے گا۔"

شعیب میرے برابر بیٹھ گیا اور میرے کاندھے پہ ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے خلوص سے کہنے لگا۔

"مرد بن کے حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ ان سے فرار نہیں ہوتے سعد۔"

مگر میں اس کے مخلصانہ مشورے پہ بھی تڑپ اٹھا۔

"ہاں تو بھی دے لے مجھے مردانگی کا طعنہ۔۔۔ کیا مردوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟ اس دل میں درد نہیں ہوتا؟ اور کیا یہ درد ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں لا سکتا اور۔۔۔ اور جو روتے ہیں۔ کیا وہ محبت نہیں کر سکتے۔"

سالار نشے میں دھت لڑکھڑاتا ہوا کار تک آ رہا تھا جہاں اماں پہلے سے تیار اس کی منتظر تھیں۔ اسے اس حال میں دیکھ کے وہ دکھی سے زیادہ پریشان ہو گئیں کہہ بھی نہیں سکتیں تھی کچھ نہ ٹوک سکتی تھیں کہ وہ بر امان کے جانے سے انکار ہی کر دیتا تو کیا کر لیتیں بھلا مگر یہ سوچ سوچ کے ان کی روح ضرور فنا ہو رہی تھی کہ وہاں جانے تک بھی اس کا نشہ نہ اترا تو اس حال میں دیکھ کے سب لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔

"آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی۔ دوسری گاڑی میں جائیں۔"

اس کی آواز تک میں نشہ ڈول رہا تھا۔
"مگر سالار۔۔۔ پہلے ہی تمہارے کہنے پہ میں نے سب مہمان کو براہ راست ہی ہانی کی حویلی پہنچنے کا کہہ دیا ہے حالانکہ بارات کو قرینے سے جانا چاہیے تھا پھر بھی ۔۔۔ اب کم از کم تم مجھے تو۔۔۔"
مگر وہ ان کی بات نظر انداز کرتا اب ڈرائیور پہ برس رہا تھا۔
"منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا۔۔۔ نکالو گاڑی۔"
"تم خود ڈرائیو کرو گے؟"
وہ اس کا ارادہ بھانپ گئیں جبکہ وہ ان کا سوال ان سنی کرتا جیب میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔
"سالار ضد مت کرو۔ تمہاری حالت نہیں ہے خود کار ڈرائیو کرنے کی۔ تم نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ ٹھیک ہے میں دوسری گاڑی میں چلی آتی ہوں لیکن تم ڈرائیور کو ساتھ لے لو بیٹا۔"
سالار نے جیب سے ایک لفافہ نکال کے ان کی جانب بڑھا دیا۔ سرد مہری امنڈ امنڈ کے چھلک رہی تھی۔
"میری شادی کا تحفہ آپ کے لیے۔"
"یہ کیا ہے؟" وہ حیران تھیں۔
"آپ کا ٹکٹ امریکہ کے لیے کل صبح کی سیٹ ہے۔"
"سالار؟ اتنی جلدی آج رات دلہن گھر آرہی ہے اور میں صبح ہی امریکہ چلی جاؤں۔"
"میری دلہن آرہی ہے۔۔۔ میرے لیے آرہی ہے آپ کے رکنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔"
اتنا کہہ کر وہ لاتعلقی سے مڑا اور دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ دیکھے بنا کہ ماں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہی اسے آنسوؤں میں بھیگی دعائیں دے رہی تھی۔ کچھ پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ام ہانی کے چہرے کی سوگواری اور پژمردگی دلہناپے کے سنگھار میں بھی چھپ نہیں پا رہی تھی۔
"ماشاء اللہ کتنا نکھار آیا ہے۔۔۔" نائلہ نے اس کا ماتھا چوما۔
"اوہو بخار ابھی بھی ہے۔۔۔ مہ پارہ اسے ایک اور خوراک دے دینا دوا کی مگر دودھ کے ساتھ۔"
"یہ سعد کہاں ہے بھابھی صبح سے نظر نہیں آیا۔"
مہ پارہ کے پوچھنے پہ وہ بھی فکر مندسی ہو گئیں۔
"پتا نہیں میں سمجھ رہی تھی رضوان نے ڈانٹ کر کمرے میں بند کیا ہے تو احتجاجا" نہیں نکل رہا اب جا کے دیکھا تو وہ ہے ہی نہیں۔۔۔ نہ کمرے میں نہ حویلی ۔۔۔ نہ جانے کب نکلا کسی کو نہیں پتا۔"
ام ہانی بلاوجہ ہی سر جھکا کے اپنی مہندی رچی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔
"کمال ہے فون کرنا تھا بھابھی۔"
"تو کیا نہیں کیا ہو گا؟ مگر فون آف مل رہا ہے۔"
"یا اللہ۔۔۔ یہ لڑکا۔"
ام ہانی کو اس ذکر سے وحشت ہونے لگی۔ دل چاہا ہاتھ جوڑ کے خاموش کرا دے ان دونوں کو۔۔۔
"اللہ کرے آئے یا نہیں۔"
بلی افراتفری میں اندر داخل ہوئی ہمراہ خالہ بتول بھی تھیں۔
"کزنیو۔۔۔ نیاز بتا رہا ہے بارات گھنٹہ پہلے نکل چکی ہے۔ آنے والے ہوں گے وہ لوگ۔۔۔ جا کے نیچے تیاری کرو۔"
"دیکھو تو کیسی لگ رہی ہیں ہانی آپی۔" بلی نے اشتیاق سے گھونگھٹ میں جھانکا۔
"میں ذرا جا کے رضوان سے کہوں۔۔۔ ایک بار پھر سعد کی خبر لیں۔" نائلہ، مہ پارہ کو لیے کمرے سے نکلیں۔
"اف۔۔۔ قیامت آفت۔"
ادھر بلی اسے دیکھ دیکھ کے جھوم رہی تھی۔ خالہ بتول نے اس کے سر پہ ایک چپت لگا کے خاموش کرایا۔
"ماشاء اللہ کہتے ہیں۔۔۔ بے عقل۔۔۔ بے ہدایتی ۔۔۔ دلہن ہو یا دلہا۔ نظر فورا" لگ جاتی ہے اس دن ہر

پل بھاری ہوتا ہے۔"
پھر ان کی نظر کھلی کھڑکی پہ جا پڑی' رات کی سیاہی میں سرخی سی گھل رہی تھی۔
"یا اللہ خیر کیسی لال آندھی اٹھی ہے۔ یہ تو شر ہے نرالا آسمان سے تو پناہ مانگنی چاہیے۔"
باہر نائلہ بھی رضوان سے فکر مندی جتلا رہی تھیں۔
"اتنا خراب موسم۔۔۔ پتا نہیں کہاں منہ پھلا کے بیٹھا ہو گا آپ بھی حد کرتے ہیں اتنا ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"تو ڈانٹ کھا کے وہ کونسا سدھر گیا۔ اب دیکھ لو نئی حرکت' یہ کوئی موقع ہے ایسی اموشنل بلیک میلنگ کا۔ ان سب کاموں کو دیکھیں ہم یا اسے ڈھونڈ کے اس کے آگے ہاتھ پیر جوڑ کے منا کے لائیں۔ ذرا فارغ ہو لوں پھر اس کی طبیعت صاف کرتا ہوں۔ آئندہ مجال نہیں ہو گی اس کی کہ یہ ڈرامے کر سکے۔"
"اچھا۔۔۔ کرتے رہیے گا۔ ابھی تو ایک بار پھر کال ملائیے۔ سب لوگ بار بار اس کا پوچھ رہے ہیں۔ امی ہاں کچھ کہہ نہیں رہی مگر اسے بھی کمی محسوس ہو رہی ہو گی سعد کی۔۔۔ اس کی خاطر ہی اس گدھے کو واپس بلالیں۔"
"اچھا بھئی تمہارے کہنے پہ کرتا ہوں ایک بار۔۔۔ مگر یہ تم اسے شہہ دے رہی ہو۔۔۔ اس بار اچھا ہوتا کہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا جاتا ذرا سا بھی احساس ہوتا۔"
انہوں نے ابھی فون جیب سے نکالا ہی تھا کہ بج اٹھا۔
"اوہ۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ سالار کی والدہ کی کال ہے ہیلو جی۔" اور کچھ ایسا سنا انہوں نے کہ رنگت فق ہو گئی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔"

☆ ☆ ☆

شعیب میس سے کھانا لے کر اندر داخل ہوا تو سرہانے رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اور میں جیسے کانوں میں روئی ڈالے صم بکم بیٹھا تھا۔
"فون سننا نہیں ہے تو آف ہی رہنے دیتے پہلے کی طرح' کان پکا دیے تونے۔" وہ ٹرے میرے سامنے رکھتے بڑبڑایا۔
"بند تھا۔۔۔ مگر تب عجیب بے چینی تھی۔ اب بار بار آنے والی فون کالز اور میسجز سے اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ وہاں میری کمی محسوس ہو رہی ہے۔ کوئی اتنے ہنگامے' ہلچل اور مصروفیت میں بھی مجھے یاد کر رہا ہے۔ پتا نہیں وہ یاد کر رہی ہے یا نہیں۔۔۔ پتا نہیں اسے اپنے کٹھور پن کا احساس ہوا کہ نہیں۔۔۔ پتا نہیں وہ مجھے فون کرے گی یا نہیں۔۔۔"
"سعد۔۔۔ تم ہم اذیت پسند ہو۔"
"نہیں۔۔۔ ہوتا تو یہاں نہ آتا۔۔۔ وہاں رہ کے خود کو شوق سے اذیت دیتا اسے کسی اور کی دلہن بنا دیکھ کے۔"
"بے حس انسان۔ خود کو نہیں۔ تم خود سے وابستہ لوگوں کو اذیت دے رہے ہو سوچو ان سب کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔" تبھی دوبارہ فون بج اٹھنے پہ وہ اٹھا۔
"تم نے نہیں کرنی تو نہ سہی۔۔۔ میں کرتا ہوں بات۔" میں تڑپ کے اٹھ بیٹھا اور فون کی جانب بڑھتے شعیب کو روکا۔
"خبردار جو تم نے انہیں میرے بارے میں کچھ بھی بتایا تو۔"
"بتاؤں گا۔" وہ میری دھمکی کو خاطر میں نہ لایا۔
"ویسے بھی اب کونسا وہ شادی کے وقت سب چھوڑ کے اتنی دور تمہارے نخرے اٹھانے آئیں گے۔ کم از کم میں انہیں اتنی تسلی تو دے دوں۔۔۔ کہ تم خیریت سے ہو۔"
اب کے میں نے نہ روکا۔۔۔ دل میں خیال سا آیا۔۔۔ امی کا ابو کا' واقعی شادی کی خوشی بھی نہ ڈھنگ سے منا رہے ہوں گے وہ۔۔۔ چلو ان کو یہ سکون تو ملے۔
"ہیلو۔۔۔ جی السلام علیکم جی میں سعد کا دوست ہوں۔ شعیب جی وہ سو رہا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جی جی کہیے کیا؟ اوہ کب؟ کون سے

ہسپتال۔"

ہسپتال کا سنتے ہی میں اٹھ گیا اور اس کے پاس چلا آیا۔

"جی ٹھیک ہے وہ آتا ہے ابھی۔۔۔"

چہرے پہ پریشانی کا واضح تاثر لیتے وہ فون بند کرتا میری جانب پلٹا۔

کون سے ہسپتال؟ بڑے دادا گزر گئے؟"

شعیب نے ایک ملامتی نگاہ مجھ پہ ڈالی اور بتایا۔

"بارات لاتے ہوئے سالار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ شدید زخمی حالت میں ہسپتال ہے۔"

☼ ☼ ☼

اور ایسا پہلی بار نہیں تھا کہ میں نے ہاسٹل سے اپنے قصبے تک کا دو گھنٹے کا سفر گھنٹے بھر میں کیا ہو' کتنی بار میں یونہی افراتفری میں اڑتا ہوا ہنی سے ملنے گیا تھا۔ اور آج۔۔۔ آج تو جیسے مجھے صرف پر نہیں لگے تھے۔ ان پروں میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا میں وہاں کیسے پہنچا۔۔۔

راستہ کیسے کٹا۔۔۔ کتنا وقت لگا۔

میں نے وہ سڑک تیز رفتاری سے آتے ٹرکوں اور ویگنوں میں سے کیسے پار کی۔۔۔ ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد کس سے تفصیل لی تھی اور اس نے کیا روم نمبر بتایا تھا بس میں بھاگتا چلا گیا۔۔۔ بھاگتا ہی رہا۔

اس وقت تک۔۔۔ جب تک میری نظر سامنے ان جانے پہچانے چہروں پہ نہ گئی جن پہ ایک انجانی سی دہشت اور خوف اس وقت نظر آ رہا تھا۔

پریشانی سے ٹہلتے ابو۔۔۔

تسبیح کے دانوں پہ زیر لب کچھ ورد کرتیں امی۔۔۔

جائے نماز پہ بیٹھی خالہ' بتول اور۔۔۔ اور ام ہانی۔۔۔

دلہن بنی ام ہانی وہ سر جھکائے ہچکیاں لیے رو رہی تھی۔

میں جب اس سے پہلی بار ملا۔ تو وہ یونہی رو رہی تھی اور میں دور کھڑا سیاہ لباس میں ملبوس اس روتی ہوئی لڑکی کے آنسوؤں کے ساتھ بہتا چلا گیا تھا۔

آج وہ سیاہ لباس کی بجائے سرخ لباس میں تھی۔۔۔

مگر میں' میں آج بھی بہہ رہا تھا ڈوبنے سے بچنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ آج بھی اس کے آنسو مجھے اندر تک گیلا کر سکتے ہیں۔۔۔ میں آج بھی اس کے رونے سے اسی طرح ٹوٹ کر بکھر سکتا ہوں۔۔۔ جیسے پہلی بار بکھر گیا تھا۔

مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ بھلے یہ آنسو وہ سالار کے لیے بہا رہی ہے پھر بھی۔۔۔ پھر بھی میں اس کی آنکھوں میں یہ آنسو نہیں دیکھ سکتا' مجھے سالار کی حالت جان کے خوشی ہونی چاہیے تھی۔ جس شادی کو روکنے کے لیے میں نے ہر حربہ آزمایا اور ناکام رہا وہ شادی اب رک گئی تھی اور ہو سکتا ہے کبھی نہ ہو پائے اگر سالار۔۔۔ مگر میں خوش نہیں ہو پا رہا تھا کیسے ہوتا۔ اسے رلا کے کیسے خوش ہوتا؟

نہیں ام ہانی تمہیں رونا نہیں چاہیے نہ میری وجہ سے نہ ہی سالار کی وجہ سے اگر سالار کے دور جانے سے تم دکھی ہوتی ہو۔ تو ٹھیک ہے۔ سالار کو تم سے دور نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ بس تم دکھی مت ہونا' تم رونا مت' مت رونا تم۔

میں اس سے کچھ قدموں کے فاصلے پہ کھڑا نم آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ امی مجھے پکارتے ہوئے اٹھیں۔

"سعد۔۔۔ آگئے تم۔"

میرا نام سن کے اس کا ہچکیاں لیتا وجود تھما اس نے نظر اٹھا کے مجھے دیکھا۔ اٹھی اور پھر برق رفتاری سے میری جانب دوڑتی آئی۔ میرے بازو خود بخود پھیل گئے۔ اور دل میں ایک یقین سا اتر آیا۔ کہ تمام تر ناراضیوں۔۔۔ گلے شکووں کے باوجود آج بھی۔ میری ہنی کو آنسو بہانے کے لیے میرا ہی کاندھا چاہیے ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ میرے ہی گلے لگ کے اپنا غم ہلکا کرتی ہے۔

میں اس کے آنسو اپنے اندر اتارنے اور اس کا درد خود میں سمونے کے لیے بازو پھیلائے اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ بھاگتی ہوئی آئی اور ایک زناٹے دار تھپڑ میرے چہرے پہ دے مارا۔۔۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں؟"

میرے بازو بے جان ہو کے میرے پہلو میں آن گرے اور میں بت بنا اسے چلاتے دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک کے بعد دوسرا۔۔۔ دوسرے کے بعد تیسرا تھپڑ وہ مجھے مارتی چلی گئی۔۔۔ میرے ساتھ باقی سب بھی حیرت کے اتنے شدید اثر میں تھے کہ اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکے۔ وہیں جمے ششدر انداز میں اس کی ہذیانی کیفیت کو دیکھ رہے اور شاید سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم اس کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو؟ یہ کیسی محبت ہے سعد؟ محبت تو دکھ نہیں دیتی۔۔۔ محبت اعتبار نہیں توڑتی محبت کرنے سے پہلے محبت کرنا تو سیکھ لیتے۔"

میں اس سے تھپڑ کھاتا جا رہا تھا۔۔۔ بنا کسی مزاحمت کے۔ اور اب وہ میرا کالر دبوچ کے میرے گریبان کو جھٹکے دے رہی تھی۔

"تمہیں پتا بھی ہے محبت ہوتی کیا ہے؟ محبت صرف پانے کا نام نہیں ہے کہ کچھ بھی کر کے کسی بھی طرح بس پا لیا جائے۔۔۔ حاصل کر لیا جائے۔ محبت دینے کا نام ہے۔۔۔ بتاؤ کچھ دینے کا حوصلہ ہے تم میں؟"

روتے روتے وہ ادھ موئی سی ہو گئی۔ بے جان اور بھربھری ریت کی طرح ڈھے کر نیچے گرتی جا رہی تھی۔۔۔ میرا کالر اب بھی اس کی مٹھیوں میں قید تھا تو میں بھی آہستہ آہستہ نیچے ہوتا گیا اور گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھ گیا جہاں بیٹھی وہ بلک بلک کے دم توڑتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"بہت غصہ آتا ہے ناں۔۔۔ جب میں تمہیں چھوٹا کہتی ہوں لیکن اب تم خود اپنی نظروں میں کتنے چھوٹے ہو گئے ہو اس کا احساس ہے تمہیں۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا' بولو تم سے ناراض ہونے کے باوجود تمہاری سب فضول حرکتوں کے بعد بھی میں تمہارے لیے دعائیں کرتی رہی اور تم۔۔۔ تم نے میری زندگی کی واحد خوشی مجھ سے چھیننا چاہی۔ مار دیا اسے۔۔۔ مار دیا۔"

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی اور اگر ابو آ کے اسے سنبھالتے ہوئے یہ بات نہ کہتے تو شاید میں کھڑے کھڑے وہیں خود کو بھی مار ڈالتا۔

"ہانی بیٹا ایسے مت کہو۔۔۔ کچھ نہیں ہوا سالار کو۔" وہ اسے کاندھوں سے تھام کے اٹھانے لگے۔

"معمولی ایکسیڈنٹ تھا۔ ڈاکٹرز تسلی دے چکے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں تم خود اسے صحیح سلامت دیکھ لینا۔"

یہ سنتے ہی وہ ابو کے سینے لگ کے پھر سے رو دی۔۔۔ ابو نے بہت دھیرے سے میرا گریبان اس کی مٹھیوں سے آزاد کرایا پھر ایک گہری خاموش نظر میرے چہرے پہ نظر آتے اس کے تھپڑوں کے نشان پہ ڈالی۔ مگر امی خاموش نہ رہ سکیں ابھی تک وہ شاید حیرت کے شدید دھچکے کے زیر اثر تھیں مگر جب ام ہانی کی باتوں کا مطلب سمجھ آیا تو پاس آتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں مگر شدید غصے میں کہنے لگیں۔

"رضوان۔۔۔ کیا بکواس کر رہی ہے یہ۔۔۔ یہ صلہ دے رہی ہے یہ ہمارے اتنے سالوں کے احسان کا؟"

یہ سن کے میرے ساتھ ساتھ ہانی نے بھی ابو کے سینے سے سر اٹھا کے بے یقینی سے انہیں دیکھا کیونکہ ان کا یہ انداز۔۔۔ یہ روپ' یہ لہجہ سب نیا تھا۔

"کیوں تماشا بنا رہی ہو اپنا بھی اور ہمارا بھی۔۔۔ یاد رکھو کہ تمہارا ہونے والا شوہر اور اس کی ماں بھی یہیں موجود ہیں۔ انہیں بھنک بھی پڑی تو سعد کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی۔۔۔"

"امی پلیز۔"

میں نے ٹوکا اور پھر انہیں کاندھوں سے تھام کے وہاں سے لے جانے لگا۔ اور ابو اب ہانی کو تسلی دے رہے تھے۔

"پریشان ہے نائلہ بھی۔ تم دل پہ مت لینا اور فکر مت کرو ڈاکٹرز نے اطمینان دلایا ہے کہ سالار کو کوئی خطرناک چوٹ نہیں آئی۔ شاید ایک نہیں تو دو دن میں اس کو ڈسچارج بھی کر دیں گے۔ اور بیٹا سعد کا اس

سارے قصے میں کوئی قصور نہیں۔۔۔ سالار نے ابھی خود پولیس کو بیان دیا ہے کہ اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے کار ایک ٹرالر سے ٹکرائی تھی اور سعد۔۔۔ وہ تو سیدھا ہاسٹل سے آرہا ہے۔"

امی کو وہاں سے لے جاتے ہوئے میں نے یہ سب سنا تو۔۔۔ مگر مڑ کے ہانی کے تاثرات دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔ پتا نہیں اس نے اس سب پہ یقین بھی کیا یا نہیں۔

☼ ☼ ☼
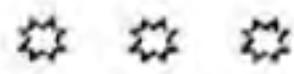
خالہ بتول کی زبانی سارا واقعہ حویلی کے ایک ایک فرد تک پہنچ چکا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔ یہ سب ہوتا رہا حویلی میں۔۔۔ اور کسی کو پتا ہی نہیں تھا۔" مہ پارہ کو موقع ملا تھا کھولن نکالنے کا۔

"اور دیں بچوں کو آزادی۔۔۔ میں کچھ کہتی تھی تو آپ میری زبان پکڑ لیتی تھیں۔۔۔ بچے ہیں۔۔۔ بچپن کا ساتھ ہے۔"

"ایک ساتھ پلے بڑھے بچوں میں لگاؤ تو ہو ہی جاتا ہے۔ بلاوجہ بات کا بتنگڑ نہ بناؤ۔" رضوان نے ٹوکا تو وہ بگڑ گئیں۔

"میری تو ہر بات بری لگتی ہے۔ میں ہمیشہ بھابھی کو خبردار کرتی رہی کہ سعد کو دور رکھیں ہانی سے وہ اس پہ چھائی جا رہی ہے۔ سعد کو کچھ سوجھتا ہی نہیں ہانی کے علاوہ اور یہ ٹھیک نہیں ہے مگر۔۔۔"

"مہ پارہ۔"

اس بار رضوان نے ذرا زیادہ سختی سے ٹوکا۔

"گھر مہمانوں سے بھرا ہے کیوں معاملے کو اچھال رہی ہو۔"

"ہونہہ۔۔۔"

وہ سر جھٹک کے احتجاجاً وہاں سے چلی گئی۔۔۔ اور اب تک خاموش بیٹھی نائلہ نے اس کے جانے کے بعد اس کی تائید کی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے اور ہمیشہ صحیح ہی کہتی تھی۔۔۔ میں ہی تھی جو جان بوجھ کے ٹالتی تھی۔ ہاں ہوں کیا سعد کے دل کے حال سے انجان رہ سکتی تھی مگر انجان بنی رہی کہ بات دبی ہے تو دبی رہے۔"

رضوان نائلہ کے اس انکشاف یا اعتراف پہ دنگ رہ گئے۔

"نائلہ۔۔۔ تم جانتی تھی سعد کی چاہت؟"

"ہاں۔۔۔" انہوں نے تسلیم کیا۔

"مگر یہ چاہت نہیں۔۔۔ اس کا بچپنا تھا۔ ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے اور پھر ہانی۔۔۔ وہ اس سے بڑی ہے کافی، خیر جو ہوا سو ہوا۔ مگر ہانی کو بھی سعد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا پہلے میرے معصوم بچے کو شہہ دی پھر شادی کے لیے کسی اور پسند کیا۔ اور تو اور اس پہ اتنا بڑا الزام تک لگا دیا۔۔۔ کیا میرا معصوم بچہ قاتل ہو سکتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"نہیں نہیں ایسی کوئی تشویش والی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر سالار کی اماں کو تسلی دے رہا تھا۔

"معمولی چوٹیں ہیں ایک دو دن میں ڈسچارج ہو جائیں گے۔"

"دراصل مجھے آج ہی امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔۔۔ مگر دل نہیں مانتا۔۔۔ ملتوی تو کر دیا ہے ارادہ۔۔۔ بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ ابھی اسے میری ضرورت ہے تو میں کب تک رکوں یہاں؟"

"آپ ماں ہیں۔۔۔ آپ کی ضرورت تو انہیں تا عمر رہے گی۔" ڈاکٹر مسکرایا تھا۔۔۔ مگر وہ جواب میں مسکرا تک نہ سکیں۔

"ایکسیڈنٹ تو بہت خطرناک تھا۔۔۔ یہ تو معجزہ ہے کہ ان کو کوئی بہت سیریس انجری نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن اس طرح ڈرنک ہو کر ڈرائیونگ کرنا ضرور خطرناک ہے۔ انہیں احتیاط کرنی چاہیے۔"

ڈاکٹر کی بات سن کے تو وہ شرمندہ ہو ئیں ہی۔۔۔ مگر تبھی دروازے پہ اندر آتے آتے ٹھٹک کے رکتی نائلہ کو دیکھ کے تو مارے شرمندگی کے سر ہی جھکا لیا۔

"اس ایکسیڈنٹ میں تو انہیں کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا۔۔ مگر الکوحل انہیں کوئی دوسرا نقصان ضرور پہنچا سکتی ہے کب سے کر رہے ہیں یہ شراب نوشی؟"
نائلہ بجھے دل کے ساتھ پلٹ گئیں مگر پھو پھو ہیں رک کر ان کا انتظار کرنے لگیں دل میں عجیب سے وسوسے بھی جاگ رہے تھے اور عجیب سی کشمکش اور تذبذب بھی۔
کچھ دیر بعد اماں اسی شرمندگی کے تاثر کو چہرے پہ سجائے نکلیں تو نائلہ نے فوراً" ان کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔
"سالار ایکسیڈنٹ کے وقت نشے میں تھا؟" وہ خاموش رہیں تو دوسرا سوال۔
"صرف اس وقت؟ یا اکثر رہتا ہے؟"
"شادی کے بعد چھوڑ دے گا آہستہ آہستہ۔" اماں کا لہجہ پست تھا۔
"ام ہانی بہت اچھی بچی ہے۔ بڑی نیک بخت۔۔ اس کی سب بری عادتیں چھڑوا دے گی۔"
نائلہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔۔ اور پھر ایک سرد آہ بھر کے رہ گئیں۔۔ آنے والے وقت میں نظر آتا موہوم سا خدشہ انہیں اس تلخ سچائی کو پی جانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ انہوں نے سالار کی ذات کے حوالے سے سامنے آنے والی اس بدصورت اور کریہہ سچائی کو مصلحت کے پردے سے ڈھانپ دیا۔

☼ ☼ ☼
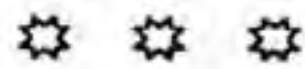
آج دوسرا دن تھا مجھے یہاں۔۔ جب سے آیا تھا۔۔ ہاسپٹل میں ہی تھا علی ابو امی سب بار بار مجھے جانے کا کہہ رہے تھے۔ مگر میں اتنا بدصورت داغ لے کر یہاں سے کیسے چلا جاتا۔۔ بنا اسے دھوئے۔
سالار کو خون کی فوری ضرورت تھی۔۔ وہ میں نے دیا۔۔ اگر میری جان کی ضرورت پڑتی۔۔ میں وہ بھی دے دیتا۔
اگرچہ سالار کی نظروں میں میرے لیے ایک سرد مہر بے زاری تھی۔۔ لیکن میں کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر دن رات اس کی تیمارداری میں مصروف تھا۔ پروا تھی تو اس بات کی کہ ہنی کو یقین دلا سکوں کہ مجھے اس کی خوشیاں عزیز ہیں۔۔ اس کی خوشی کی خاطر میں اسے سالار کا ہوتے دیکھنے کا بھی حوصلہ کر سکتا ہوں۔
وہ سب دیکھ رہی تھی۔۔ میرا رات بھر جاگنا۔۔ دن بھر سالار کے روم کے باہر ایک ٹانگ پہ کھڑے رہنا۔
سب دیکھ رہی تھی۔۔ وہ چپ چاپ۔۔
اور میں بھی سب دیکھ رہا تھا چپ چاپ۔۔ اس کا سالار کے سرہانے بیٹھ کے آنسو بہاتے دعائیں مانگنا۔۔ سالار کے ہوش پہ اس کا بھاگ کر اس کے روم میں جانا۔۔ مگر اب کسک نہیں ہوتی تھی نہ جلن۔
صرف ایک خلش باقی تھی۔۔ کہ کاش اس رات میں نے یونہی وہ بے تکے دعوے نہ کیے ہوتے۔۔ وہ کھوکھلی دھمکیاں نہ دی ہوتیں تو ام ہانی کے دل میں پل بھر کے لیے یہ وہم نہ آتا کہ میں ایسا کچھ کر سکتا ہوں۔

☼ ☼ ☼

وہ سالار کے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک مسلسل اس کے سامنے بیٹھے روئے جا رہی تھی۔۔ اور وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔
"آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔۔"
"تو تم اور زیادہ روتیں۔۔"
"نہیں۔۔ میں بھی زندہ نہ رہتی۔"
"زندہ نہ رہنے کی خواہش کرنا بہت آسان ہے مگر اس خواہش کو پورا کرنا مشکل۔۔" وہ طنز سے مسکرایا تھا۔
"زندہ رہنا پڑتا ہے ہانی۔۔ جانتی ہو میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک تم خود چل کے نہیں آؤ گی مجھے منانے۔۔ میں بھی اپنے کہے الفاظ سے پیچھے نہیں ہٹا۔۔ جو کہہ دیا وہ پتھر پہ لکیر لیکن اس بار میں نے خود سے کیا عہد توڑنا چاہا۔۔ میں آ رہا تھا ام ہانی۔۔ اپنی زبان سے پھر کے مگر قدرت کو منظور نہیں تھا۔ اس نے میرے عہد کا بھرم رکھ لیا۔" ام ہانی نے بے تابی سے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اب آپ کو منا رہی ہوں ناں.... سوری بھی کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کے آپ کو نظرانداز نہیں کیا تھا نہ کبھی کر سکتی ہوں۔ آپ سے اہم میرے لیے کچھ بھی نہیں اور میں نے واقعی آنے کی بہت کوشش بھی کی تھی۔ مگر...."

وہ پھر سے رو پڑی اور سالار اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے مہندی دیکھنے لگا جو ابھی بھی مدھم نہیں پڑی تھی۔

"تم نے اپنے ہاتھ پہ مہندی سے میرا نام لکھا؟"

ہانی چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ جہاں ہتھیلی کے ابھار پہ ایس لکھا تھا... وہ رونا ہی بھول گئی... گم صم سی۔

"کیا تم نہیں جانتی کہ مہندی کا رنگ کتنی جلدی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مٹ جائے گا میرا نام۔"

"مگر دل پہ لکھے نام کو کون مٹائے گا سالار۔"

اس نے سالار کی نظروں سے چھپانے کے لیے مٹھی ہی زور سے بھینچ لی... جیسے ڈر ہو وہ جان ہی نہ جائے یہ حرف اس کے نہیں کسی اور کے نام کا حصہ ہے جسے اس نے خود لکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سعد آج بھی نہیں آیا؟"

نائلہ نے رضوان کو پھر سے اکیلے ہی واپس آتے دیکھا تو تشویش سے پوچھا۔

"نہیں بہت کہا۔ مگر نہیں مانا۔"

"کمال ہے۔ وہاں اتنے لوگ ہیں اس کا خیال رکھنے کو... سعد کا کوئی ضروری نہیں ہے ہسپتال رکنا۔ آپ بس کسی طرح اسے واپس بلائیں۔ اس کا اور ام ہانی کا بار بار سامنا ہونا ٹھیک نہیں ہے بلکہ... بلکہ اسے کل ہی دوبارہ ہاسٹل بھیجیں نہیں... بیرون ملک بھیج دیں۔" نائلہ کے گھبرائے انداز پہ رضوان حیران ہوئے۔

"نائلہ تم تو دوسرے شہر اسے بھیجنے کے لیے اتنی مشکل سے مانی تھیں اب ملک سے باہر بھیجنا چاہتی ہو۔"

"اس کی اور ہانی دونوں کی بہتری کے لیے کر رہی ہوں... ہانی کا گھر کبھی نہیں بس سکے گا اگر سعد یونہی ... اور ہاں... سالار کی اماں اگلے ہفتے جا رہی ہیں امریکہ اس سے زیادہ نہیں رک سکتیں آپ دو تین دن کے اندر سالار کا نکاح پڑھوائیں ہانی سے اور رخصت کریں۔"

"نائلہ تم یکے بعد دیگرے اوٹ پٹانگ باتیں کرتی جا رہی ہو کل صبح سالار ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہا ہے اور میں پرسوں اسے بیٹی رخصت کرانے کا کہوں۔"

"پرسوں نہ سہی دو دن بعد... سادگی سے کروا دیں ... مگر خدا کے لیے اب تاخیر نہ کریں۔ تبھی میری گھبراہٹ اور خوف ختم ہوں گے اور سعد کا پاگل پن بھی ٹھکانے لگے گا۔"

وہ رو پڑیں تو رضوان کچھ مزید نہ کہہ سکے۔

☆ ☆ ☆

اندر عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی تو میں باہر نکل آیا۔ حالانکہ باہر رات کے اس وقت خنکی بڑھ جاتی ہے۔ میں بازو سینے سے بھینچے باقاعدہ ٹھٹھر رہا تھا جب علی آ گیا۔

"مجھے انکل نے بھیجا ہے یہاں رات رکنے کو... تو واپس چلا جا سعد۔"

"نہیں... تمہیں رکنا ہے تو رکو... میں نہیں جاؤں گا۔ جب تک خود سے یہ الزام نہیں دھو لیتا۔"

میں ستون سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ اور علی سنجیدہ سا ہو کے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگا۔

"مجھے تو اندازہ ہی نہیں ہوا سعد... اور جب پتا چلا تو ... مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"جانتے ہو علی... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ جب سے اسے دیکھا ہے اس سے محبت کی ہے۔ مگر میں نالائق... بدھو محبت سکھنا بھول گیا۔

پہلے سیکھنی چاہیے تھی ناں یار۔۔۔ اب کم از کم اب تو مجھے سیکھنے دے۔" پچی پکی سی ہانڈی اتار کے اس کے سامنے رکھ دی بھول گیا کہ بہت وقت لگتا ہے پتھر کو پارس بننے میں۔"
علی کی نظروں کے تعاقب میں مڑ کے دیکھا تو ہانی کمبل لیے میرے بالکل پیچھے کھڑی تھی۔ نجانے کب سے۔
"یہ لے لو۔۔۔ سردی ہے۔"
"مجھے نہیں لگتی۔" میں نے دوبارہ رخ پھیر لیا۔
"آئم سوری سعد۔۔۔ مجھے حقیقت جاننے سے پہلے تمہیں الزام نہیں دینا چاہیے تھا۔"
"کہیں نہ کہیں تو میں ہوں ذمے دار۔۔۔ اور قصور وار بھی میری بددعائیں تمہاری دعاؤں سے اور میری نفرت تمہاری محبت سے ٹکرا رہی تھی۔۔۔ جس خدا سے تم نے سالار کو پانے کی منت مانی تھی۔ اس خدا سے میں نے بھی سالار کو تم سے دور کرنے کی منت مانی تھی۔ شاید اسی لیے۔" وہ خاموشی سے کمبل علی کو تھما کے چلی گئی۔ وہ رات بھی کٹ گئی۔
صبح سالار ڈسچارج ہو کے اپنے گھر چلا گیا اور میں دو راتوں کی تھکن چہرے پہ لیے حویلی لوٹ آیا۔
"سالار چلا گیا گھر؟"
جو گرز اتار رہا تھا جب امی نے اندر آتے ہی بلا مقصد سوال کیا۔۔۔ جبکہ جواب وہ "یقیناً" جانتی ہیں۔
"جی۔"
"چلو اچھا ہوا اب تم کم از کم اس کے پیچھے گھر نہ چلے جانا ویسے تو ہسپتال بھی اتنا رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خیر اب ذرا احتیاط کرو۔۔۔ گھر میں کافی مہمان ہیں۔۔۔ مہ پارہ کی زبان کے آگے تو ویسے بھی خندق ہے اور اوپر سے خالہ بتول کہیں بات پھیل نہ جائے۔"
"کیوں رکے ہیں سب ابھی تک واپس کیوں نہیں جاتے۔" میں نے بے زاری سے جاگرز ایک جانب پھینکے۔
"چلے جائیں گے جس کام کے لیے آئے تھے اب وہ کام کر کے ہی جائیں گے۔ پرسوں نکاح کے بعد ہم ہانی کو سادگی سے رخصت کر رہے ہیں۔"
اپنے تئیں یہ انکشاف کرنے کے بعد انہوں نے بڑی ٹٹولتی اور کریدتی سی نگاہ مجھ پہ ڈالی تھی۔۔۔ مگر میں کمال ہوشیاری سے اپنے اندر کے طوفان کو چھپائے اب الماری سے کپڑے نکال رہا تھا۔
"اچھا۔" بڑے سکون سے میں نے فقط اتنا کہا۔
"اور اس سے اگلے دن کی تمہاری سیٹ کنفرم ہے۔"
ایک جانب سے مطمئن ہوتے ہی انہوں نے اگلا دھماکا کیا جو کہ "یقیناً" زیادہ بڑا اور چونکانے والا نہیں تھا کہ ابو مجھے بتا چکے تھے۔ مگر پھر بھی میں زچ ہوا تھا۔
"آپ کیوں چاہتی ہیں ایسا؟ کیوں مجھے گھر سے اور خود سے دور کر رہی ہیں؟ سزا کے طور پہ۔"
"ماں ہوں سعد۔۔۔ اولاد کا ہر رنگ، ہر ڈھنگ پہچانتی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہارے اشارے کنائے نہیں سمجھتی تھی سب سمجھتی تھی۔۔۔ سعد۔ مگر ہنس کے ٹالتی تھی تمہاری بے قراریاں نظر آتی تھیں مجھے اور حماقتیں بھی۔۔۔ مگر چشم پوشی کرنا لازمی تھا۔"
یہ تھا اصل دھماکا۔۔۔ میں ہل کے رہ گیا۔
"ٹالتی رہی۔۔۔ نظرانداز کرتی رہی۔۔۔ جان کے انجان بنی رہی کہ تم کھل کے مجھ سے وہ نہ مانگ لو جو میں نہ دے سکتی تھی نہ دینا چاہتی تھی۔ اسی لیے تو ہانی کے رشتے کے لیے اتنی بے چین تھی میں کہ وہ حویلی سے تمہاری زندگی سے دور ہو جائے تاکہ تم اس کے اثر سے آزاد ہو جاؤ۔"
"امی۔۔۔"
میں بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔
ایک ایک کر کے بہت سے مان اور بہت سے بھرم ٹوٹ گئے۔
"آپ۔ آپ جانتی تھیں۔ تو پھر۔ کیوں؟ مائیں تو اولاد کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔"
"یہ خواہش نہیں بچپنا تھا وہ پانچ چھ سال بڑی ہے تم سے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے۔ بلکہ اس حویلی کے

اکلوتے وارث۔ تمہیں لڑکیوں کی کیا کمی۔ جب تک تم تعلیم مکمل کرکے اس قابل ہوگے۔ وہ تیئس سال کی پکی عمر کی عورت ہوگی۔ میں نے بھی کچھ خواب دیکھ رکھے ہیں تمہارے بارے میں۔ کیا میرے بیٹے کی دلہن بن کے ایک پختہ عمر کی یتیم لڑکی آئے۔"

میں کتنی دیر انہیں افسوس اور ملامت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اب سارے گلے شکوے فضول تھے۔ بوجھل دل کے ساتھ میں کھنڈر کی جانب آنکلا۔

وہی دیواریں۔ وہی جابجا لکھے اس کا اور میرا نام۔

کاش جتنا آسان دیوار اور پیڑ پہ ان دونوں کو ایک ساتھ لکھنا تھا۔ اتنا ہی آسان زندگی میں ان کو ایک ساتھ دیکھنا بھی ہوتا۔

"آئی لو یو۔ آئی لو یو۔" اپنے ہی کہے الفاظ کی بازگشت مجھے چاروں جانب گونجتی سنائی دی۔ میں نے گھوم کے دیکھا۔

کھائی میں کچھ گرتا نظر آرہا تھا۔

پھر دھڑام سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔

"تمہارے یہ تین الفاظ ان دیواروں سے ٹکرا کے اس کھائی میں جاگرے ہیں۔ ان کی یہی اوقات تھی۔"

میرے کانوں میں ہنی کی سرگوشی پھنکار بن کر ابھری۔ میں نے جیب سے وہ آخری پتھر نکالا۔ جو بھی اس نے اپنے ہونٹوں سے چھو کے پھینکا تھا۔ اس پتھر کو۔ اس لمس کو اس کھائی میں ان تین لفظوں کے برابر گرا کے میں نے خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کیا میں اب دل و دماغ دونوں طرح سے بھرپور تیار تھا پورے حوصلے' کمال ضبط اور وقار کے ساتھ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہارنے کو۔

☼ ☼ ☼

آج پورے چالیس گھنٹے بعد میں اس کا سامنا کرنے جارہا تھا۔ یہ چالیس گھنٹے ہم نے ایک ہی چھت کے نیچے گزارے تھے مگر میں دانستہ اس سے کتراتا رہا تھا۔ لیکن کب تک۔ وہ اس حویلی میں چند گھنٹوں کی مہمان تھی۔

دروازہ کھولتے پہ ہنی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ وہ پھر سے دلہن کے روپ میں تھی۔ میں تاب نہ لاسکا اور نظر جھکا کے کہا۔

"میں۔۔۔ میں سوری کہنے آیا ہوں ہنی۔"

"سوری تو مجھے کہنا چاہیے تھا سعد۔" اس دن بنا سوچے سمجھے سب کے سامنے میں نے۔۔۔ ورنہ سالار کو تو زندگی اور صحت شاید ملی ہی تمہاری دعاؤں اور خدمت سے ہے۔ جو تم نے اتنی محبت سے کی۔

"تم ٹھیک کہتی تھی ہنی۔ یہ شاید محبت نہیں تھی۔ محبت تو اتنی جلدی ہار نہیں مانتی۔ اور میں نے۔ میں نے ہاریاں لی ہے۔ شاید نہیں۔ یقیناً۔ "یقیناً" یہ محبت نہیں تھی۔ مگر محبت جیسی کوئی چیز ضرور تھی۔ اور اس چیز نے میرا بڑا نقصان کیا۔ میری سب سے اچھی دوست مجھ سے چھین لی۔"

"ایسا نہیں ہے سعد۔"

"ایسا ہی ہے اور میں اس کے لیے تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ قصوروار میں ہوں۔ غلطی میری تھی۔ سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔ اور مل بھی رہی ہے۔ میں جارہا ہوں ہنی۔"

"جا تو میں رہی ہوں بدھو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

اور کتنے دنوں بعد اس نے مجھے "بدھو" کہہ کر پکارا تھا۔ میں آگے بڑھا اور پیروں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کی گود میں رکھے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ کتنی بار میں نے ان ہاتھوں کو تھاما تھا۔ سہلایا تھا۔ اور آج چھوتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ وہ شاید میری جھجک کو بھانپ گئی۔ دھیرے سے اس نے خود اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

ایک ممنونیت بھری نگاہ اس پر ڈال کے میں مسکرایا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔ امید تو نہیں تھی۔ مگر لگ رہی ہو۔" اس نے پھر مسکرانا چاہا۔ مگر آنکھیں ساتھ نہ دے پائیں۔ چند آنسو چھلک کے گال پہ بہہ نکلے جن کو انگلی کی پور پہ میں نے چن لیا۔

"نہیں ہنی۔ آج کے بعد رونا مت۔ جب جب تم روؤ گی۔ مجھے لگے گا تم نے میری غلطی کو معاف نہیں کیا۔ تمہارے آنسو مجھے بددعا کی طرح لگیں گے۔ کبھی مت رونا ہنی۔ کبھی بھی نہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے انکار میں سر ہلانے لگی اور سارے آنسو جو پلکوں کی منڈیر پر جھانک رہے تھے اپنے اندر اتار لیے۔

"نہیں روؤں گی۔ وعدہ۔"

"دیکھو ہنی۔ میں بھی نہیں رو رہا۔ دل چاہ رہا ہے پھر بھی نہیں۔ تم نے کہا تھا ناں کہ میری آنکھوں میں ہر وقت آنسو ہوتے ہیں۔ دیکھو۔ اب نہیں ہیں۔ میں نہیں رو رہا۔ نہ کبھی روؤں گا۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

"بدھو۔ مجھے یاد بھی نہ کرنا۔ کبھی؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں ہنسنے کی کوشش کرتا آہستگی اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہاری شادی کے لیے کوئی تحفہ نہیں لے سکا اور تو کچھ ہے نہیں تمہیں دینے کے لیے۔۔۔ دعا دے دوں؟"

اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ گردن اٹھائے وہ مسلسل مجھے دیکھتی جارہی تھی۔ میں ذرا سا جھکا اور بہت عقیدت کے ساتھ اس کی پیشانی پہ ایک بوسہ دیا۔

"ہمیشہ خوش رہو۔"

ام ہانی کی آنکھیں بند تھیں اور جب تک کھلیں میں کمرے سے جاچکا تھا اور کھلے دروازے سے سلمٰی کی کڑک دار آواز ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اندر آرہی تھی۔

تیرے محلوں دے رنگلے بوہے۔۔۔

تے توں چوں میری ڈولی لنگنی۔

میں بھاگتا ہوا سیڑھیاں اترا اور ایسے ہی بھاگتے ہوئے لان تک گیا۔ جہاں بارات کی آمد آمد تھی۔ میرے قدموں میں بجلی بھری تھی جیسے ذرا ٹھہرا تو پتھر کا ہو جاؤں گا۔ سب حیرانی سے مجھے بارات کے ساتھ بلکہ آگے آگے ڈھول کی تھاپ پہ بھنگڑا ڈالتا دیکھ رہے تھے کئی ایک نے تو دبے لفظوں میں کہا بھی۔

"ارے۔ سعد۔۔۔ تم لڑکی والے ہو بارات کے ساتھ کیوں ناچ رہے ہو۔"

مگر مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ میں بس خود کو بے حد خوش، بہت سرشار دکھانا چاہتا تھا یا شاید۔۔۔ شاید میں اپنے اندر کی تڑپ کو اس بہلانے نکالنا چاہ رہا تھا۔ ہنستے مسکراتے میں نے سالار کا سواگت بھی کیا۔ نکاح کے بعد چھوہارے بانٹنے اور مٹھائی سے سب کا منہ میٹھا کروانے میں بھی میں ہی پیش پیش تھا۔ ہر ایک کے ساتھ چپک چپک کے اور سارے دانت ہونٹوں کے شوکیس پہ سجا کے تصویریں بھی بنوائیں۔

اور پھر رخصتی کے وقت قرآن پاک ہاتھ میں لیے بھی میں ہی سب کے درمیان راستہ بناتا آگے آیا اور ابو کے گلے لگی ام ہانی کے سر پہ اس کا سایہ کر کے دہلیز پار کرائی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ذرا سا مڑ کے مجھے دیکھا میرے چہرے پہ صبح سے وہی بھرپور مسکراہٹ سجی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی کار کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی یہ مسکراہٹ نہ گئی۔ سب ایک ایک کر کے چلے گئے۔

کچھ حویلی کے اندر کچھ واپس اپنے گھروں کو۔ مگر میں وہیں گیٹ کے پاس کھڑا مسکراتا ہوا اس موڑ کو دیکھ رہا تھا۔ جو اسے کسی اور راستے کا مسافر بنا کے لے گیا تھا پھر کسی کے سسک کے رونے کی آواز پہ پلٹ کے دیکھا لان میں جھولے پہ بیٹھی وہ بیلی تھی۔

"تم کیوں رو رہی ہو؟" میں اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دوپٹے سے ناک صاف کرتی بسوری۔

"رخصتی پہ تو سب کو رونا آتا ہے آپ کو نہیں آرہا؟"

"آرہا ہے، مگر میرے رونے پہ پابندی ہے تاحیات۔"

"ہاں آپ کیوں روئیں گے آپ تو ایسے ناچ رہے تھے بارات کے ساتھ جیسے لڑکے کے شہ بالا ہوں۔" وہ ناک چڑھاتی اٹھ کے جانے لگی۔

"سنو بلی۔"

"اب کیا ہے؟"

"تمہیں پتا ہے کہ اس دن میں نے علی کو کیوں مارا؟"

"ہاں میری وجہ سے۔ تھینک یو۔"

"نہیں وہ نہیں میں۔ تمہیں چھیڑنے والا تھا چٹکی کاٹنے جا رہا تھا تمہیں اس نے تو روکنے کی کوشش کی اور میں نے اسے پیٹ ڈالا۔"

"کیا؟"

"ہاں۔ سچ۔ اچھا سنو یہاں اس وقت کوئی نہیں ہے اب چھیڑ لوں تمہیں؟"

"لفنگے۔ بدمعاش۔ میں عزت دے رہی ہوں اندر سے کیا نکلے لوفر۔ ابھی بتاتی ہوں پھوپھو تائلہ کو۔"

وہ غصے سے دھمکاتی۔ نفرت سے گھورتی پیر پٹخ کے اندر جانے لگی اور میرے بے ساختہ قہقہے ابلنے لگے۔

اندر کچھ تھا۔

کچھ عجیب سا۔

جو بارات کے ساتھ پاگلوں کی طرح ناچ کے بھی نہ نکل رہا تھا اور نہ ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کے بعد بھی کم ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیا تھا کوئی آنسوؤں کا ریلا نہ ہو جو بند توڑ کے نکلنا چاہتا ہو۔

میں قہقہوں کا ایک اور بند باندھنے لگا۔ اور بلاوجہ ہنستے ہنستے اندر کی طرف بڑھا تو برآمدے کے ستون سے لپٹی سلمی کو بھی ہچکوں پہ ہچکوں روتے پایا۔

"ھو۔ تم بھی۔ تمہیں بھی ہانی کے جانے پہ رونا آرہا ہے کیا؟" تب ہی بانسری کی وہی درد بھری صدا ابھری۔

"مجھے تو اپنے نصیبوں پہ رونا آرہا ہے جی۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی اور میں جو ہمیشہ بانسری کی اس آواز پہ کھو سا جاتا تھا۔ مسحور ہو جاتا تھا۔ اس بار جھنجلا اٹھا۔

"ارے ہے کون یہ بے سرا۔ وقت بے وقت شروع ہو جاتا ہے۔"

"خدا بخش ہے جی۔ کمہاروں کا لڑکا۔ وہ جس کے ساتھ میں۔" وہ کہتے کہتے رکی۔

"بھاگ گئی تھی؟" میں نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

"ہاں جی۔ روز بانسری بجا کے مجھے بلاتا ہے اب میں اسے کیسے بتاؤں کتنی مجبور ہوں کل مجھے بھی نکاح کر کے خدا بخش سے الگ کرنے والے ہیں یہ لوگ۔" میری ہنسی چھوٹ گئی۔ مجھے بے تحاشہ قہقہے لگاتا دیکھ کے وہ رونا بھول کے اب حیرت سے میرا منہ تک رہی تھی۔

"یہ تمہیں بلاتا تھا؟ تمہارے لیے بجاتا تھا بانسری؟ دھت تیرے کی اور میں سمجھتا تھا اوپر والے نے میرے لیے کسی اسپیشل بیک گراؤنڈ میوزک کا انتظام کیا ہوا ہے رومانٹک فلموں کی طرح۔" پھر اچانک میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کے برآمدے کی چار سیڑھیاں اتارنے لگا وہ گھبرا اٹھی۔

"سعد صاحب۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔"

"بھگا رہا ہوں تمہیں جلدی کرو۔ بھاگ جاؤ اس پاگل کے بچے کے ساتھ ورنہ یہ ایسے ہی بانسری بجا بجا کے دماغ پکاتا رہے گا۔"

"مگر۔" وہ بے چاری ہکا بکا تھی۔

"کہاں نا۔ نکل جاؤ میں سب سنبھال لوں گا۔ آج ویسے بھی کسی کو ہوش نہیں ہے۔" میں نے کوٹ کی جیب سے والٹ نکال کے پورا کا پورا اسے تھما دیا۔

"لو۔ جلدی۔ ایک دو تین چار۔" اور پانچ کہنے سے پہلے پہلے وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی سالار کے ہمراہ اس گھر میں داخل ہوئی جہاں اب اسے زندگی کا نیا سفر شروع کرنا تھا۔ بڑے سے گھر کے ماحول میں اسے وہی رعب و دبدبہ محسوس ہو رہا تھا جو سالار کی شخصیت کا خاصہ تھا اور پھر دیواروں پہ جا بجا لگی سالار اعظم کی قد آدم تصاویر۔

سالار ام ہانی کے پہلو میں بہت سنجیدہ اور سرد مہر تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا جس والہانہ گرم جوشی اور

خوشی و سرشاری کی توقع اسے سالار سے تھی اس کا مظاہرہ اماں کی جانب سے ہو رہا تھا وہ صدقے کی نیت سے اس پہ نوٹ وار رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ نظر نہ لگے آج سے یہ گھر تمہارا ہے اور میرا بیٹا بھی۔"

ام ہانی مسکرائی، مگر سالار کی رکھائی سے کہی بات نے اس کی مسکراہٹ ملیا میٹ کر ڈالی۔

"آپ اسے مس گائیڈ مت کریں۔۔۔ میں اس کا نہیں۔ یہ آج سے میری ہے۔"

ہانی نے پلٹ کے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا، مگر وہ اپنی کہنے کے بعد لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی جانب جا رہا تھا۔ اماں نے اس کی خشک بات کا ازالہ کرتے ہوئے ہانی کا ماتھا چوما۔

"اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک لے چلوں۔" کمرے میں آنے کے بعد بھی وہ دیر تک سالار کی عجیب و غریب باتوں کو اماں کے کہے کے عین مطابق مذاق سمجھ کے ہی خود کو بہلاتی رہی۔

"تم اتنی خوش ہو؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟ آج سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ جس میں آپ میرے ساتھ ہوں گے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی، مگر دل میں گلہ بھی جاگا کہ چہرے پہ جھلملاتی خوشی کا سبب تو اس نے دیکھ لیا، مگر جس نکھار کے قصیدے سب نے پڑھے اس پہ سالار کی جانب سے ایک تعریفی جملہ تک نہ آیا۔

"مگر میں نے سنا ہے اپنوں کو چھوڑنے کا دکھ لڑکیوں کو کافی عرصے تک رلاتا ہے۔ تمہیں ان سے الگ ہونے کا کوئی غم ہے ایسا بظاہر لگ تو نہیں رہا۔"

"میں ان سے الگ کب ہوئی ہوں اور نہ ہی چھوڑا ہے یہ تو ہر لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ویسے بھی آپ کے ساتھ نے جو خوشی دی ہے وہ ہر دکھ پر حاوی ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔" سالار کے لہجے میں اس کے چہرے پہ اس کی نظروں میں ایک شدت سے محسوس کی جانے والی مایوسی تھی۔ اذان کی آواز پہ ام ہانی چونکی۔

"اوف۔۔۔ صبح ہو گئی۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ میں نماز پڑھ لوں؟" سالار نے خاموشی سے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے سگار سلگایا۔ اور وہ کچھ جھجک کر پوچھنے لگی۔

"آپ نماز نہیں پڑھتے؟" اس بار سالار کا سر انکار میں ہلا۔

"کبھی بھی نہیں پڑھی؟" وہ تاسف سے کہنے لگی۔

"ایک بار پڑھی تھی۔۔۔ اپنے باپ کے مرنے پہ۔"

"اوف۔۔۔ نماز جنازہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ شکرانے کے نفل۔" سالار نے سگار کا دھواں اگلتے ہوئے سفاکی سے کہا تو وہ جو اپنا بھاری لہنگا سنبھال کے وضو کے لیے اٹھ رہی تھی وہیں جم کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح ہوتے ہوتے سلمیٰ کے فرار کی خبر حویلی میں عام ہو گئی، اور میں نے بہت سہولت سے سب کو مطلع کر دیا کہ یہ عظیم کارنامہ چونکہ میں نے کیا ہے اور میرے کارنامے کسی بھی قسم کی کمی بیشی سے پاک، مکمل محفوظ ہوتے ہیں اس لیے اسے تلاش کرنے کی کوشش بے سود رہے گی احتیاط کی جائے۔ اور اب بڑے دادا کے کمرے میں میری کلاس لگی تھی۔

"بے غیرتا۔۔۔ کتنے آرام سے کہہ رہا ہے کہ ہاں۔۔۔ میں نے بھگایا ہے اسے۔۔۔ ڈھیٹ کا بچہ۔"

"میں کب ڈھیٹ رہا ہوں دادا جی؟" ابو بلبلا اٹھے۔

"آپ اسے ڈائریکٹ برا بھلا کہیں، مجھے کیوں درمیان میں لے آتے ہیں ہر بار۔۔۔ اس کے کرتوتوں پہ میں کیوں کچھ سنوں؟" انہوں نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا بھی ہوگا۔۔۔ یقیناً" مگر میں چپ چاپ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

"سعد۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے؟" اب امی کی باری تھی لعن طعن کی۔

"بے شک وہ ملازمہ تھی، مگر ہماری ذمے داری بھی تو تھی۔ اب ہم اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے

جو آج گاؤں سے اس کی شادی کا سن کر آرہے ہیں۔"
"اور میں اپنے ملازم کے سامنے کتنا شرمندہ ہوں گا جس سے آج اس کا نکاح پڑھانا تھا۔ کیا بے تکا پن ہے یہ۔"

ابو کا تو بس نہ چل رہا تھا چپل اتار کے میری تواضع ہی شروع کر دیتے۔ شاید کل میری بیرون ملک روانگی کا خیال انہیں لحاظ کرنے پہ مجبور کر رہا تھا کہ اب جاتے جاتے کیا خاطر کروں؟

"ہن بول۔۔۔ منہ سی کے کھلوتا اے۔" بڑے دادا نے بیڈ کے ساتھ رکھی چھڑی اٹھا کے تان لی۔

"بڑے دادا۔۔۔ بچپن سے دیکھتا آرہا ہوں جب بھی ہم میں سے کوئی لمبے سفر کے لیے نکلتا ہے۔ گھر والے صدقے کی نیت سے پرندے آزاد کرتے ہیں۔ سفر پہ نکلنے والے کی سلامتی کے لیے۔ ہانی بھی ایک نئے سفر پہ نکلی ہے اور میں نے سلمیٰ کو آزاد کر کے ام ہانی کی آنے والی خوشیوں کا صدقہ دیا ہے۔"

میری اس بات پہ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔۔۔ سب ایک دوسرے کی جانب دیکھ کے رہ گئے بس۔۔۔ اور میں اپنی ادھوری پیکنگ مکمل کرنے چلا آیا۔

علی الاصبح میری فلائٹ تھی۔ جانے سے پہلے میں نے فجر کی نماز وہیں برآمدے میں اس جگہ ادا کی جہاں وہ سالوں سے کرتی آئی تھی اس کے بعد چھت پہ جا کے ایک ایک کر کے سب پرندے بھی آزاد کر دیے۔

جاتے ہوئے امی کے گلے لگا تو ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کے پہلی بار میرے دل کو کچھ نہ ہوا کچھ بھی نہیں۔۔۔ یہ آنسو اب کیوں؟ خود ہی تو فیصلہ کیا تھا مجھے بھیجنے کا۔ میں نے ان کے آنسو تک نہ پونچھے اور نکل آیا۔

اس حویلی سے۔۔۔ جس کے در و دیوار میں میری محبت نے پہلی بار آنکھ کھولی تھی۔ پہلا سانس لیا تھا۔

مگر نہیں۔۔۔ وہ تو محبت تھی ہی نہیں شاید۔۔۔ شاید۔۔۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی کے دل میں ایک خلش سی تھی۔ وہ جا رہا تھا۔

بہت دور۔۔۔ اور ایک نامعلوم مدت کے لیے۔ پتا نہیں دوبارہ کب ملنا ہو مگر وہ چاہتے ہوئے بھی سعد کی روانگی کے وقت حویلی نہ جا سکی تھی کہ عین اسی وقت اماں کی بھی امریکا کے لیے فلائٹ تھی۔

"زمانے کے بعد میرے گھر میں اجالا ہوا ہے اور مجھے جانا پڑ رہا ہے۔" وہ اسے گلے لگا کے بہت سا پیار اور ڈھیروں دعائیں دے رہی تھیں۔

"آپ جلدی واپس آئیے گا اماں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ اور تم اپنا اور سالار کا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

"بلکہ۔۔۔ اپنا زیادہ۔" ان کے لہجے میں ایسی دبی دبی تنبیہہ تھی کہ وہ الجھ سی گئی۔

"سالار تمہیں چاہتا ہے۔۔۔ اس لیے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے ورنہ۔۔۔ مگر تمہیں اسے اور اس کی چاہت کو سمجھنے میں بہت وقت لگے گا۔۔۔ بہت وقت۔"

ان کے چہرے پہ خوف دیکھ کے وہ بھی خوف زدہ ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ ان سے کچھ سوال کرتی اپنی الجھن دور کرنے کے لیے۔ گھڑی پہ وقت دیکھتا سالار عجلت میں وہاں آیا۔

"آپ کی فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے چلیں باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔"

"سالار ہم بھی چلتے ہیں اماں کو ایرپورٹ تک چھوڑنے۔" اس نے بڑے چاؤ سے کہا مگر سالار خشک لہجے میں فقط اتنا کہہ کر رہ گیا اور وہ چپ ہو گئی۔

"کیوں۔۔۔؟"

☆ ☆ ☆

"اب کیوں رو رہی ہو؟" رضوان نے نائلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کے کہا۔

"یاد تو آئے گا نا۔"

"یاد کرنے کا فائدہ۔ بھیجنے سے پہلے سوچنا تھا۔"

"وہ گھر سے دور گیا ہے۔ اس کا دکھ نہیں۔ مجھ سے ناراض گیا ہے اس کا دکھ ہے۔"

"دو ڈھائی سال کی بات ہے۔ آجائے گا اور ناراضی تو شاید دو تین دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔" انہوں نے تسلی دی اور پھر دانستہ موضوع تبدیل کیا۔

"میں تم سے یہ پوچھنے والا تھا کہ ام ہانی اور اس کے شوہر کو انوائٹ کیا جائے کھانے پہ؟"

"ہاں۔ ضرور۔ میں فون کرتی ہوں اسے۔"

"نہیں زیادہ مناسب یہ رہے گا اگر میں خود جا کے دعوت دوں۔ تم چلوگی ساتھ؟"

"میرا جی ابھی بھاری سا ہو رہا ہے سعد کے جانے سے۔ آپ ہی ہو آئیں۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔ کل شام کا کہہ دوں؟"

☼ ☼ ☼

"سالار۔ وہ دیکھیں۔ تایا جان اچانک ہی۔" وہ بہت خوشی خوشی رضوان کی اچانک آمد کی۔ خبر دینے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر جب سالار کو اس کے شغل میں مصروف دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ سالار کے سامنے رکھی بوتل اور اس کے ہاتھ کے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

"دستک دے کر آیا کرو۔" وہ شاید کافی دیر سے مے نوشی کر رہا تھا آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

"جی۔" مرے مرے لہجے میں وہ فقط اتنا کہہ سکی۔ دانستہ نظریں اس زہر سے ہٹائیں۔ دل کٹ سا رہا تھا سالا کی ذات کا یہ رخ سامنے آنے پہ۔

"اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

"تایا جان آئے ہیں۔" جتنے اشتیاق اور مسرت کے عالم میں وہ یہ بتانے آئی تھی اب وہ ناپید تھا بجھے لہجے میں کہہ کر جانے کے لیے پلٹی۔

"میں انہیں کہہ دیتی ہوں کہ آپ سو رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں چاہتی آپ کو اس حالت میں دیکھ کے انہیں دکھ ہو۔" وہ یہ کہنے کے لیے رکی تو سالار اٹھ کے گلاس سمیت اس کی جانب آنے لگا۔

"تمہیں نہیں ہوا؟" وہ جواب میں خاموشی سے سر جھکا کے رہ گئی۔

"یا پھر انہیں دکھ ہوگا۔ اس بات کا زیادہ ملال ہے تمہیں؟"

"ظاہر ہے ملال تو ہوگا۔ میں نہیں چاہتی انہیں ٹھیس پہنچے۔" سالار کے ہونٹوں پہ ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"گھر آئے مہمان سے نہ ملنا بد تہذیبی ہے۔" وہ گلاس ایک جانب رکھتا ڈولتے قدموں سے باہر نکلنے لگا۔

"مگر سالار۔ پلیز۔ یوں نہ جائیے ان کے سامنے۔ سالار۔" اس نے روکنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ رضوان نے اسے آتے دیکھا تو چائے کا کپ رکھ کے بڑے تپاک سے اٹھے۔

"آؤ سالار کیسے ہو بیٹا۔ میں ہانی سے تمہارا ہی۔"

اور پھر سالار کے بے ترتیب قدم ڈگمگاتا ڈولتا وجود اور سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کے ٹھٹک کے خاموش سے ہو گئے بڑی تعجب بھری نظروں سے غور کرنے لگے

"کیسے ہیں آپ؟" اور جب وہ بولا تو اس کی زبان میں بھی لکنت واضح تھی۔ اب شک کی گنجائش ہی نہ تھی۔ رضوان نے شدید حیران سوالیہ نظروں سے سالار کے عقب میں آتی ہانی کے شرمندہ چہرے کو دیکھا جو سر اٹھانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی خود کو۔

"تشریف رکھیے۔" انہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے سالار خود تقریباً صوفے پر گر سا گیا۔ رضوان ایک تاسف بھری نظر ڈال کے خود بھی بیٹھ گئے اور ایک سرد آہ بھری۔ جو سیدھی ام ہانی کے کلیجے میں جا لگی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کس طرح یا تو سالار کو یہاں سے لے جائے یا رضوان کو واپس بھیج دے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا وہ بات جو ان کے سامنے ظاہر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ عیاں تو ہو چکی تھی۔

"آپ دونوں کو کل شام کے کھانے پہ بلانے آیا تھا۔" اب بات تو کرنی ہی تھی جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے سو کہہ دی۔ یہ الگ بات کہ اب نہ انداز میں وہ تپاک تھا' نہ لہجے میں وہ گرمجوشی۔

"کل ہم ضرور آتے' مگر کل صبح ہی ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا غالباً" کہ میری پوسٹنگ سندھ میں ہو گئی ہے۔" اس پہ ام ہانی نے چونک کے حیرت سے اسے دیکھا تھا اس کے لیے بھی یہ انکشاف تھا۔

رضوان کے جانے کے بعد سالار نے دوسرا دور شروع کر دیا۔ وہ جام پہ جام انڈیل رہا تھا اور ام ہانی اپنے سوالوں کے جواب پتے کے لیے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ ہم دوسری جگہ جا رہے ہیں۔"

"بتایا تو ہے ابھی۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"مگر اتنی اچانک کیسے ہو گئی ٹرانسفر؟"

"ہوئی نہیں۔۔۔ میں نے خود کروائی ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارے تایا اور دوسرے رشتے داروں کو مجھے ہر بار اس حال میں دیکھ کے دکھ ہو اور انہیں دکھی دیکھ کے تمہیں دکھ ہو گا تو بہتر ہے ہم ان سے دور رہیں۔"

"مگر آپ کو اس حال میں دیکھ کے بھی تو مجھے دکھ ہو گا۔" وہ آنسو پی گئی۔

"اس کی اجازت ہے تمہیں۔۔۔" سالار نے کمال فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"میرے لیے دکھی ہونا تمہارا حق بنتا ہے اور فرض بھی۔۔۔ مگر تم کسی اور کے لیے دکھی ہو یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"مگر سالار۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ دھاڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم؟ میں بھی تم سے دور ہو جاؤں؟ نہیں ام ہانی۔۔۔ نہ میں خود کو بدل سکتا ہوں نہ تمہیں خود سے دور کر سکتا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہو گا تاعمر۔ اسی طرح۔۔۔ دکھی۔۔۔ یا سکھی۔۔۔ یہ تمہاری چوائس ہے میرا مسئلہ نہیں ہے۔" ام ہانی دکھ سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر الماری کی جانب پلٹی۔

"آپ پہلے بتا دیتے تو میں رات سے ہی پیکنگ شروع کر دیتی۔ اب پتا نہیں اتنے کم وقت میں یہ سب کیسے ہو گا۔" اس کے اتنی جلدی خود کو معمول پہ لے آنے پر سالار جھنجلا سا اٹھا۔ مایوسی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔

"اندرون سندھ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ہوئی ہے میری پوسٹنگ۔۔۔ میں آئے روز تمہیں میکے والوں سے ملوانے نہیں لا سکوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ بغور اس کا رد عمل جانچنے لگا' مگر وہ سکون سے الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

"ظاہر ہے۔۔۔ مشکل ہو گا۔"

"اور وہاں وہ سہولیات بھی نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اس کے اطمینان نے سالار کو اس حد تک جھنجلا دیا کہ وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس زور سے اس کی جانب اچھالنے پہ مجبور ہو گیا۔ کانچ کا گلاس ام ہانی کے پیر سے ٹکرا کے فرش پہ گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ تو وہ کانپ کے رہ گئی۔ اور دہشت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ جواب مسکرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ نشے میں دھت تھا نائلہ۔" رضوان کی نظروں میں دکھ کے ساتھ ساتھ خفگی اور گلہ تھا۔

"وہ بھی اپنے گھر کی چار دیواری میں۔۔۔ دن کے وقت اور ام ہانی کے چہرے پہ اتنا دکھ' افسوس اور شرمندگی تھی کہ میں اس سے نظر تک نہ ملا سکا۔"

"بات تو افسوس کی ہے' مگر شرمندگی سالار کو ہونی چاہیے آپ کو نہیں اور آپ کیوں نظر نہیں ملا پا رہے تھے ام ہانی سے؟ اس میں آپ کا کیا قصور؟ سالار ام ہانی

کی ہی پسند تھا۔"
"یہ واحد دھچکا نہیں تھا نائلہ۔۔۔ دوسرا دھچکا مجھے تب ملا جب سالار کے گھر سے نکلتے ہی میں نے اس کی والدہ کو فون کیا۔ یہ گلہ کرنے کے لیے کہ انہوں نے سالار کے کردار کا یہ رخ ہم سے کیوں پوشیدہ رکھا۔ تو جانتی ہو انہوں نے کیا انکشاف کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ کہ تم اس بارے میں پہلے سے جانتی تھیں۔"

اب نائلہ کو ان کی خفگی کی وجہ سمجھ آئی وہ گھبرا کے تائلنے لگیں۔

"نہیں۔۔۔ میں تو۔۔۔ دراصل رضوان وہ تو بات ہی۔۔۔"

"بس نائلہ۔۔۔ کچھ نہ کہنا۔۔۔ اتنا دکھ مجھے سالار کو نشے میں دیکھ کے نہیں ہوا جتنا یہ جان کے ہوا۔ سب جانتی تھیں تم تو مجھے پہلے کیوں نہ بتایا یا ہانی کو ہی بتا دیتیں۔"

"بتا دیتی تو کیا کر لیتے آپ؟"

"میں کبھی اپنی بچی کی شادی اس سے نہ کرتا' بلکہ مجھے یقین ہے کہ سالار کی اس عادت بلکہ عیب کے بارے میں جاننے کے بعد ام ہانی ہی اپنی پسند سے دستبردار ہو جاتی۔"

"اسی لیے نہیں بتایا میں نے۔" وہ پھٹ پڑیں۔

"یہ رشتہ طے ہوتے وقت یہ حقیقت سامنے آتی تو اور بات تھی۔ شادی کے عین وقت آپ فیصلہ بدل کے کیا مہ پارہ کی طرح اسے بھی ساری عمر کے لیے میرے سر پہ بٹھا دیتے؟" رضوان کو اور بھی دکھ ہوا۔

"کتنی خود غرض ہو تم نائلہ۔۔۔ میں سوچتا تھا تم نے میری بھائی کی یتیم بچی کی ذمے داری نبھا کے مجھ پہ بڑا احسان کیا ہے۔ تم نے میرا یہ گمان توڑ دیا۔"

"ہاں۔۔۔ ہوں میں خود غرض۔۔۔ ممتا خود غرض ہی ہوتی ہے۔ اسے سالار کے ساتھ رخصت نہ کرتی تو سعد۔۔۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ سعد کا باپ بن کے سوچیں اس کی بہتری کے لیے۔"

"کاش تم نے بھی ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار ام ہانی کی ماں بن کے سوچا ہوتا۔ اس کی بہتری کے لیے۔"

☼ ☼ ☼

سالار کی جیپ قصبے سے نکل کے مین روڈ کی جانب گامزن تھی اور جب سالار نے دائیں جانب کا موڑ کاٹا تو ام ہانی نے حیرت سے ٹوکا۔

"وہیں تایا جان سے ملتے ہوئے جانا تھا۔ بتایا تو تھا آپ کو۔"

"دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ پہلے بتا دیتے میں تو انہیں اطلاع کر دیتی کہ ہم نہیں آ رہے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں کہ ہمیں دیر۔۔۔"

اس نے ابھی فون پہ نمبر ملایا بھی نہیں تھا کہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے سالار نے دوسرے ہاتھ سے بڑی سرعت کے ساتھ اس سے موبائل فون جھپٹ لیا اور کھلے شیشے سے باہر پھینک دیا۔

"سالار۔۔۔؟"

مارے حیرت کے وہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی اور سالار کا دھیان اب اس پر نہیں۔ سامنے خالی سڑک پر تھا۔۔۔ وہ گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔

ہانی نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

دور خالی سڑک پہ ایک نقطے کی طرح اس کا فون گرا نظر آ رہا تھا۔ اور پھر بے تحاشا اڑتی دھول اور گرد نے اس نقطے کو بھی معدوم کر دیا۔

اور یہ گرد۔۔۔ یہ دھول اگلے دو سال اس کی زندگی کے ہر گوشے پہ پڑی رہی۔

اگلے دو سال۔۔۔

دو طویل سال۔

(باقی آئندہ شمارے ملاحظہ فرمائیں)
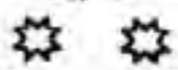
☼ ☼

فائزہ افتخار

شاید

چھٹی قسط

"تین سال بعد"

بڑی ہی کوئی سنسان شاہراہ تھی۔

کسی پہاڑی علاقے کی سنگلاخ چٹانوں کو چیرتی... بل کھاتی ہوئی... دور دور تک اگر ان دو گاڑیوں کے علاوہ کوئی چیز نظر آتی تھی تو وہ رنگین ٹرک تھے... مال اسباب سے بھرے، بمشکل سست روی سے اس سڑک پر چلتے۔

اور وہ دونوں گاڑیاں... وہ برق رفتاری سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑتی، کبھی کسی ٹرک کو اوور

ناولٹ

ٹیک کرتیں تو پٹھان ڈرائیور اونگھتے اونگھتے چونک کر بڑبڑا کے ان نوجوانوں کی شوخی کی شان میں کچھ نہ کچھ کہہ دیتا۔

دونوں گاڑیوں میں تیز آواز میں گونجتے انگریزی گیت... ہو ہاؤ... ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے بجاتے ہارن اس سنسان، ویران مگر خطرناک پر پیچوں والی شاہراہ پہ رونق سی لگا رہے تھے۔

پھر سفید گاڑی نامحسوس طریقے سے دوسری گاڑی سے کافی آگے نکل آئی... اس کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہو رہی تھی اور اس لحاظ سے اس گاڑی سے ابھرنے والی نسوانی چیخیں بھی بلند سے بلند ہو رہی تھیں۔

یہاں تک کہ سفید گاڑی کے پیچھے کسی دھبے کی صورت نظر آنے والی سیاہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس اب نقطے میں... معدوم ہو ہیں... اور پھر یہ نقطہ بھی نظر سے اوجھل ہو گیا... ایک موڑ مڑتے ہوئے سفید گاڑی کے بریک اچانک چرچرائے اور پھر ماحول پہ ایک سکوت سا چھا گیا۔

تانیہ نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے پھر سے چلا کے اس سکوت کو توڑا۔

"یاہو... ہم آگے نکل آئے۔ ہم جیت گئے سعد... وہ پیچھے رہ گئے۔ ہار گئے وہ سعد۔"

میں نے ایک نظر اس کے خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھا اور دروازہ کھول کے باہر نکلا... مسلسل تین چار گھنٹوں کی ڈرائیونگ... اور پھر تانیہ کی فرمائش پہ لگائی اس ریس نے مجھے تھکا سا دیا تھا۔ کھلی فضا میں بازو کھول کر میں اپنے اعصاب تازہ دم کرنے لگا۔

"کبھی کبھی آگے نکلنے والا ہار جاتا ہے۔ تانیہ اور جو پیچھے رہ گیا ہو۔ وہ جیت چکا ہوتا ہے۔"

میں گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ نظریں سامنے پہاڑوں کے پھیلے سیاہ سایوں پہ تھیں۔

"اف... ڈائیلاگز... تم ڈائیلاگز بہت بولتے ہو، لگتا ہے بہت فلمیں دیکھ رکھی ہیں۔" وہ بھی میرے برابر آن کھڑی ہوئی مجھے شرارت سوجھی یکدم اس کی جانب جھکا۔

"مجھے اور بھی بہت کچھ فلمی آتا ہے... کر کے دکھاؤں؟"

"شٹ اپ سعد۔" وہ گھبرا کے پرے سرکی۔

"مجھ سے کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

میں بے تحاشا قہقہے لگانے لگا۔ اسے ستانے میں پتا نہیں کیوں مزا بہت آتا تھا۔

"ایک تو تم لڑکیوں کے دماغ میں خناس بھرا ہوتا ہے۔ فوراً" ہی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں ٹپاٹپ برسنے لگتی ہیں۔ میں فلمی ایکشن سینز کی بات کر رہا تھا ..... کرکے دکھاؤں فائٹ؟"

میں نے کراٹے کے داؤ کے انداز میں بازو لہرائے۔

"ابھی دوستی ٹھیک سے ہوئی نہیں اور تم فائٹ کرنے لگے۔"

"دوستی میں کسی سے نہیں کرتا۔" میں دوبارہ گاڑی کی جانب بڑھا۔

"ہاں۔ خود سے ہو جائے وہ الگ بات۔"

"ارے یار وہ محبت ہوتی ہے جو کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔" اس نے برابر والی سیٹ پہ بیٹھتے بیٹھتے جیسے میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

"اور کبھی کبھی نہ کی جاتی ہے۔ نہ ہوتی ہے۔ بس وہم

سا ہوتا ہے کہ شاید ہو گئی ہے۔" میں کار اسٹارٹ کرتے کرتے رک سا گیا۔

"تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے سعد؟"

تانیہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا اور میں نے اتنے ہی کورے انداز میں روکھا سا جواب دیا۔

"نہیں میں وہمی نہیں ہوں۔۔۔ کیونکہ وہم کا کوئی علاج نہیں ہے۔" اور سفید گاڑی پھر سے خطرناک موڑوں پہ دوڑنے لگی۔

☼ ☼ ☼
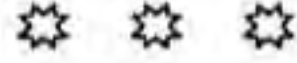
"کیا؟ سعد چار دن سے پاکستان میں ہے؟"

نائلہ حق دق رہ گئیں۔۔۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تین سال بعد اکلوتا بیٹا وطن واپس آئے۔۔۔ اور نہ آنے سے پہلے ماں کو اطلاع دے اور نہ ہی آنے کے چار دن بعد تک رابطہ کرے۔

"ہاں۔۔۔ صبح ہی بات ہوئی ہے اس سے' آنا تو اس نے طے شدہ پروگرام کے مطابق اگلے مہینے ہی تھا مگر پھر دوستوں کے ساتھ پہلے آنے کا ارادہ بن گیا۔"

رضوان بھی کچھ دل شکستہ لگ رہے تھے مگر نائلہ کے سامنے اپنی حالت پوری طرح چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سعد کی اس عجیب و غریب حرکت کی توجیہہ پیش کر رہے تھے۔

"بتا رہا تھا کہ اس کے کچھ دوست پاکستان دیکھنا چاہتے تھے ان کی فرمائش پہ' یہ پلان کیا اس نے۔ ان کو گھمانے کے بعد فارغ ہو کے ہی آئے گا گھر۔۔۔ ابھی نتھیا گلی میں ہے ایک دو دن میں اس کے غیر ملکی دوست واپس جانے والے ہیں۔"

"مگر۔۔۔ مگر رضوان یہ کوئی طریقہ ہے بھلا۔۔۔ بتا تو سکتا تھا وہ' اس کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔"

"پریشان کیوں ہو رہی ہو۔۔۔ اب یہیں ہو گا وہ تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔"

"مجھے بہلائیں مت رضوان۔۔۔ دکھ آپ کے چہرے پہ بھی صاف نظر آ رہا ہے۔ ہم تین سال سے اسے ایک نظر دیکھنے' سینے سے لگانے کے لیے تڑپ رہے ہیں' یہ تڑپ اس کے دل میں بھی ہونی چاہیے مگر نہیں وہ تو دوستوں کے ساتھ تفریح کر رہا ہے۔"

"نائلہ۔۔۔ وہ بڑا ہو گیا ہے۔" ان کے رونے پہ رضوان نے تسلی دینا چاہی۔

"گھر سے باہر رہنے والوں کی عمر نسبتاً" زیادہ جلدی بڑھتی ہے۔ یوں سمجھو اس کی عمر تین سال نہیں' تین دہائیاں بڑھی ہے۔ اور اتنا عرصہ گھر اور اپنوں سے دور رہنے سے وہ ہمارا اتنا عادی بھی نہیں رہا ہو گا جتنا پہلے تھا۔ وہ مشینی دنیا ہے۔ انسان وہاں رہتے رہتے خود بھی مشین بن جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو احساسات و جذبات سے بالکل عاری ایک مکمل مشین۔ تمہیں اب ایک بدلے ہوئے سعد کے لیے خود کو ذہنی طور پہ تیار کرنا ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

وہ انگریزوں کے دور کی ہی کوئی عمارت تھی۔

بے حد خوب صورت پر شکوہ۔۔۔ جسے اب گیسٹ ہاؤس میں بدل دیا گیا تھا۔ ہم پانچوں اسی گیسٹ ہاؤس میں رکے تھے آج کی رات میں اور میرے چاروں دوست۔۔۔

ترکی نژاد رحمت۔۔۔ جسے پاکستان سے ان دیکھی بلاوجہ کی وابستگی تھی اور سب سے پہلے اس نے میرے ساتھ آنے کا شوشا چھوڑا تھا اور پھر ایک ایک کر کے وہ تینوں بھی شامل ہو گئے۔

خالص امریکی نیڈ۔۔۔ کوہ پیمائی جس کا شوق تھا اور جو یہاں سے سیدھا نیپال جانے والا تھا۔ ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے۔

آدھا تیتر آدھا بٹیر نازی۔۔۔ جس کا مرحوم باپ پاکستانی تھا اور ماں جرمن ہے۔ وہ اپنے باپ کا آبائی شہر اور ملک دیکھنے کے چاؤ میں آ گئی تھی۔

اور تانیہ جس کے ماں باپ دونوں ہی خالص پاکستانی تھے مگر وہ اپنے ہوش میں پہلی بار پاکستان آئی تھی۔ پہلی اور آخری بار اپنی ماں کی تدفین کے لیے آئی تھی۔

رات کے اس اولین پہر میں بھی خنکی خاصی ہو گئی تھی۔ ہم سب آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔

بلکہ وہ چاروں۔۔۔

میں ان میں ہو کے بھی موجود نہیں تھا۔
میں تو کبھی اپنے آپ میں بھی نہیں ہوتا تھا۔
اپنے وجود کو کہاں کھو آیا تھا۔۔۔ یہ خبر نہیں تھی۔۔۔ اور نہ ہی میں نے کبھی خود کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔۔۔ جانتا تھا ڈھونڈنے نکلا تو خود کو تو شاید دوبارہ پا نہ سکوں۔۔۔ کہیں کچھ ایسا نہ ہاتھ لگ جائے جس کا بار اٹھانا ممکن نہ ہو۔

وہ سب ہنس بول رہے تھے۔ چہلیں کر رہے تھے۔

گنگنا رہے تھے۔۔۔ چھیڑ رہے تھے ایک دوسرے کو ۔۔۔ اور میں چت لیٹا آسمان کے تاروں میں کچھ کھویا ہوا تلاش کر رہا تھا۔

جلتے الاؤ کے دوسری جانب بیٹھی تانیہ نے مجھے دیکھتے ہوئے نازی کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ سعد کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ مجھے تو اس سے ملے دو ہی ماہ ہوئے تم لوگ دو سال سے ایک ساتھ ہو کچھ تو اندازہ ہو گا۔ یہ اتنا سڑا ہوا کیوں رہتا ہے؟"

"یار مجھے لگتا ہے۔۔۔ سعد کے ماضی سے کوئی بڑی ہی المیہ قسم کی لو اسٹوری وابستہ ہے۔" نازی نے افسوس سے سر ہلایا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ المیہ ہی ہو گی۔۔۔ درد بھری۔۔۔ دکھی کہانی۔۔۔ اتنے سڑے ہوئے انسان کے ساتھ کچھ بھی اچھا کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر وہ لڑکی تھی کون؟"

تانیہ کے لہجے میں جلن تھی۔۔۔ جس کی تپش شاید اس الاؤ سے بھی بڑھ کے تھی جو ہم دونوں کے درمیان حائل تھا۔

☼ ☼ ☼

"سعد۔۔۔ سنو۔۔۔ سعد رکو تو۔"

میں جوس لے کر ڈھلان سے اتر رہا تھا جب وہ ہاتھ میں برگر پکڑے پکڑے میرے پیچھے پکارتی چلی آئی۔

"میں نہ کسی کے لیے رکتا ہوں نہ پلٹتا ہوں۔"

"اف۔۔۔ پھر سے ڈائیلاگز۔۔۔ سنو ایک بات کرنا تھی تم سے۔ دو دن بعد ہم سب اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے پتا نہیں پھر کب ملیں۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں بس یہی بتانا تھا؟" وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی پھر بھی میں نے رفتار کم نہ کی۔

"نہیں۔۔۔ بتانا تو کچھ اور ہے مگر اس سے پہلے کچھ پوچھنا ہے۔" اور پھر برگر کا بڑا سا لقمہ توڑ کر بھرے منہ کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"تم اب بھی اسے چاہتے ہو؟"

بالآخر وہ مجھے مجبور کر ہی گئی کہ میں چونک کر پلٹوں اور اسے نظر بھر کے دیکھوں۔

"کسے؟"

"اس کو۔۔۔ جس کے لیے اداس رہتے ہو۔ اکیلے گھومتے ہو ستارے گنتے ہو۔"

"میں اب جو بھی کرتا ہوں۔ صرف اپنے لیے کرتا ہوں۔ صرف اور صرف اپنے لیے۔ آئی ہیو فالن آؤٹ آف لو۔"

"I have fallen out of love

میں دوبارہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔

"گریٹ" میرے جواب سے وہ کھل سی اٹھی۔

"مطلب اب تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں دراصل اتنی اہم بات کرنا تھی تم سے تو پہلے سب کچھ پوچھ کے تسلی کرنا ضروری تھا۔"

"تانیہ تمہاری اہم باتیں مجھے بور کر رہی ہیں۔"

میرے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو بھی وہ کسی خاطر میں نہ لائی اور مزے سے کہنے لگی۔

"نہیں اب بور نہیں ہو گے کیونکہ اب میں بڑی کیوٹ بات کرنے والی ہوں۔ بس اس سے پہلے کے یہ سوال ضروری تھے۔ تم جانتے ہو کسی ایسے شخص کی محبت میں مبتلا ہونا بڑا عذاب ہے۔ جو پہلے سے کسی اور کی محبت میں۔۔۔"

میں چلتے چلتے ایک دم مڑ کے حیرت سے اسے گھورنے لگا تو وہ بھی پل بھر کو خاموش ہوئی پھر اپنے ہاتھ پہ لگی کیچپ کو زبان سے چاٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"لیکن اچھا ہوا تم نے کلیئر کر دیا۔ اب میں بڑے

آرام سے کہہ سکتی ہوں کہ آئی لو یو۔"
یہ کہہ کر اس نے برگر کا ایک بڑا سا لقمہ لیا۔
"کیا؟ کیا؟ کیا؟"
میں بوکھلا کے رہ گیا اور وہ برگر کے لقمے سے بھرے منہ کے ساتھ اسی اطمینان سے دہرا رہی تھی۔
"آئی لو یو۔"
حیرت کے جھٹکے سے نکلنے میں مجھے بس ایک سیکنڈ اور لگا تھا اور اب میں بے تحاشا ہنس رہا تھا۔ وہ حیرت سے مجھے قہقہے لگاتے دیکھ رہی تھی۔ کچھ کہنے کی کوشش کی تو حلق میں پھنسے نوالے کی وجہ سے اس سے بولا نہ گیا۔ جھٹ میرے ہاتھ سے جوس کا پیکٹ چھین کر بڑا سا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے برگر حلق سے نیچے اتارا۔
"اس میں اتنا ہنسنے والی کیا بات ہے۔ پیار تو ہو جاتا ہے ناں۔"
"اتنا اچانک ہو جاتا ہے؟"
میں طنزیہ انداز میں سر جھٹک کے دوبارہ چلنے لگا۔
"میری زندگی میں تو سب کچھ اچانک ہی ہوتا ہے۔" وہ پھر سے میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔
"اور پتا ہے سعد۔۔۔ وہی پرفیکٹ بھی ہوتا ہے جو اچانک ہو اور جو میں باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ کروں۔۔۔ تو ایک دم سے بوگس بالکل بکواس۔"
"ابھی بھی بکواس اور بوگس ہی ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا چلتا رہا۔
"لو۔" اس نے جوس دوبارہ میری جانب بڑھایا۔
"نہیں تم ہی پیو۔" میں نے انکار میں گردن ہلائی۔
"نہیں بس پی لیا تم لے لو۔"
"شکریہ۔۔۔ مگر میں جھوٹا نہیں پیتا۔"
"ارے۔۔۔ مگر جھوٹا پینے سے تو پیار بڑھتا ہے۔"
مجھے پھر سے ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔
"ثانیہ تم کیا چیز ہو زندگی میں پہلی بار کسی نے مجھے دوبار ہنسایا ہے۔"
"تو پھر تو تمہیں مجھ سے شادی ضرور کرنی چاہیے۔"

"کیا۔۔۔ شادی؟"
وہ بولڈ تھی۔۔۔ منہ پھٹ اور ظاہر ہے آزاد فضاؤں کی پروردہ۔۔۔ یہ میں جانتا تھا مگر اتنی جلدی اظہار محبت سے شادی تک زقند بھرے گی اس کا اندازہ نہیں تھا۔
"ہاں۔۔۔ شادی' مجھ جیسی لڑکی تمہیں کہیں نہیں ملے گی دن میں دوبار تمہیں ہنسا سکتی ہو۔۔۔ پتا ہے سعد تمہاری ساری زندگی ہنستے ہنستے گزرے گی۔"
اس بات پہ میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا جہاں سادگی تھی۔ معصومیت تھی اور سچائی۔
"ثانیہ۔۔۔ میں اپنی زندگی گزار چکا ہوں۔" سرد لہجے میں کہہ کر میں آگے بڑھ گیا اور اس بار وہ میرے پیچھے نہیں آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کب آرہا ہے سعد؟" مہ پارہ نے رضوان کے برابر والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کل ان شاءاللہ۔"
رضوان جب پلیٹ میں سلاد نکال رہے تھے تو یہ بتاتے ہوئے مسرت سے ان کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔
"نیاز بھائی اور بھابھی کو بھی فون کرتی ہوں۔ وہ بھی آجائیں اس جمعے' دو دن تو ویسے بھی چھٹی ہو گی۔"
نائلہ کے بتانے پہ مہ پارہ کا جی مکدر ہو گیا۔
"ایسی بھی کیا بے تابی میکے والوں کو بلانے کی بھابھی! کچھ دن تو ہمیں سعد کے ساتھ ڈھنگ سے گزارنے دیں۔۔۔ اس کے آتے ہی گھر مہمانوں سے بھر دیں گی کیا؟"
"مہ پارہ ٹھیک کہہ رہی ہے نائلہ۔۔۔ اسے کچھ دن آرام کرنے دو۔۔۔ گھبرا جائے گا اتنے لوگوں میں۔"
"لوگ؟" وہ تلملا اٹھیں۔
"سگا ماموں ہے اس کا اور آپ کو تو پتا ہی ہے کہ میں نے سعد اور بلی کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے۔ رشتہ پکا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اتنی پیاری بچی اور اکلوتی' ہمارے سعد کی طرح اس کے لیے کئی رشتے آئے ہوں گے۔ کہیں وہ لوگ ہاں نہ کر دیں

آپ نے مجھے ان کے کان میں بات بھی تو نہیں ڈالنے دی۔"

"اس لیے کہ وقت سے پہلے بیٹی والوں کو آس دلانا ٹھیک نہیں ہے۔ کیا پتا بعد میں سعد راضی نہ ہو۔۔۔ اس کی پسند بھی تو معنی رکھتی ہے۔"

"مجھے پسند ہے۔ کیا یہ کافی نہیں۔" نائلہ کی بات پہ مہ پارہ نے بڑے طنز سے انہیں دیکھا۔

"واہ بھابھی اس گھر کی لڑکی بھی اپنی پسند سے شادی کر کے نکلی ہے۔ وہ بھی آپ کی مہربانی سے۔ ام ہانی کے وقتوں میں تو آپ بڑی محبت کی دیوی بنی ہوئی تھیں۔۔۔ پھر سعد کے لیے یہ سختی کیوں؟"

ام ہانی کے ذکر پہ نائلہ کو ذرا کی ذرا چپ لگ گئی۔ پھر جلدی سے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے انہوں نے بات ہی بدل ڈالی۔

"دادا جی کی کھانسی پھر بڑھ گئی ہے موسم بدلتے ہی۔"

☼ ☼ ☼

"عجیب سر پھری لڑکی ہے۔" میں کوفت سے بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"جمعہ جمعہ دو مہینے ہوئے ہیں جان پہچان کو۔۔۔ اور چلی ہے شادی کی بات کرنے۔"

میں بیگ میں اپنے بکھرے کپڑے ٹھونسنے لگا کل علی الصباح روانگی تھی واپسی کے لیے۔

"شکر ہے صبح جان چھوٹے گی۔ پھر وہ کہاں میں کہاں' زبردستی ہی گلے پڑ رہی ہے۔"

موبائل فون پہ ہونے والی رنگ نے میرا دھیان تانیہ کی بک بک سے ہٹایا۔

"السلام علیکم امی۔" ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے اب میں دوسرے ہاتھ سے پیکنگ کر رہا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔ صبح آ رہے ہو ناں بیٹا؟"

"جی اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔" عرصے سے ان سے بات کرتے ہوئے میرا انداز ایسا ہی ہوتا تھا۔

روکھا۔۔۔ اور کچھ کچھ طنزیہ۔۔۔

"میں تو کب سے راہ دیکھ رہی ہوں سعد۔"

"یعنی میں یہ سمجھوں کہ میری سزا ختم ہو گئی ہے؟"

"سعد کبھی مائیں بھی سزا دیتی ہیں؟" ان کے سوال پہ میرے ہونٹوں پہ ایک تلخ سی مسکراہٹ آئی۔

"جی دیتی ہیں کبھی کبھی۔" وہ چپ سی کر گئیں ذرا دیر کے لیے۔

"اچھا۔۔۔ یہ گلے شکوے واپس آ کر کر لینا۔ ابھی مجھے یہ خوشی تو محسوس کر لینے دو کہ میرا بیٹا میرے گھر واپس آ رہا ہے۔ میں تو کتنے ہی دن تمہیں اپنے قریب سے ملنے بھی نہیں دوں گی۔ بلکہ ایسی زنجیر سے باندھ دوں گی کہ تم حویلی کے ہی ہو کے رہ جاؤ گے۔"

"یعنی' سزا برقرار رہے گی؟ صرف نوعیت بدل جائے گی۔۔۔ پہلے جلاوطنی تھی۔ اب نظربندی۔" میں تلخی سے ہنس دیا۔

"نظربندی ہی سمجھ لو۔ تمہاری شادی کا سوچ رہی ہوں میں۔"

"شادی؟"

"ہاں۔۔۔ بیلی پسند کی ہے میں نے تمہارے لیے' رضوان کہہ رہے تھے تمہاری مرضی پوچھ لوں اس لیے ذکر کر رہی ہوں ورنہ میں جانتی ہوں تمہارا جواب ہاں میں ہی ہو گا بھلا کیا برائی ہے بیلی میں۔"

"برائی تو ہے۔۔۔" میں مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"وہ کیا؟"

"انیس سال کی ہے وہ بھلا انیس سال بھی کوئی شادی کی عمر ہوتی ہے اور مجھ سے پورے تین سال چھوٹی عمر کا فرق تو بہت بڑی خامی ہے امی۔"

"سعد۔" ان کی آواز پست ہو گئی۔ میں کہتا چلا گیا۔

"آپ کو میری شادی کرنا ہے ناں امی ٹھیک ہے میں آپ کی خواہش پوری کر دوں گا۔۔۔ ایک لڑکی پسند ہے مجھے' آپ کو بھی پسند آئے گی۔ سب سے اچھی خوبی یہ ہے کہ وہ میری ہم عمر ہے اور شادی کے لیے یہی سب سے اہم چیز ہے ناں امی؟"

"تمہیں۔۔۔ تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟ مگر کون؟"

"بتاؤں گا نہیں دکھاؤں گا کل اپنی ساتھ ہی لے کر

آؤں گا اسے' آپ سے ملوانے کے لیے۔"

میں نے فون رکھا اور تیزی سے چلتا اسی ہوٹل کے سیکنڈ فلور پہ موجود ثانیہ کے کمرے کے دروازے کے باہر رکا۔۔۔ دستک پہ وہ چپس کا پیکٹ ہاتھ میں لیے باہر نکلی۔

"سعد تم اس وقت' چپس کھاؤ گے؟"

"صبح کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

میں نے اس کا چپس والا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کرتے ہوئے بنا تمہید کے پوچھا۔

"صبح۔۔۔" وہ ذہن پہ زور ڈالنے لگی۔

"کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔" میں نے خود ہی کہہ ڈالا اس سے پہلے کہ وہ صبح سے اب تک کی گئی چھ ہزار باتیں ایک ایک کر کے گنواتی۔

"ابھی بھی ہے موڈ مجھ سے شادی کا یا ارادہ تبدیل ہو گیا؟"

"کم آن سعد۔۔۔ میں نے سوچ سمجھ کے کہا تھا ایک تم ہی ہو جو اسے مذاق سمجھ کے ٹال رہے ہو ورنہ یہاں سب کو احساس ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کیا ہے اور میں اس بارے میں کس حد تک سنجیدہ ہوں۔"

"اوکے۔ اس کا مطلب ہے تم واقعی شادی کے لیے خاصی سیریس ہو۔"

"آف کورس۔۔۔ ہوں۔"

"میں بھی سیریس ہوں۔"

"واٹ۔"

"ہاں تمہارے پاس دو تین گھنٹے ہیں تیاری کے لیے تمہیں صبح میرے ساتھ نکلنا ہو گا۔۔۔ میری حویلی جانے کے لیے میرے گھر والے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے ملنا۔۔۔ مگر۔" صبح اس نے مجھے حیران کیا تھا اور اب میں اسے نہ صرف حیران بلکہ پریشان کر رہا تھا۔

"تو کیا ان سے ملوائے بغیر ان کی رضامندی لیے بنا تم سے شادی کر لوں۔ فکر مت کرو کوئی مسئلہ پیدا نہیں کریں گے وہ بس ایک رسمی سی کارروائی ہو گی ان سے

ملاقات۔۔۔ میری شادی میرا ذاتی مسئلہ ہے۔"

اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا اور میں اسے جلد از جلد پیکنگ کی تاکید کرتا وہیں چھوڑ کے واپس آگیا۔

"مگر وہ لڑکی ہے کون؟ کیسی ہے؟ کس خاندان کی ہے؟ ہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔ ایسے کیسے وہ اس سے شادی کر سکتا ہے۔" نائلہ نے ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔

"اگر وہ اسے پسند کرتا ہے تو بلی کو زبردستی اس کے سر پہ تھوپنے کی کوشش مت کرو۔"

رضوان نے ٹھنڈا کرنا چاہا۔۔۔ مگر بے سود۔

"اور وہ چاہے زبردستی اس انجان لڑکی کو ہمارے سر پہ تھوپ دے۔"

"زندگی اس نے گزارنی ہے۔ ہم نے نہیں' ہو سکتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ثابت ہو۔۔۔ لا تو رہا ہے وہ اسے اپنے ساتھ خود دیکھ لینا۔" اب بھلا مہ پارہ پیچھے کیوں رہتیں۔ لگیں کانوں کو ہاتھ لگانے۔

"توبہ توبہ۔۔۔ یعنی اب لڑکی خود اپنے آپ کو پسند کروانے لڑکے کے ساتھ اس کے گھر آ رہی ہے۔ بھابھی بڑا تجسس تھا ناں آپ کو یہ جاننے کا کہ وہ کس خاندان سے ہے تو اسی حرکت سے اس کے گھرانے کا اندازہ لگالیں۔۔۔ جہاں لڑکی کو اتنی چھوٹ دی گئی ہو۔"

"بلاوجہ کے اندازے مت قائم کرو تم دونوں۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ یہ باتیں تو اب یہاں بھی معیوب نہیں سمجھی جاتیں اور اس لڑکی نے تو ساری عمر باہر گزاری ہے۔ بتایا تو ہے سعد نے کہ ماں کی وفات کے بعد صرف ایک بار پاکستان آئی تھی پہلے اور اس کا باپ بھی کچھ دنوں میں پاکستان آئے گا ہم سے ملنے اور سب طے کرنے۔"

"طے تو ہو گیا سب کچھ تقریباً۔" مہ پارہ نے سر جھٹکا اور نائلہ آہ بھر کے رہ گئیں۔

"کیا کیا سوچا تھا میں نے سعد کے لیے۔"

"خدا سے اچھی امید رکھو نائلہ ہو سکتا ہے جو ہونے جا رہا ہے وہ تمہاری سوچ سے کہیں بڑھ کے اچھا ہو۔" رضوان نے ایک بار پھر تسلی دی۔

✿ ✿ ✿

اسلام آباد سے لاہور تک کی فلائٹ تو خیریت سے ہو گئی۔ مگر لاہور سے یہاں تک کا ٹرین کا سفر تانیہ کے لیے ایک ایڈونچر تھا مارے جوش کے وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی خدا خدا کر کے اسے ٹرین سے اتار کے اسٹیشن تک لایا تو تانگے کو دیکھ کے مچل گئی۔ مگر حویلی سے ڈرائیور آیا تھا زبردستی اسے کار میں سوار کیا اور اب کب سے اس کی اوٹ پٹانگ باتیں اور حرکتیں برداشت کرتا یہ راستہ کٹ جانے کا منتظر تھا۔

"سعد... وہ دیکھو... وہ دیکھو... وہ۔"

وہ آدھی سے زیادہ باہر نکلی مٹکے سر پہ رکھ کے گزرتی عورتوں کو دیکھ کے جوش سے پاگل ہو رہی تھی... اور ڈرائیور کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ مجھے بیک ویو مرر سے صاف نظر آرہی تھی۔

"بس کرو تانیہ۔"

"اے ہیلو..."

اب وہ گلی ڈنڈا کھیلتے بچوں کو پکار پکار کے متوجہ کر رہی تھی۔

"سر اندر کرو تانیہ۔" اور میں مسلسل اسے ٹوکنے میں مصروف۔

"تمہیں پتا ہے سعد میں پہلی بار کوئی گاؤں دیکھ رہی ہوں۔"

"میں کہہ رہا ہوں سر اندر کرو ورنہ یہی آخری بار دیکھنا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ دیکھو سامنے سے ٹریکٹر آرہا ہے اندر ہو جاؤ۔"

میں نے اسے خبردار کرنا چاہا تھا مگر ٹریکٹر کا سن کے وہ مزید باہر لٹک گئی۔

"واؤ ٹریکٹر! سعد مجھے ٹریکٹر میں بیٹھ کے تمہارے گھر جانا ہے۔" اب میں نے باقاعدہ کھینچ کر اسے اندر سیٹ پہ پٹخا۔

"یہی حرکتیں رہیں تو ٹریکٹر کی بجائے ایمبولینس پہ ہی لے جانا پڑے گا۔"

"وہ کیا کہتے ہیں اس موقع پہ کہ اگر شکل اچھی نہ ہو تو بات کم از کم اچھی کرنی چاہیے۔"

"اور اگر شکل پہلے ہی کافی اچھی ہو تو؟" میں اترایا تو وہ منہ چڑانے لگی۔

"پھر وہی ہوتا ہے جو میرے کیس میں ہوا کہ لڑکی خود پرپوز کر دیتی ہے۔"

حویلی پہنچتے پہ وہ اسی جوش و خروش سے گاڑی سے اتری تھی مگر پھر ایک دم ہی اس کے چہرے پہ مایوسی آ گئی۔

"سعد۔" وہ مرے مرے لہجے میں کہتی عجیب سمجھ میں نہ آنے والی مظلومیت چہرے پہ لیے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے سعد۔"

"مثلاً"... کیا نہیں ہے؟"

"یار... میں اتنی ایکسائٹڈ تھی کہ یہاں بڑا شاندار استقبال ہو گا میرا... ڈھول باجے اور ہار پھول... مگر یہاں تو اتنی خاموشی... نہ ڈھول بج رہا ہے نہ راستے میں پھول بچھے ہیں۔"

"اوہو... پھر تو رات کو تمہیں آتش بازی کے شاندار مظاہرے کی بھی امید ہو گی۔"

میں نے طنزیہ مسکراہٹ چہرے پہ سجا کے تسلی دی۔

"اندر آؤ تانیہ ایک فلمی قسم کی تمنا تو تمہاری پوری ہو ہی جائے گی۔"

"وہ کیا؟"

"بڑے دادا... ایک اچھی فیملی فلم کسی دادا جی کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہوتی اور میرے بڑے دادا بڑے ہی فلمی ہیں" "آؤ تو سہی۔"

میں اس کا ہاتھ تھام کے کھینچتا اندر لے جانے لگا... مگر اندر داخل ہوتے ہی سب کو منتظر کھڑا دیکھ کے میں نے سٹپٹا کے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ... وہ پاگل سب کو ایک ساتھ دیکھ کے اتنی گھبرا گئی کہ میرا بازو زور سے تھام کے تقریباً ساتھ ہی چپک گئی۔

وہیل چیئر پہ ڈربے سمیت بیٹھے بڑے دادا جی نے چشمے کے پیچھے چھپی آنکھیں سکوڑ کے بغور تانیہ کی

اس واہیات حرکت کو دیکھا اور بڑبڑانے لگے۔ امی کے چہرے پہ بھی ناگواری تھی اور اس سے پہلے کہ مہ پارہ پھوپھو حسب عادت کانوں کو ہاتھ لگا لگا کے توبہ توبہ کرنے لگتیں میں نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"یہ... یہ تانیہ ہے۔"

"ہائے۔"

میرے تعارف کرانے پہ تانیہ نے مسکرا کے ہاتھ لہرایا۔ جس پہ سب کے ماتھے کے بل مزید گہرے ہو گئے۔ جسے محسوس کرتے ہی تانیہ کو جھٹ سے میری سب ہدایات یاد آ گئیں۔

"اوہ... سوری السلام علیکم... آداب۔"

"جیتی رہو..." ابو نے مسکرانے میں پہل کی۔

میری آنکھ کے اشارے پہ تانیہ فوراً" بڑے دادا کی جانب بڑھی۔ اور فوراً" بڑے ہی دوستانہ انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا۔

"کیسے ہیں بڑے دادا؟"

میرا دل چاہا میں اپنا سر پیٹ لوں۔ بڑے دادا نے نیچے کی جانب اشارہ کیا۔ وہ کچھ سمجھے بنا ان کے پیروں کی جانب دیکھنے لگی۔ جو بلند فشار خون کی وجہ سے سوجے ہوئے تھے۔ تانیہ نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہ... کتنی سویلنگ ہے ناں' چہ چہ۔"

میں نے ماتھے پہ ہاتھ مارا اور اسے اشارے سے بڑے دادا کے سامنے جھک کر ان سے پیار لینے کا کہا۔ شکر ہے اس بار وہ سمجھ گئی اور وہ فوراً" ان کے سامنے سر جھکایا۔

"جیوندی رہ۔" بڑے دادا نے اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"رضوان... کڑی ہے سوہنی... مینوں پسند ہے۔" انہوں نے فیصلہ سنا دیا تو ابو بھی طمانیت سے مسکرا دیے اور باقاعدہ اعلان کر ڈالا۔

"آپ کو پسند ہے دادا جی تو ہمیں بھی پسند ہے کیوں نائلہ؟" امی نے البتہ مسکرانے تک کی زحمت نہیں کی اور پلٹ کے اندر جانے لگیں' ابو نے معذرت خواہانہ نظروں سے مجھے دیکھا اور ان کے پیچھے گئے۔ میں مہ پارہ پھوپھو سے تانیہ کا تعارف کرانے لگا اور جب وہ تانیہ کو اس کا کمرہ دکھانے لے گئیں تو میرے قدم بھی خود بخود امی اور ابو کی جانب اٹھ گئے۔

"نائلہ... عقل سے کام لو بیٹا اتنے عرصے بعد گھر آیا ہے تمہیں دل بڑا کر کے اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔" ابو انہیں سمجھا رہے تھے۔

"کچھ دن بعد نیاز بھائی بھابھی اور ببلی آ رہے ہیں۔ میں انہیں کیا کہوں گی؟"

"ہم نے ببلی کا رشتہ مانگا تو نہیں تھا ابھی۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہتے... مگر مجھے دیکھ کے بات بدل ڈالی۔

"لو بھئی اب ماں بیٹے کی جذباتی ملاقات برداشت نہیں ہو گی مجھ سے' میں چلا۔" امی نے نامحسوس طریقے سے رخ موڑ لیا۔ میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"امی۔" میرے پکارنے پہ شاید ان سے رہا نہیں گیا وہ ساری خفگی بھول کے مجھے گلے لگانے پہ مجبور ہو گئیں۔

"سعد... میرا بچہ شکر ہے اللہ کا جس نے میرے دل اور آنکھوں کو پھر سے ٹھنڈک پہنچائی۔" ان کے گلے لگتے ہی میرے اندر کی برف پگھلنے لگی۔ میرے اندر جتنے بھی گلے شکوے تھے وہ اس برف کے ساتھ ہی پگھل کے بہہ گئے اور میں نے ان کے سامنے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

"سوری امی۔" ماں ہی تھیں ناں آخر ذرا سی سوری پہ بہل گئیں۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ سب بھول بھال کے کھانے کی میز پہ تانیہ کی تواضع کر رہی تھیں البتہ مہ پارہ پھوپھو جلدی ٹلنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

"تمہارے ابا کو پتا ہے کہ تم یہاں اپنا رشتہ طے کرتی پھر رہی ہو۔" ان کے تیکھے سوال کا جواب تانیہ نے ہلکے پھلکے انداز میں دیا۔

"جی' پتا ہے وہ بہت خوش ہیں سعد انہیں بہت پسند آیا ہے۔"

"اوہ... تو سعد بردکھوے کے لیے بھی ہو آیا؟"

"بس... بس... دکھ... دکھوا؟" ثانیہ کے حلق میں یہ لفظ اٹک اٹک گیا اور وہ جھک کے میرے کان میں سرگوشی کرکے پوچھنے لگی۔

"یہ کیا اسکائپ کو کہتے ہیں اردو میں؟"

"دراصل پھوپھو... میری کل رات ہی ثانیہ کے ڈیڈ سے اسکائپ پہ ہی بات ہوئی ہے۔"

"واہ... ٹیکنالوجی۔" ابو خوشدلی سے کہہ رہے تھے۔

"عجیب انسان ہیں بھلا داماد ایسے پسند کیے جاتے ہیں؟" پھوپھو کے اعتراضات جاری تھے۔

"ان کے پاس پسند کرنے کے علاوہ کوئی چوائس ہی نہیں تھی۔ کیونکہ میں نے سعد کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنی۔ یہ بات وہ جانتے ہیں۔"

"بیٹا میری بات بھی کروادو اپنے ڈیڈ سے چاہے اسکائپ پہ ہی سہی... ان سے سب معاملات طے کر لیے جائیں۔"

"طے تو یہ دونوں کرچکے ہیں بھائی صاحب۔" پھوپھو کی مسلسل طنزیہ گفتگو سے بچنے کے لیے میں نے موضوع بدلنا چاہا۔

"تم یہ پلاؤ لو... ماما کے ہاتھ کے کھانے کی عادت ایک بار تمہیں ہوگئی تو تم یہاں سے جانے کا نام نہیں لو گی۔"

"لو... میں ویسے بھی کب جارہی ہوں۔" وہ اترا کے بولی تو امی مسکرادیں۔

"اور کیا... اپنی بیٹی تو پرائی ہوتی ہے۔ ایک دن چلی جاتی ہے۔ اصلی بیٹی تو وہ ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے ہمارے آنگن میں ہوتی ہے۔"

"ہاں اور اگر بیٹی ام ہانی جیسی بے مروت ہو تو پھر بالکل ہی پرائی۔"

اتنے عرصے بعد ام ہانی کا نام سن کر میرا پانی کے لیے اٹھا ہاتھ جہاں کا تہاں رہ گیا... ماہ پارہ پھوپھو کی بات سن کے امی بھی افسردہ سی ہوگئی تھیں۔

"وہ اپنے گھر خوش ہے۔ مطمئن ہے ہمیں اور کیا چاہیے مہ پارہ۔"

ابو کا تو شاید اب کام ہی یہی رہ گیا تھا۔ پھوپھو کی سب کٹھلی ٹوکیلی باتوں کا ازالہ کیے جانا... مگر وہ کسی کو خاطر میں ہی نہ لائیں... سر جھٹک کے کہنے لگیں۔

"ہونہہ رہنے ہی دیں بھائی صاحب اوروں کی بھی بیٹیاں بیاہ کے جاتی ہیں ایسے میکے والوں پہ کوئی خاک تو ڈال کے نہیں جاتا... اتنی لاتعلقی بس بھولے بسرے کبھی عید، شب برات پہ فون کرلیا۔ ہاں بھئی بڑے کمشنر صاحب کی بیگم جو ہوئیں وہ۔"

میں نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا کھانے سے جی ہی اچاٹ ہوگیا۔ امی بھی اب ملول نظر آرہی تھیں۔

"صحیح کہہ رہی ہے یہ رضوان ڈیڑھ مہینہ پہلے خبر ملی کہ سندھ سے دوبارہ سالار کی تعیناتی یہیں نزدیکی شہر میں ہوئی ہے... مشکل سے دو گھنٹے کا راستہ ہوگا۔ مگر اسے توفیق نہ ہوئی ملنے کی۔"

"سعد... یہ ام ہانی کون ہے؟" ثانیہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

میں نظر چرا کے رہ گیا اور مہ پارہ پھوپھو اس ذکر کو طول دینے لگیں۔

"لیکن اگر وہ لوگ دوبارہ یہاں شفٹ ہوگئے ہیں تو آپ خود ہی فون کرلیتیں بھابھی۔"

"اب تو کرنا ہی پڑے گا۔ اتنی بڑی خوشخبری دینے کے لیے... اور مجھے یقین ہے سعد کی خوشی میں شامل ہوئے بنا وہ رہ ہی نہیں پائے گی... سعد تم خود کیوں نہیں چلے جاتے اسے لانے کل صبح؟"

ابو کے پوچھنے پہ میں نے ایک لمحہ دیر نہ کی جواب دینے میں۔

"نہیں... میں نہیں جاسکتا میں نے ثانیہ سے وعدہ کیا ہے کل اسے یہ جگہ دکھانے کا۔" اور ثانیہ مجھے ٹکر ٹکر دیکھتے ہوئے وہ وعدہ یاد کرنے لگی۔ اور پھر میری جان کو ہی آگئی۔

"تم بہت ہی عجیب انسان ہو... اچانک سے کبھی بھی کچھ بھی کہہ دیتے ہو۔" میں حسب عادت تیز تیز چل رہا تھا اور وہ حسب سابق میرے پیچھے پیچھے۔

"تو اچھا ہے تمہاری زندگی میں تو وہی پرفیکٹ ہوتا ہے، جو اچانک ہو۔"

"مگر اتنا اچانک! اب بتاؤ بھلا کب وعدہ کیا تھا تم نے مجھ سے یہ جگہ دکھانے کا۔"

"کیا تھا تمہیں یاد نہیں ہوگا اور میرے پیچھے آنا بند کرو وہ رہا تمہارا کمرہ جاؤ۔"

"ایک تو تمہارا کمرہ میرے کمرے سے اتنی دور ہے ہم یہاں بیٹھ کے کچھ دیر باتیں کریں۔"

"نہیں تانیہ یہاں ان باتوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تمہیں خود کو اس ماحول اور روایات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ کم از کم جب تک تم یہاں ہو میرے آس پاس منڈلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خصوصاً" رات میں یا اکیلے میں۔"

"ہونہہ ..." وہ منہ بسورتی اپنی کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میرے قدموں کی رفتار خود بخود دھیمی پڑ گئی۔ جیسے اس سے بھاگنے یا دور جانے کے لیے ہی ان میں بجلی بھرتی ہو۔ میں موڑ مڑ کے اس راہداری میں داخل ہوا جہاں ام ہانی کا کمرہ تھا... میرے ست پڑتے قدم بالکل بے جان ہو گئے۔

میں خالی خالی نظروں سے اس کمرے کے بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ کوئی تھا جو مجھے وہاں دھکیل رہا تھا۔ میں کھنچتا ہوا گیا اور کچھ دیر بعد میرا ہاتھ اس دروازے کی ناب پہ تھا سنسان راہداری میں دروازہ کھلنے کی ہلکی سی چرچراہٹ پیدا ہوئی۔ اندر قدم دھرتے ہی اس کی خوشبو میرے حواسوں پہ سوار ہونے لگی۔ میں نے گھبرا کے روشنی کی۔

سب وہی تھا۔
اس کی کتابیں...
اس کا لیمپ...
اس کا تکیہ... اس کا کمبل
دیوار پہ لگی ہم دونوں کی تصویریں۔

مجھے لگا میرا وجود سر سے پیر تک جکڑ رہا تھا ان زنجیروں سے خود کو چھڑانے کے لیے میں نے پورا زور لگایا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ ہانپتا ہوا میں اب تانیہ کے کمرے کے باہر کھڑا بے تابی سے دستک دے رہا تھا... وہ باہر نکلی تو میری وحشت اور خوف دیکھ کے گھبرا گئی مگر اسے کسی بھی سوال کا موقع دینے سے پہلے ہی میں اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچتا ہوا لے جانے لگا۔

"ارے سعد کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟ ارے چپل تو پہننے دو سعد۔ کمال ہے! ابھی اتنے لیکچر دے رہے تھے کہ تم سے دور رہوں، زیادہ آس پاس نہ منڈلاؤں، اکیلے میں نہ ملوں اور اب خود اتنی رات کو مجھے ہاتھ پکڑ کے پتا نہیں کہاں..." اور پھر وہ ایک دم خود ہی چپ ہو گئی۔

میں اسے آنگن میں لے آیا تھا...
ستاروں کی چھاؤں میں...

وہ بھی گنگ سی ہو کے ستاروں بھرا آسمان دیکھنے لگی جو میں پہلے ہی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا... اس کا ہاتھ اب بھی میرے ہاتھ میں مضبوطی سے دبا ہوا تھا... میں نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور وہ میرے ساتھ آ لگی... یونہی میرے کاندھے کے پار سے آسمان کو دیکھتے دیکھتے بے خودی سے پوچھنے لگی۔

"کوئی ستارہ ٹوٹا ہے کیا؟"

"نہیں کچھ اور ٹوٹا ہے۔" اسی بے خودی میں، میں نے جواب دیا اور پھر کان لگا کے کچھ سنتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں یہ بانسری سنائی دے رہی ہے۔"

"نہیں۔"

"مجھے سنائی دے رہی ہے۔ سنو غور سے... یہ ہے ناں سنی تم نے..."

اس نے لاچاری سے انکار میں سر ہلایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے آہستگی سے نکالتے ہوئے جیسے ہی الگ ہوئی میں نے دوبارہ اسے اپنے پاس کھینچ لیا۔ اور منت کرنے لگا۔

"نہیں تانیہ مجھ سے دور مت جاؤ ورنہ، ورنہ میں خود سے بھی دور ہو جاؤں گا۔"

"سعد۔" میرے بدلے ہوئے انداز اسے متوحش کر رہے تھے اور اسے کیا... خود مجھے بھی مجھے بھی کہاں اندازہ تھا کہ تین سال بعد پھر سے میں اس بے کلی اور

وحشت کو پھر سے اسی بھرپور طریقے سے محسوس کروں گا۔

"میرے پاس رہو تانیہ۔۔۔ تاکہ میں اپنے آپ میں رہوں۔ اگر میں اپنا نہ رہا تو۔۔۔ تو تمہارا ابھی نہیں ہو سکوں گا۔" میں نے اس میں پناہ لے لی۔

☼ ☼ ☼

سب کے سامنے کہہ چکا تھا۔ ناچار صبح اسے قصبے کی سیر کے لیے لے جانا ہی پڑا۔ ورنہ رات بے خودی میں جو کچھ سرزد ہوا تھا مجھ سے اس کے بعد اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"ویسے تمہیں رات کو ہوا کیا تھا؟" بھٹا کھاتے ہوئے وہ سوال کر بیٹھی۔

"کچھ نہیں بہانے بنا رہا تھا تمہارے قریب ہونے کے۔" میں ایک نمبر کا جھوٹا۔

"دلفنگے۔" وہ ہنس دی مجھے بھی ہنسی آگئی۔

"ہوں۔۔۔ لفنگا یہ ایک بار بلی نے بھی کہا تھا مجھے۔"

"بلی کون؟" وہ چونکی کچھ ٹھٹکی۔

"میری کزن۔"

"اور وہ تمہاری کزن تمہیں لفنگا کیوں کہتی تھی ایسا کیا کرتے تھے تم اس کے ساتھ۔" وہ زیادہ چونکی کچھ اور ٹھٹکی۔۔۔ میں چپ چاپ بس مسکراتا رہا۔

"اوہ تو کہیں تمہاری یہ کزن وہ ہی تو نہیں تھی جسے تم پہلے چاہتے تھے جس سے تمہیں محبت تھی۔"

مجھے پھر سے ہنسنا چاہیے تھا مگر میں حد درجہ سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں وہ محبت نہیں تھی۔"

"تو پھر کیا تھا؟"

"پاگل پن۔۔۔ ضد۔۔۔ خواہش۔۔۔ بچپنا۔"

"اوہ بچپنا۔" اس نے اطمینان کی سانس لی۔

"مگر اب تو تم بچے نہیں ہو۔۔۔ اب کوشش کر کے دیکھو۔۔۔ شاید سچ مچ ہو جائے تمہیں محبت۔"

وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے میرے سامنے آن کھڑی ہوئی اور میں اس سے نظر چرانے پہ مجبور ہو گیا۔

"نہیں شاید نہیں یقیناً" اب یہ دوبارہ کبھی نہیں ہو گا۔" اور ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ ہم چلتے چلتے کھنڈر کی عقبی دیوار کے پاس آگئے تھے۔

وہ ٹوٹی ہوئی دیوار جس کے اس پار کھائی تھا۔ میں قدم بڑھاتا کھائی کے پاس پہنچا اندر جھانکتے ہوئے پوری شدت سے چلا اٹھا۔

"آئی لو یو۔۔۔"

میرے عجیب و غریب رویے اور کترائے کترائے انداز کو سمجھنے کی کوشش کرتی تانیہ یکدم کھل سی گئی یہ سن کے اور بھاگتے ہوئے میرے پاس آئی۔۔۔ مسرت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"او سعد۔۔۔ آخر تم نے کہہ ہی دیا۔۔۔ میں کب سے یہ تین الفاظ تم سے سننے کے لیے ترس رہی تھی۔"

"اور میں کب سے یہ تین الفاظ کسی نہ کسی کھائی میں گراتا آرہا ہوں۔" وہ پھر سے حیران ہوئی۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کچھ پوچھتی' میں نے اس کے ہاتھ اپنے شانے سے ہٹائے۔

"مجھے جانا ہے تانیہ۔۔۔ ابھی۔۔۔ اسی وقت۔۔۔ ہانی کو لینے۔" اور اسے یوں ہی حیران پریشان چھوڑ کے میں چل دیا۔

☼ ☼ ☼

ابو سے لیا پتا لے کر میں ام ہانی کے گھر پہنچا اور گیٹ کے باہر ہی کھڑے ہو کے مجھے احساس ہو گیا کہ یہ ام ہانی کا نہیں' سالار کا گھر ہے۔

بھلا ام ہانی کا گھر اور ایسا اجاڑ۔۔۔ ویران۔۔۔ وہاں تو پھول کھلتے۔۔۔ کلیاں چٹختی نظر آتیں۔۔۔ یہاں خزاؤں کے ڈیرے تھے اور سوکھے زرد پتوں کے ڈھیر۔ ام ہانی کا ہوتا۔۔۔ تو کوئل کوکتی یہاں۔۔۔ چڑیاں چہچہاتیں۔ یہاں تو گدھ اور کوے منڈلا رہے تھے۔

زنگ آلود گیٹ کو بمشکل دھکیل کے اندر داخل

ہوئے میں بے یقین سا تھا کہ ام ہانی یہاں نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسی جگہ ہو بھی کیسے سکتی ہے اور اگر ہے تو یہ جگہ ایسی کیسے ہو سکتی ہے۔

تب ہی بالکونی پہ ٹنگا ایک گلابی دوپٹا ہوا کے دوش پہ لہراتا نیچے آیا اور میرے چہرے پہ ٹھہر گیا۔ آہستگی سے دوپٹے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے میں نے ام ہانی کی مہک کو محسوس کیا اور اس بھروسے اندر قدم بڑھائے کہ وہ اندر ہی ہو گی، کہیں نہ کہیں۔

ایک ملازمہ مجھے بڑے سے مہمان خانے میں چھوڑ گئی۔ ایک طویل راہ داری سے گزرتے ہوئے اور اس طویل راہ داری پہ پڑنے والے ہر قدم کے ساتھ سالار کی ایک قد آدم تصویر میرے سامنے آرہی تھی۔ میں نظر چرا تا رہا اور اب مہمان خانے میں لگی جا بجا اس کی تصویریں مجھے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔ میں اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ بالکل بھی نہیں۔ تب ہی میری نظر مشرقی دیوار کے ایک کونے میں لگی پینٹنگ پہ گئی۔ وہ اسی کھنڈر کی تصویر تھی۔

وہی کھنڈر... میں اس پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کے نیچے ام ہانی کے دستخط نہ بھی ہوتے تب بھی میں جان جاتا۔ یہ اسی نے بنائی ہے۔ مگر... مگر کھنڈر کی اس عمارت کو اس نے نہ جانے کیوں دھند میں ڈوبا ہوا دکھایا تھا۔

"سعد..." میں اس کی آواز پہ پلٹا۔ وہ ام ہانی ہی تھی۔ ویسی کی ویسی۔ "تم واپس کب لوٹے سعد؟"

"جس وقت تمہاری نظر مجھ پہ پڑی... بس وہی لمحہ تھا میرے واپس پلٹنے کا۔" میں یہ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں کہہ گیا، وہ گنگ تھی۔ میں نے بات سنبھالی۔

"ابو نے کہا تھا تمہیں لانے کے لیے... سوچا اچانک آکے تمہیں سرپرائز دیتا ہوں لیکن شاید پریشان کر دیا۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ہاں... کوشش...

"بس اچانک تمہیں دیکھا... تو..."

"تو خوشی ہوئی؟" میں نے بڑی آس سے پوچھا۔

"کیسے ہیں سب...؟" اب کے بات اس نے بدلی۔ "تایا ابا... بڑی امی... پھوپھو... بڑے دادا..."

"سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں، چلو..." وہ کچھ کشمکش کا شکار لگ رہی تھی۔ "تم بیٹھو تو... کیا لوگے؟ چائے؟"

"کچھ نہیں... بس تم تیاری کرو، نکلتے ہیں۔"

"سعد... میں ضرور چلتی... مگر... دراصل..."

اس کی ہچکچاہٹ نے مجھے امی کی باتیں یاد دلا دیں۔

"سنا ہے تم شادی کے بعد بمشکل ایک آدھ بار گئی ہو وہاں... بہت مصروف رہنے لگی ہو شاید... یا نئی زندگی میں پرانے رشتے یاد نہیں رہے... مگر میں بہت اعتماد کے ساتھ کہہ کر آیا ہوں کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہنی میری منگنی پہ نہ آئے۔" ساتھ جانے کی بات سننے کے بعد اس کے چہرے پہ مسلسل ہوائیاں اڑ رہی تھیں... مگر منگنی والی بات پہ وہ جی بھر کے خوش ہو گئی۔

"سچ... تمہاری منگنی ہو رہی ہے... کس سے؟ کون ہے... کیسی ہے وہ؟"

"لڑکی ہے... اچھی ہے... پسند ہے مجھے... اور اتفاق سے وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے... تمہارے سرتاج کی طرح صرف خود کو پسند نہیں کرتی۔" میں نے ہر طرف آویزاں سالار کی تصویروں کی جانب لطیف سا طنز کیا تو وہ شرمندگی سے وضاحت دینے لگی۔

"ارے... یہ تو میں نے لگائی ہیں... وہ گھر پہ کم ہوتے ہیں نا... اسی لیے لگائی ہیں... تاکہ وہ ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہیں... میں کہیں آتی جاتی بھی نہیں ہوں اسی لیے... ایک منٹ بھی دور نہیں رہ سکتی سالار سے۔"

میں جان گیا تھا کہ یہ ساتھ نہ جانے کی تمہید باندھی جا رہی ہے۔ مگر کچھ کہہ نہ سکا۔ کیونکہ ام ہانی کے عقب میں مجھے سالار وہاں آتا نظر آرہا تھا... جس سے ام ہانی بے خبر لگ رہی تھی... اور اپنی ہی دھن میں کہتی جا رہی تھی۔

"بہت پیار کرتے ہیں وہ بھی مجھ سے۔۔۔ منع نہیں کریں گے جانے سے۔۔۔ مگر میں جانتی ہوں۔۔۔ ان کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا اگر۔۔۔" اور جیسے ہی سالار نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔۔۔ وہ نہ صرف فوراً" چپ ہو گئی۔۔۔ بلکہ میں نے اس کے چہرے سے زندگی کی رمق دور ہوتے بھی دیکھی تھی۔۔۔ اس کا بدن باقاعدہ کپکپا سا اٹھا تھا۔۔۔ سالار کے لمس سے۔۔۔ جیسے خوف سے جھرجھری لی ہو اس نے۔۔۔ جبکہ وہ مسکرا رہا تھا۔۔۔ بڑے مہربان انداز میں۔

"تم میری مشکل کو چھوڑو ام ہانی۔۔۔ بس وہ کرو جو تمہارا دل چاہے۔" پھر وہ میری جانب متوجہ ہوا۔

"تم وہی لڑکے ہو نا۔۔۔ ام ہانی کے کزن۔۔۔ سعد۔۔۔"

"جی۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ آپ کو یاد رہا۔۔۔ کیسے ہیں آپ۔"

"یہ تو تم ام ہانی سے پوچھو۔۔۔ کیسا ہوں میں۔۔۔ اور اسے کیسا لگتا ہوں؟" اس کا ہاتھ جواب تک ہانی کے شانے پہ تھا وہ پھسل کے اس کی کمر کے گرد حائل ہوا۔۔۔ اور سالار نے اسے خود سے قریب کر لیا۔۔۔ ام ہانی اب اور بھی سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔ جیسے اس کا سانس رک رہا ہو۔۔۔ میں کچھ دیر اور اس کے چہرے کو دیکھتا تو شاید اس کے خوف و ہراس کی وجہ جان پاتا۔۔۔ لیکن میری تو اپنی سانس رکنے لگی تھی ان دونوں کو ایک دوسرے سے اتنا قریب دیکھ کے۔

"ابو نے مجھے ہانی کو لینے بھیجا تھا۔۔۔ مگر وہ تو غالباً" اب آپ کے بغیر کہیں بھی آتی جاتی نہیں ہے۔۔۔ تو میں چلتا ہوں پھر۔۔۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"ایسے کیسے جا سکتے ہو تم؟" مجھے روکنے کے بعد وہ اسی محبت کے ساتھ ام ہانی سے گویا ہوا

"اتنے مان سے بلا رہے ہیں تو چلی جاؤ۔۔۔ دل ٹوٹ جائے گا ان سب کا۔"

"نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ میں پھر۔۔۔ پھر کبھی۔۔۔ میرا مطلب۔۔۔ ہے۔۔۔ کہ میں بعد میں چلی جاؤں گی۔" بہت وقت کے بعد ٹوٹ ٹوٹ کے الفاظ اس کے لبوں سے آزاد ہوئے۔

"نہیں۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی جاؤ گی تو تم جاؤ گی، ورنہ سب سمجھیں گے میری محبت خود غرض ہے اور میں نے تمہیں خود سے باندھ رکھا ہے۔" اس نے ام ہانی کی کمر سے اپنا بازو الگ کیا تو جیسے اس کی جان میں جان آگئی۔۔۔ مگر حیران وہ اب بھی تھی اور میں۔۔۔ میں تو جیسے کسی معمے کو حل کرنے کی تگ و دو میں تھا۔

"جاؤ۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ وہاں بے چینی سے تمہارا انتظار ہو رہا ہو گا۔"

سالار کے کہنے پہ وہ یوں بھاگی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔ میں یہ گتھیاں سلجھانے میں ناکام ہونے لگا تو دیوار پر لگی اس پینٹنگ کو گھورنے لگا۔

دھند میں چھپا کھنڈر۔۔۔

"میں نے کہا تھا نا۔۔۔ سالار مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ انہیں میرا بہت خیال ہے۔ اب دیکھو نا، صرف میری خوشی کی خاطر مجھے بھیج دیا، ورنہ اکیلے کیسے رہیں گے۔" میں خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ مسلسل بولتی جا رہی تھی۔ مسلسل۔۔۔ بے تکان۔۔۔ اور بے تکا۔ بلاوجہ اپنے انداز سے خوشی اور ہیجان ثابت کرنے کی ناکام کوششوں میں ہلکان۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کتنی بھونڈی اداکارہ ہے۔

"اُفف۔۔۔ اب اتنی فکر رہے گی مجھے ان کی۔۔۔ کیسے رہیں گے اکیلے۔۔۔ سعد۔۔۔ میں کہے دیتی ہوں۔۔۔ میں زیادہ دن نہیں رکوں گی۔۔۔ سالار خود سے کبھی نہیں کہیں گے۔۔۔ مگر میں جانتی ہوں انہیں کتنی پرابلم ہو گی۔ میرے بغیر۔ اور سب سے بڑی بات۔۔۔ وہ تو ایک منٹ کے لیے مجھے اپنی نظروں سے اوجھل۔۔۔"

"تم نے اس پینٹنگ میں اس کھنڈر کو دھند میں کیوں چھپایا ہوا تھا۔" میرے اچانک سوال پہ وہ چپ کر گئی اور پھر گھبرا کے رخ پھیر کے باہر دیکھنے لگی۔

"دھند میں منظر واضح نہیں ہوتے۔ جو نظر آتا ہے وہ اصل میں ہوتا کچھ اور ہے۔۔۔ لیکن میں اس کھنڈر کے چپے چپے اور نقش نقش سے واقف ہوں۔ اس پہ کتنی بھی دھند ہو۔۔۔ کتنا ہی کچھ چھپانے کی کوشش کی جائے۔۔۔ مجھے سب صاف نظر آتا ہے۔" میں نے کچھ

جتانا چاہا۔۔۔ مگر وہ ایسی بن گئی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔۔۔ سمجھنا تو دور کی بات۔۔۔ پھر وہ سارا رستہ چپ رہی۔ یہ چپ حویلی جا کے بھی اس پہ چھائی رہی۔۔۔ خاص طور پہ جب مجھ پہ نظر جاتی۔۔۔ وہ مزید خائف لگنے لگتی۔

"تمہیں تو ہماری کبھی یاد ہی نہیں آئی۔۔۔ جس آنگن میں کھیل کے بڑی ہوئی' جہاں سے رخصت ہوئی' اس کو بھول گئی۔" امی نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے گلہ کیا۔۔۔ اور مہ پارہ پھوپھو نے حسب عادت گھما کے بات۔۔۔

"مگر آنگن میں جس کے ساتھ کھیل کے بڑی ہوئی اسے نہیں بھولی۔۔۔ دیکھو نا۔۔۔ ہمارے بلانے پہ کبھی نہیں آئی' مگر سعد لینے گیا تو آگئی۔"

"کیسے آتی پھوپھو۔۔۔ کمشنر کی بیگم کی زندگی اتنی آسان نہیں ہوتی۔ ایک تو ان تین سالوں میں چار الگ الگ جگہ پوسٹنگ' پھر سالار کے ساتھ آئے روز کسی نہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری تقریب میں جانا۔۔۔ اور گھر۔۔۔" میں جان گیا کہ میرے اندر آتے ہی وہ یہ راگ الاپنا شروع ہوئی ہے۔ صرف مجھے سنانے کے لیے۔۔۔ میں اطمینان سے میز پہ رکھی فروٹ کی ٹوکری سے آلو بخارا اٹھا کے کھانے لگا۔

"گھر کا تو پوچھیں ہی مت پھوپھو۔۔۔ اتنے کام اور اتنی ذمے داریاں۔۔۔"

"اب رہنے بھی دو ہانی۔۔۔ کون سے کام اور کون سی ذمے داریاں۔۔۔ نہ سسرال والے' نہ بال بچے۔۔۔ اور پھر کمشنر کی بیگم صاحبہ۔۔۔ کتنے تو نوکر چاکر ہوں گے۔ اب بناؤ مت ہمیں۔۔۔ یوں کہو کہ نئی زندگی کے ہنگاموں میں ہم تمہیں یاد نہ رہے۔"

"ایسا نہیں ہے پھوپھو۔۔۔ دراصل سالار کو نہ تو کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند آتا ہے' نہ وہ اپنے ذاتی کام کسی اور سے کرواتے ہیں اور سب سے بڑی بات۔۔۔ میں انہیں دو منٹ بھی اپنے آس پاس نہ نظر آؤں تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔" اب میں ٹانگیں پسار کے بالکل اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔۔۔ انگور کا گچھا ہاتھ میں لے کر انگور کے دانے ٹونگتے ہوئے اور گاہے

بگاہے اور بظاہر عام سی نظر اس پہ ڈالتے ہوئے۔ مگر میری یہ عام سی نظر بھی نہ جانے کیوں اسے بولائے دے رہی تھی۔ جیسے کسی کا جھوٹ سرعام پکڑا جائے۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ چلو۔۔۔ ہماری خوشی کے لیے یہی بہت ہے کہ سالار تمہیں چاہتا ہے۔" امی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو وہ پھر سے شروع۔۔۔

"کوئی ایسا ویسا تائی امی۔۔۔ میں تو کہتی ہوں۔۔۔ ایسا شوہر قسمت سے کسی کسی کو۔۔۔" اسی وقت اس کی نظریں مجھ سے ملیں۔۔۔ جانے کیا محسوس کر لیا اس نے کہ چپ ہو گئی۔۔۔ میں جو جتانا چاہتا تھا۔۔۔ وہ میں نے جتا دیا اور اسے مزید کہانیاں گھڑنے سے بچا لیا۔

"سعد۔۔۔ مجھے ثانیہ سے تو ملواؤ۔۔۔ بہت شوق ہے مجھے اسے دیکھنے کا۔" اس نے اپنا نہیں' میرا دھیان ہٹانا چاہا' خود سے۔

"اسی لیے تو لایا ہے سعد اسے۔۔۔ کہ ہم سب اسے دیکھ لیں اور پھر اس کی پسند کی داد دیں۔" پھوپھو کی طنزیہ گفتگو کا تانا وہیں جڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ "پسند تو خیر سعد کی ہمیشہ سے بہت اچھی رہی ہے۔" ام ہانی کے مسکرا کے کہنے پہ میں نے بھی مسکرا کے ہی جتایا۔

"اپنے مجازی خدا کی طرح تم بھی خاصی خود پسند ہو گئی ہو۔۔۔ نہیں؟" اس نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھنا چاہا۔۔۔ مگر کسی نے میری بات پہ توجہ نہیں دی تھی۔ امی اور پھوپھو کا الگ ہی مسئلہ شروع ہو چکا تھا۔

"ہبلی کے ساتھ ہے ثانیہ۔۔۔ اتنی دوستی ہو گئی ہے دونوں میں۔۔۔ شکر ہے۔۔۔ ورنہ نند بھابھی کی کہاں بنتی ہے۔" امی کی بات کا الٹا مطلب نکالے اب پھوپھو الجھ رہی تھیں۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں بھابھی۔"

✲ ✲ ✲

عرصے بعد وہ اپنے اس کمرے میں آئی تھی اور آتے ہوئے وہ مصنوعی مسکراہٹ نوچ کے باہر ہی پھینک آئی تھی۔ جس کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے اس کا

چہرہ اب چیخنے لگا تھا۔ اپنی اور سعد کی تصویر پہ نظر پڑتے ہی اس کے کانوں میں سعد کی آواز گونجی۔

"میرے بغیر جو بھی کام کرو گی۔۔۔ وہ غلط ہوگا۔۔۔ دیکھ لینا۔"

"دیکھ لیا۔۔۔" اس کے لبوں سے آہ سی نکلی۔ پھر وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل تک آئی۔۔۔ جس کی سطح پہ گرد کی ایک تہ جمی تھی۔۔۔ دراز سے اپنی اسکیچ بک نکال کے یوں ہی ورق پلٹے تو سب سے پہلے سالار کا بنایا اسکیچ ہی سامنے آیا۔

وہی خوف۔۔۔ وہی ہراس پھر سے اس پہ طاری ہوگیا۔ دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ اس نے فوراً اسکیچ بک بند کی۔۔۔ دراز میں پھینک کے بند کیا اور دوپٹے سے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کرنے لگی۔

تب ہی دھڑ سے دروازہ کھلا اور تانیہ بڑے جوش کے عالم میں اندر داخل ہوئی۔

"ام ہانی۔۔۔" اس کے انداز میں استفسار بھی تھا اور اشتیاق بھی۔۔۔ خود کو سنبھالتے ہوئے ام ہانی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ ام ہانی ہی ہو نا۔۔۔ سعد کی ہنی؟" اور آگے بڑھ کے گرمجوشی سے ہانی کے گلے لگ گئی۔ "اور تم تانیہ۔۔۔"

"ارے۔۔۔ سعد نے بتایا میرے بارے میں؟ تب ہی آپ نے فوراً مجھے پہچان لیا۔۔۔ مگر اس نے مجھے آپ کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔۔۔ ایک لفظ بھی نہیں۔۔۔ پھر بھی میں نے پہچان لیا۔"

"اچھا۔۔۔ وہ کیسے۔۔۔"

"پھوپھو اور نائلہ آنٹی سے پتا چلا کہ آپ اس کی بچپن کی اتنی اچھی دوست ہیں اور وہ ہمیشہ سے آپ سے بہت اٹیچ رہا ہے، تب سے میں اتنی ایکسائٹڈ تھی آپ سے ملنے کے لیے۔"

"اچھا۔۔۔ ہوں۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔" ام ہانی کو وہ پٹر پٹر بولنے والی لڑکی بھا گئی۔۔۔ دل چاہا اسے بار بار بولنے پہ اکسائے۔

"جو لوگ سعد کو اچھے لگتے ہیں وہ مجھے بھی اچھے لگتے ہیں۔ جو اسے پیارے ہیں وہ مجھے بھی پیارے ہیں۔۔۔ پتا ہے مجھے تو اب رنگ بھی صرف وہ اچھے لگتے ہیں جو وہ پہنتا ہے۔" ہانی اسے تکتی جا رہی تھی۔۔۔ بہت محبت سے۔۔۔

"کیا دیکھ رہی ہیں۔"

"تمہیں۔۔۔ تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔" اس نے بڑے ہی سچے دل سے کہا۔

"ارے۔۔۔ کہیں آپ کے ساتھ بھی تو وہ مسئلہ نہیں۔۔۔ کہ چونکہ میں سعد کو اچھی لگتی ہوں تو اس لیے آپ کو بھی اچھی لگ رہی ہوں۔" وہ گنگ ہوگئی۔ "بتایئے نا۔"

"ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔" مختصراً وہ اتنا کہہ پائی۔

☆ ☆ ☆

"اوہ تیری۔۔۔" میں نے کچھ ایسا دیکھا تھا کہ نہ صرف ٹھٹک کے رک گیا، بلکہ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور علی جو بلی کا ہاتھ تھامے بڑی ہی گھامڑانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ عشق جھاڑ رہا تھا، ہڑبڑا کے پرے ہٹ گیا اور بلی۔۔۔ وہ تو سرپٹ بھاگ لی۔

"وہ نا۔۔۔ سعد۔۔۔ میں بلی سے یہ کہہ رہا تھا کہ۔۔۔ کہ۔۔۔" میں نے ہنستے ہوئے علی کی مشکل آسان کی۔

"جو بھی کہہ رہا تھا، کہتا رہ۔۔۔ ایسی باتیں کسی اور کو تھوڑا ہی بتائی جاتی ہیں، احمق۔۔۔"

"نہیں، نہیں۔۔۔ وہ تو۔۔۔ قسم سے نہیں۔" وہ مزید گڑبڑا گیا۔۔۔ مگر میں مطمئن تھا۔۔۔ تانیہ بلی کے بارے میں کچھ مشکوک تھی۔۔۔ اسے لگ رہا تھا۔۔۔ بلی ہی وہ ہے جس سے ماضی میں میری کوئی وابستگی رہ چکی ہو۔

"چلو۔۔۔ یہ مسئلہ تو حل ہوا۔۔۔ خود بخود ٹھنڈی پڑ جائے گی اب وہ۔۔۔"

☆ ☆ ☆

ام ہانی سب کے منع کرنے کے باوجود کچن میں مصروف تھی اور تانیہ اسٹول پہ بیٹھی گاجر کھاتے ہوئے مسلسل اس سے سوالات اور جرح۔۔۔ اور اب

فرمائشیں کرتی جارہی تھی۔
"شادی کے بعد آپ مجھے بھی کوکنگ سکھائیں گی۔"
"میں نے بھی تائی امی سے ہی سیکھا ہے۔ تم بھی ان سے ہی سیکھ لینا۔"
"لیکن سعد کو تو آپ کے ہاتھ کا پسند ہے' اسی لیے تو اس نے آج خاص آپ کے ہاتھ کے پراٹھے کی فرمائش کی ہے۔ کیا آپ اس کی سب پسند ناپسند سے واقف ہیں؟" اس کے سوال پرام ہانی مسکرائی۔
"پسند ناپسند سے ہی واقف نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ اس کی پسند کب بدلنے والی ہے۔"
"پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ وہ... میرا مطلب ہے کہ کچھ سال پہلے جو اس کا کرش... یعنی... وہ... آپ سمجھ رہی ہیں نا... کیا اب بھی وہ..." روٹی بیلتے ہوئے ہانی کے ہاتھ تھم گئے۔ اس سے جھکا ہوا سر اٹھا کے تانیہ کی جانب دیکھا تک نہ گیا۔ کہ نہ جانے اس کے چہرے پہ کیا ہو جس کا وہ تاب نہ لا سکے۔
"بتائیں نا..." وہ سب جاننے پہ مصر تھی۔
"کیا وہ واقعی سیریس تھا... یا بس ایسے ہی..."
"تم کیوں پوچھ رہی ہو پرانی باتیں..." ام ہانی نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپانے کی کوشش کی۔ "اس کا آج تم ہو تانیہ... اور آنے والا کل بھی..."
"مگر اس وقت اس کا گزرا ہوا کل بھی تو اس کے سامنے ہے۔" تانیہ کی بات پہ اس کے ہاتھ سے گھی کا کٹورا گرتے گرتے بچا' وہ متوحش ہو کے اسے تکنے لگی۔ "گزرا ہوا کل..."
"ہاں... بچپن کی محبت... اور وہ بھی پہلی محبت... پہلی محبت انسان کبھی نہیں بھولتا... خاص طور پہ جب عرصے بعد وہ سامنے آئے... سنا ہے راکھ میں دبی چنگاریاں پھر سے بھڑک جاتی ہیں۔" اس کی باتیں سن کے ام ہانی کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔
"تانیہ... تم... تمہیں کوئی غلط فہمی..." اس کا لہجہ اتنا پست تھا کہ وہ خود ہی چپ ہو کر رہ گئی۔

"میرے دماغ میں تو اس وقت سے خطرے کا سائرن بج رہا ہے ہانی... جب سے میں نے بیلی کو دیکھا ہے۔"
"بیلی..." ام ہانی نے تصدیق چاہی۔
"ہاں... ٹھیک ہے میری اور سعد کی منگنی ہے اور کچھ دن بعد ہماری شادی ہونے والی ہے لیکن وہ یہاں ہے... اگر دونوں کے درمیان پھر سے وہی پرانی والی..." بیلی کے ذکر پہ جیسے ہانی کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہو گئی تھیں۔
"تم غلط سوچ رہی ہو تانیہ... ایسا کچھ بھی نہیں ہے... سعد کے دل میں کبھی بھی بیلی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔"
"سچ... آپ مجھے بہلانے کے لیے تو نہیں کہہ رہی؟" وہ اب بھی بے یقین تھی۔
"میں قسم کھا کے کہہ سکتی ہوں۔"
"پکا..."
"سو فیصد پکا۔"
"اف... شکر..." تانیہ نے ایک گہری طمانیت بخش سانس بھری۔
"بوجھ اتر گیا دل سے... آپ بہت اچھی ہیں ہانی... بہت اچھی..." اس نے وفور جذبات سے ہانی کے ہاتھ تھام لیے اور اس کے ہاتھوں کے لمس میں موجود حدت نے ام ہانی کے دل میں اس پیاری سی لڑکی کے لیے پیارا سا احساس جگا دیا۔

✡ ✡ ✡

عرصہ ہو گیا تھا۔ بڑے دادا سے گپ شپ لگائے۔ میں بڑا موڈ بنا کے ان کے کمرے کی جانب بڑھا... پتا تھا کہ لاڈ بھی ہوں گے... گلے شکوے بھی... اور پھر رج کے ڈانٹ بھی ملے گی۔ کسی نہ کسی بہانے ان کے دروازے کے پاس پہنچتے ہی مجھے مہ پارہ پھوپھو کی آواز سنائی دی۔ گلے شکوے... رنج اور دکھ میں ڈوبی آواز...
"دادا جی... آپ سالوں سے اس بستر پہ ہیں...

زندگی اور موت کے درمیان... نہ جیتے ہوئے... نہ مرتے ہوئے... میں بھی سالوں سے اس حال میں ہوں۔ آپ کی تکلیف کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں محسوس کرسکتا۔ کیا آپ نے کبھی میری تکلیف کو محسوس کیا۔ وہ تکلیف جو اپنی ہم جولیوں کو ان کے گھر میں اور شوہر اور بچوں کے ساتھ مگن دیکھ کے مجھے ہوتی ہے۔" وہ تکلیف جو اپنی اجاڑ زندگی اور سونی ہتھیلیوں کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ بتائیں دادا جی..."

مجھے حیرت سی ہوئی... بھلا پھوپھو کی کیسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے بڑے دادا... تجسس سے بے تاب ہو کے میں نے ذرا سا اندر جھانکا۔ مہ پارہ پھوپھو بڑے دادا کی پائنتی بیٹھی ان کے بڑے سے پلنگ کے پائے سے سر ٹیکے رو رہی تھیں اور بڑے دادا... وہ منہ کھولے سو رہے تھے۔ ان کے خراٹے بہت ہلکی آواز میں پھوپھو کی سسکیوں کے درمیان دب رہے تھے۔ مجھے مزید حیرت ہوئی... بڑے دادا کی نیند تو بڑی کچی تھی۔ پھر وہ ایسے بے خبر کیسے ہوسکتے ہیں اور پھر ذرا غور سے دیکھنے پہ یہ حیرت دور ہوگئی۔ ان کا آلہ سماعت ان کے سینے پہ دھرا تھا۔ اس وقت وہ کسی بھی آہٹ، کسی کھٹکے، کسی سرگوشی، کسی آہ، کسی سسکی کو سننے سے قاصر تھے۔

"بڑا ظلم کیا آپ نے دادا جی... بڑا ظلم کیا... اکیلا کردیا مجھے۔" وہ اب تک رو رہی تھیں۔ اب سمجھ آیا کہ شاید بڑے دادا کا آلہ سماعت بھی پھوپھو نے ہی نکال کے ایک طرف رکھ دیا تھا۔ میرا دل پھوپھو کے دکھ پہ بوجھل سا ہوگیا... اور اسی کیفیت میں، میں صحن میں آکے بیٹھ گیا۔ پتا بھی نہ چلا کب تانیہ میرے برابر آکے بیٹھ گئی۔

"گم صم... اداس... چپ چاپ... کیا... منگنی نے ایک دن پہلے ایسی حالت ہوتی ہے۔" اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا میرے پاس۔ اس نے میرا چہرہ اپنی انگشت شہادت سے اپنی جانب کیا۔

"تم خوش نہیں ہو سعد؟" اس ہر دم ہنسنے مسکرانے والی پیاری لڑکی... جس کا دل اور جس کی فطرت ہی بے حد پیاری تھی۔ اسے اپنی وجہ سے تشویش کا شکار دیکھ کے مجھے ندامت سی ہوئی۔

"خوش ہوں۔" اس کی تسلی کے لیے میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"تو ظاہر کیوں نہیں کرتے؟ وہ کیا چیز ہے سعد جو تمہیں کھل کے خوش بھی نہیں ہونے دیتی۔"

"کسی کا دکھ..."

"کس کا...؟"

"اپنوں کا... میں کتنا انجان... کتنا غیر بنا رہا اپنے اپنوں سے... جب ان کے ساتھ تھا تو اپنی لاپروائی کی وجہ سے... یا شاید کم عمری کی وجہ سے دھیان نہیں تھا۔ اب احساس ہو رہا ہے کہ اس حویلی کے اندر کتنی سسکیاں گھٹ گھٹ کے مرجاتی ہوں گی۔"

"تم کس کی بات کررہے ہو سعد؟"

"اس گھر میں بہت کچھ بدلا ہے تانیہ... پرانی روایتیں، پرانی سوچ، سب کچھ، مگر صرف ہم مردوں کے لیے... اس حویلی کی عورتوں کے لیے کبھی کچھ نہیں بدلا... چاہے وہ معمولی ملازمہ سلمٰی ہو یا پھر پھوپھو۔" تانیہ کا چہرہ بھی بجھ سا گیا۔ اس کا حساس دل اس دکھ کو اسی شدت سے محسوس کررہا تھا... جیسے میں... نہ جانے یہ اس کی حساسیت تھی... یا اس کی مجھ سے محبت...

"تمہیں اگر ان کے حالات پہ دکھ ہے سعد تو پھر تم ان کے حالات بدل بھی سکتے ہو۔" اس نے حوصلہ دلانا چاہا۔

"نہیں..."

"ہاں... تم... کیونکہ جس کے دل میں دوسرے کے لیے احساس ہو... وہی اس کے لیے کچھ کرسکتا ہے... کسی کی مدد کرنے کے لیے اپنا بااختیار ہونا اتنا ضروری نہیں ہے۔ جتنا دوسرے کے لیے ہمدردی محسوس کرنا... اور وہ تم کررہے ہو۔" میں مسکرا دیا۔ وہ واقعی بہت پیاری تھی۔ باہر سے بھی... اندر سے بھی... جتنا میں اسے جان رہا تھا... اتنا خود سے نظر چراتا، پھر رہا تھا۔ اتنی پیاری... اور اتنی محبت کرنے

والی لڑکی سے بھی شادی کا فیصلہ کیوں کر بیٹھا؟ صرف امی کو زچ کرنے کے لیے؟

صرف اس لیے۔۔۔ کہ اگر انہوں نے میری پسند جانتے ہوئے بھی میری جانب سے نظریں پھیرے رکھیں۔۔۔ میری چاہت کی پروا نہ کی۔۔۔ تو میں بھی بدلے کے طور پہ بیلی کے بارے میں ان کی پسندیدگی کو چٹکی میں اڑا سکوں۔ انہوں نے صرف اپنی پسند کی بہو لانے کے لیے یہ سب کیا تھا۔۔۔ تو میں ان کا اپنی پسند کی بہو لانے کا خواب، محض خواب ہی بنا کے رکھ دوں۔۔۔ اس لیے اپنی زندگی کے ڈرامے میں، میں نے ثانیہ کا کردار زبردستی شامل کیا۔ کر تو بیٹھا تھا۔۔۔ مگر اب شرمندگی ہوتی تھی۔ جب جب بھی ثانیہ کی اجلی فطرت کی کوئی نہ کوئی جھلک میرے سامنے آتی تھی۔ اس کی خوشیاں مجھے وہمی سا کر رہی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی یہ خوشیاں میری وجہ سے چھن جائیں۔ یہ وہم ہو چلا تھا مجھے۔۔۔ اسی لیے جب امی کے بڑے چاؤ سے رکھی ڈھولک پہ اسے تالیاں پیٹ پیٹ کے خود اپنے سہاگ کے گیت گاتے دیکھا۔۔۔ تو میں وہاں سے اٹھ کے چھت پہ چلا گیا۔ حویلی میں شام بڑی حسین اترتی تھی۔ حد نظر تک آسمان کی لالی۔۔۔ اور پھر اس لالی میں نیلاہٹ گھلی تو میں نے جانا۔۔۔ ہلکے نیلے رنگ میں ملبوس وہ ام ہانی تھی جو چھت پر سے دھلے کپڑے سمیٹنے آئی تھی۔ میں نے رخ پھیر لیا۔ صرف اور صرف اپنی نظروں کو محصور ہونے سے بچانے کے لیے۔۔۔ جو آج بھی اس پہ پڑ کے واپس پلٹنا بھول جاتی تھیں۔۔۔ مگر میں نے اس بار کامیابی سے ان کو واپس پلٹنے پہ مجبور کیا۔۔۔ نیچے جھانکا تو قہقہہ نکل گیا۔ علی اور بیلی۔۔۔ علی نے قہقہے کی آواز پہ ہڑبڑا کے اوپر دیکھا۔ بیلی تو فوراً" ہاتھ چھڑا کے بھاگ گئی۔ علی غصے میں منہ پہ ہاتھ پھیرتا بڑبڑاتا جانے لگا۔

"کیا ہوا؟" مجھے ہنستا دیکھ کے ام ہانی نے پوچھا۔

"بھاگ گئے دونوں۔۔۔"

"کون۔۔۔؟" وہ قریب چلی آئی۔

"علی اور بیلی۔۔۔ چھپ چھپ کے رومانس جھاڑ رہے تھے۔"

"واقعی۔۔۔" اس کے لیے بھی یہ ایک انکشاف ہی تھا۔

"بڑے چھپے رستم نکلے یہ تو۔۔۔"

"تمہاری شادی پہ میٹنگ ہوئی تھی ان کی۔۔۔ علی بتا رہا تھا کہ تمہاری رخصتی کے اگلے روز وہ دونوں یہیں چھت پہ لڑ رہے تھے کسی بات پہ۔۔۔ کہ دور سے بانسری بجنے کی آواز آئی۔" نہ جانے کیوں میں یہ فضول سی کہانی گھڑ کے اسے سنانے لگا اور وہ بھی بڑی محو ہو کے سن رہی تھی۔

"اس بانسری کی لے میں پتا نہیں کیا تھا کہ دونوں کے دل خود بخود ایک دوسرے میں کھو گئے۔"

"جھلی بھی نا۔" وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔

"بھلا ایسے بھی کہیں ہوتا ہے۔"

"کیا پتا سچ ہو بہنی۔" میں اسے یقین دلانے پہ مصر تھا۔

"ہم کیا جانیں۔۔۔ ان دو دلوں پہ کیا گزری تھی۔۔۔ یہ تو وہ لمحے۔۔۔ وہ سر۔۔۔ وہ بانسری کی لے ہی بتا سکتی ہے کہ اس وقت ان پہ وہ۔۔۔" ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ فضا میں پھر سے بانسری کی وہی آواز ابھری۔ میں چپ ہو گیا۔ بالکل چپ۔۔۔ میں کیوں چپ ہوا تھا۔۔۔ یہ میں جانتا تھا۔ وہ کیوں چپ تھی۔۔۔ یہ نہ وہ جانتی تھی، نہ میں۔۔۔ کتنی ہی دیر ہم دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے گئے۔ اس سکوت میں کچھ تھا۔۔۔ تو وہ بانسری کی آواز۔۔۔

"یہ تو وہ بجاتا تھا۔۔۔ سلمیٰ کا عاشق۔۔۔" وہ ہلکا سا بڑبڑائی تو میں بھی جیسے ایک سحر کے عالم سے نکلا۔

"ہاں۔۔۔ مگر وہ دونوں تو اسی رات یہاں سے کہیں دور چلے گئے تھے۔۔۔ پھر یہ کون ہے؟" میرے سوال پہ وہ مسکرائی۔

"بستیاں بسی ہوں تو عاشق دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔"

"کیا عشق بھی دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔" میرے دوسرے سوال پہ وہ نہ مسکرا سکی، نہ کچھ کہہ سکی۔

اسے پھر سے چپ لگ گئی۔ میں چند قدم آگے بڑھ کے اس کے قریب آیا۔

"علی ٹھیک کہتا تھا ہانی۔۔۔ یہ بانسری فضا میں گونجتی ہے تو دلوں میں رستے بنتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ چاہے دروازے بند ہوئے سالوں ہی کیوں نہ بیت چکے ہوں۔۔۔ رستہ بن ہی جاتا ہے۔" وہ جیسے ہوش میں آئی۔ اور پلٹ کے تیزی سے واپس جانے لگی۔ میں کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہا' بند دروازے میں سے بنتے رستے کا تماشا دیکھتا۔

☼ ☼ ☼

تقریباً" بھاگتے ہوئے وہ نیچے آئی تھی اور اسی طرح بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کس سے بھاگ رہی تھی۔ یہ وہ بھی جانتا تھا۔ جس سے وہ بھاگی تھی۔ اس لیے اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔

"کیا عشق بھی دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔" یہ سوال اس کے ذہن میں ڈنک مار رہا تھا۔

"کیوں کی سعد نے ایسی بات۔۔۔ وہ بھی۔۔۔ وہ بھی اس موقع پہ۔۔۔" اور ابھی الجھنیں مزید باقی تھیں۔ نائلہ کمرے میں اسی کی منتظر تھیں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ جوڑے تھے۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی ہانی۔" وہ نائلہ کو پا کے ٹھٹکی۔۔۔ پھر اپنی گھبراہٹ کو اعتدال میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

"جی تائی امی۔۔۔ کہیے۔۔۔ کوئی کام تھا۔"

"سعد کی منگنی کی تقریب کے لیے میں نے تمہارے اور سالار کے لیے جوڑے بنوائے ہیں۔۔۔ یہ دکھانے تھے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی تائی امی۔" وہ جز بز سی ہو گئی۔

"تحفہ ضرورت سے نہیں۔۔۔ محبت سے دیا جاتا ہے ہانی۔" وہ مسکرائیں۔۔۔ پھر بھی کچھ تھا جو ام ہانی کو کھٹک رہا تھا۔ بہت بری طرح۔

"اور میں نے تمہاری سب ذمے داریاں ماں کی طرح نبھائی ہیں' تو یہ کیوں نہیں؟" ان کا لہجہ میٹھا تھا۔۔۔ از حد۔۔۔ مگر پھر کیوں ام ہانی کو ایسا لگ رہا تھا کہ ان کی شیریں بیانی کے پیچھے کچھ اور تھا۔ کچھ ایسا جو وہ ابھی کہہ نہیں پا رہیں۔۔۔ مگر کہیں گی ضرور۔۔۔

"تمہاری ماں ہوں تو سالار کی ساس بھی تو ہوں۔۔۔ تمہارے لیے کچھ لیتی تو اسے کیسے بھول جاتی۔۔۔ ویسے وہ اب تک آیا کیوں نہیں تقریب کے لیے۔" اتنا اچانک سوال تھا ان کا کہ وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ تو۔۔۔"

"فون آیا اس کا۔۔۔"

ام ہانی نے انکار میں سر ہلایا۔

"تم نے کیا؟" اس سوال پہ وہ پھر سے نفی میں گردن ہلا کے رہ گئی۔

"کرنا چاہیے تھا۔" وہ سنجیدہ ہو گئیں۔۔۔ اور لہجہ نصیحت آمیز۔۔۔

"بلکہ تمہیں اسے ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔۔۔ سعد تو ابھی بچہ ہے۔ ان نزاکتوں کو نہیں جانتا۔ تمہیں اکیلا ہی لے آیا۔۔۔ نہ جانے اس نے ڈھنگ سے سالار کو انوائیٹ بھی کیا یا نہیں؟ دیکھو۔۔۔ ابھی اور بھی مہمان آئیں گے۔ سب اس کے بارے میں سوال کریں گے۔ بیاہی بیٹی داماد کے ساتھ آئے تو اس کی بھی عزت بنتی ہے اور میکے والوں کا مان بھی۔۔۔" ام ہانی سر جھکا کے رہ گئی۔ اس کے پاس ان کی تمام باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ نائلہ نے قریب آکے محبت سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"تمہاری ماں بن کے یہ باتیں میں ہی تمہیں سمجھاؤں گی کہ کیسے تمہیں میکے اور سسرال دونوں کا بھرم رکھنا ہے۔"

"جی۔۔۔" وہ کمزور آواز میں اتنا کہہ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

دن کا آغاز ہی افراتفری اور ہنگامے سے ہوا تھا۔ کیوں نہ ہوتا۔ میری زندگی میں ہونے والا کون سا واقعہ تھا جو ہنگامہ پرور نہ تھا اور یہ تو میری منگنی تھی۔ تقریباً"

دور نزدیک کے سب ہی رشتے دار اتنے مختصر مدت میں دیے گئے دعوت نامے کے باوجود آگئے تھے۔ خوشی سے بے حال۔۔۔ مگر پہلے سے نہ بتانے کا شکوہ کرتے ہوئے اور ان سب شکووں کے ساتھ ساتھ بھرپور تیاریاں کرتے ہوئے۔

"ہاجرہ۔ میری ساڑھی استری کی۔۔۔" یہ امی کی پکار تھی۔

"ابھی وہ میری کر رہی ہے بھابھی۔۔۔" پھوپھو کے کہنے پہ امی جھنجلا سی گئیں۔

"تو۔۔۔ تم بھی ساڑھی پہنو گی؟"

"کیوں۔۔۔ میں کیوں نہیں پہن سکتی۔" ان کے اعتراض کا جواب خالہ بتول نے اپنے انداز میں دیا۔

"ہمارے وقتوں میں تو صرف بیاہتا عورت پہنتی تھی ساڑھی۔"

"خالہ اب رہنے بھی دیں پرانے بوسیدہ اصول۔" پھوپھو کلس گئیں۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ رہنے دیے۔۔۔ تب ہی تو کہا۔۔۔ کہ ہمارے وقتوں میں۔۔۔ تم پہنو۔۔۔ ساڑھی۔۔۔ گھاگرا۔۔۔ کوٹ پتلون۔۔۔ دفع دور۔۔۔" امی انہیں الجھتا چھوڑ کے اب کسی اور ملازمہ سے اپنی ساڑھی استری کروانے کا کہہ رہی تھیں۔

"تنائلہ۔۔۔ اس سے کہہ کر میرا بادامی جوڑا بھی استری کروا دے۔" خالہ نے اب انہیں فرمائش داغی۔

باہر برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑا۔۔۔ ابابیلوں کی قطاریں گنتا میں نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سب آوازیں سنتا رہا تھا۔

"واؤ۔۔۔ کتنے پیارے گجرے بنائے ہیں آپ نے۔" اندر تانیہ کہہ رہی تھی۔۔۔ نہ جانے کس سے۔

"ہانی بیٹا۔۔۔ گجرے بن جائیں تو مہندی گھول دینا۔" امی کے کہنے پہ مجھے علم ہوا کہ گجرے ام ہانی کے بنے ہوئے تھے۔ جن کی تانیہ تعریف کر رہی تھی۔

"جی اچھا تائی امی۔۔۔" اس کی مدھم آواز نے قطاریں گنتے ہوئے میرا دھیان ہٹا دیا۔ نہ جانے کتنی ہوئی تھیں۔۔۔ سات یا چھ۔

"میں گھول دوں آنٹی۔" بلی نے بڑے شوق سے پوچھا تھا۔۔۔ مگر پھوپھو نے صاف صاف منع کر دیا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم رہنے دو۔۔۔ بلکہ کوئی بھی اور یہ زحمت نہ کرے۔۔۔ مہندی تو صرف ام ہانی لگائے گی۔۔۔ اس کے ہاتھ کی گھلی مہندی کا رنگ بہت گہرا آتا ہے۔"

"ارے واہ۔۔۔ آپ کی ایک اور کوالٹی کا پتا چل گیا۔۔۔ اب میں شادی پہ بھی آپ سے ہی مہندی لگواؤں گی۔"

"ضرور۔۔۔" تانیہ کی فرمائش پہ اس نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ مجھ سے اب رہا نہ گیا۔ میں اندر جانے لگا۔

"اور پرانی ہیروئنوں کی طرح اپنے ہاتھ پہ سعد کے نام کا پہلا حرف بھی لکھواؤں گی 'ایس۔۔۔'" گجرے میں دھاگا پروتی ام ہانی کا ہاتھ رکا تھا اور میری نظر رکی تھی اس پہ۔۔۔ میں جانتا تھا۔۔۔ وہ کہاں کھو گئی ہے۔ اسی پل میں۔۔۔ جس پل میں نے اس دیوانگی کے عالم میں اس کے ہاتھ پہ مہندی سے اپنے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔ اسے تو شاید احساس بھی نہ ہوا تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی کوئی ٹھٹک کر رک گیا ہے اور بے خودی سے اسے دیکھتا چلا جا رہا ہے۔

"ہانی۔۔۔" تانیہ نے جھک کے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ چونک سی گئی۔

"ہوں۔۔۔"

"کیا میں بہت حسین لگ رہی ہوں؟" تانیہ کے معصومیت سے پوچھنے پہ وہ مسکرا دی۔

"ہاں۔۔۔ بہت۔۔۔"

"تب ہی سعد کی نظر مجھ سے ہٹ نہیں رہی۔" وہ اترائی۔

"دیکھیں نا۔۔۔ بت بن کے مجھے تکتا جا رہا ہے۔" ہانی نے سامنے دیکھا اور وہ جان گئی۔۔۔ یہ بت کسے تک رہا ہے۔ گھبرا کے وہ سوئی' دھاگا' پھول' گجرے سب چھوڑ کے وہاں سے چل دی۔

"ہانی۔۔۔ کیا ہوا؟" تانیہ نے حیران ہو کے اسے پکارا' مگر وہ جا چکی تھی۔ وہ چلی گئی۔۔۔ تو میں یہاں رک

کے کیا کرتا۔۔۔ میرے قدم بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔

"سعد۔۔۔" تانیہ نے اب مجھے پکارا۔۔۔ اور یقیناً میرے نہ رکنے پہ وہ ناراض ہوئی ہوگی۔۔۔ تب ہی کچھ ہی دیر بعد میرے پیچھے وہاں چلی آئی۔ میں دراز میں عرصے سے چھپا کے رکھا ام ہانی اور سالار کی شادی کا وہ کارڈ نکال کے دیکھ رہا تھا جس پہ میں نے سالار کا نام کاٹ کر اپنا لکھنے کے بعد سوچا تھا۔۔۔ شاید میں نے تقدیر کا لکھا ہی بدل دیا ہے۔ تانیہ کے آنے کے بعد میں نے کارڈ وہیں چھپا کے پھر سے دراز مقفل کر دیا۔

"کیوں عین منگنی والے دن چھاپہ پڑوانا ہے تم نے؟" میرے ہلکے پھلکے انداز پہ وہ بھی بدستور خفگی سے مجھے گھورتی وہیں کھڑی رہی۔

"اب کیا ہوا؟"

"تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ چھپ رہے ہو مجھ سے؟"

"نہ۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔" وہ سچ اندازہ لگا بیٹھی تھی، مگر میں مکر گیا۔

"ویسے بھی۔۔۔ کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ جتنا بھی بھاگو۔۔۔ کتنا بھی دور جاؤ۔۔۔ کہیں بھی چھپ جاؤ۔۔۔ اگر کسی کی جڑیں دل کے اندر تک اتری ہوں تو واقعی۔۔۔ کوئی فائدہ نہیں۔" چھپاتے چھپاتے۔۔۔ پردے ڈالتے ڈالتے بھی میں کچھ سچ کہہ ہی گیا۔

"تم بدلے بدلے لگ رہے ہو سعد؟ یا۔۔۔ یا یہ میرا وہم ہے؟"

"وہم ہی ہوگا۔" میں نے ٹالنا چاہا۔

"جیسے مجھے بھی وہم ہوا تھا۔۔۔ کہ سب بدل گیا ہے۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ مگر اب احساس ہوا کہ کچھ نہیں بدلا۔۔۔ سب کچھ پہلے جیسا ہی ہے۔" وہ مطمئن ہو کر مسکرائی۔ حالانکہ میں نے اس کو اطمینان دلانے والی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اگر وہ جان جاتی کہ میری اس بات کا مفہوم کیا ہے تو شاید اس کا اطمینان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا۔۔۔ مگر وہ مسکرا رہی تھی۔

"شکر۔۔۔ میں ایسے ہی گھبرا گئی تھی۔ حالانکہ ہانی نے بھی مجھے یہی کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا اس نے؟ یہی کہ۔۔۔ تم صرف میرے ہو اور میں ہی تمہارا آج ہوں اور میں ہی تمہارا آنے والا کل۔۔۔" میں مسکرا دیا۔۔۔ عجیب کرب سے۔۔۔

"اور یہ نہیں بتایا ہنی نے کہ میرا گزرا ہوا کل کون سا تھا۔"

"اوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ صرف اتنا کہا کہ جو گزر گیا وہ دوبارہ نہیں آتا۔۔۔ اور سعد کو تو یوں بھی رکنے یا پیچھے مڑ کے دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔۔۔ یہ سچ ہے نا سعد؟" میں خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا گیا۔ میری خاموشی پہ وہ گھبرا گئی۔

"بتاؤ نا۔۔۔ ہانی سچ کہہ رہی ہے؟ تم میرے ہی ہو؟" وہ اتنی آس اور امید سے مجھے دیکھ رہی تھی کہ میرا دل موم ہو گیا۔

"تم بہت اچھی ہو تانیہ۔۔۔" میں نے ہولے سے اس کی ناک دبائی۔

"اتنی اچھی کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہونی چاہیے تھی۔"

"کیوں؟ کیا محبت اتنی بری چیز ہے؟"

"ہاں۔۔۔ صرف بری ہی نہیں۔۔۔ کمینی اور ڈھیٹ بھی۔۔۔ کتنا بھی خود سے الگ کرو۔۔۔ جدائی کی مار مارو۔۔۔ یہ ڈھیٹ وہیں کھڑی رہتی ہے۔ ٹلتی نہیں ہے۔۔۔ اس لیے کہتا ہوں۔۔۔ کبھی نہ کرنا محبت۔۔۔ مجھ سے بھی نہیں۔"

"مگر۔۔۔ اب تو کر بیٹھی۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"یوں کہو۔۔۔ اب تو مر بیٹھی۔"

☼ ☼ ☼

منگنی کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ میرے دل پہ ایک بوجھ تھا۔ قدموں میں بیڑیاں۔۔۔ مگر ان من من بھر بھاری بیڑیوں کے ساتھ بھی مجھے قدم تو اٹھانے ہی تھے۔ اس راستے پہ تھا۔۔۔ جس پہ میں خود تانیہ کا ہاتھ تھام کے یہاں تک لایا تھا۔ اسے بیچ راستے پہ چھوڑ کے کیسے پلٹ جاتا اور پلٹتا بھی تو کیوں؟ کس کے لیے؟ اس

کے لیے؟ جو نہ کل میری تھی' نہ آج ہے۔ اس کے حقوق تو عرصہ پہلے کسی اور کے نام ہو چکے اور میں نے اپنی یہ پسپائی جب کھلے دل سے نہ صرف تسلیم کی تھی بلکہ حوصلہ کر کے اسے خود کسی اور کے ساتھ رخصت بھی کیا تھا۔

وعدہ بھی کیا تھا اس سے کہ میں پلٹ کے نہ دیکھوں گا۔ یہ خیال تک نکال دوں گا اس سے۔۔۔ پھر کیوں؟ کس لیے؟ کس کی خاطر۔۔۔ سب بے سود ہے۔۔۔ بے کار۔۔۔ میں نے خود کو ڈانٹا۔۔۔ ڈپٹا۔۔۔

اور تانیہ کی انگلی میں مبارک سلامت اور تالیوں کے شور میں انگوٹھی پہنا دی۔ سامنے نظر اٹھائی تو سب کے خوشی سے دمکتے چہرے تھے۔ بس ایک اس چہرے پہ ہلکی سی زرد پرچھائیں تھی۔ مجھے وہم۔۔۔ نہیں۔۔۔ خوش فہمی سی ہوئی۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے دور ہو گئی۔۔۔ سب کے درمیان کھڑی ام ہانی اپنے ہاتھ میں دبے فون کو دیکھ رہی تھی۔ جس پہ آئی کسی فون کال نے اس کے چہرے کی رنگینی پل بھر میں نوچ ڈالی تھی۔ پھر وہ نامحسوس طریقے سے سب کے درمیان سے نکل کے جانے لگی۔ اب تانیہ مجھے انگوٹھی پہنا رہی تھی۔ کسی کا دھیان اس کے جانے پہ نہ تھا اور میرا دھیان۔۔۔ وہ تو وہ ساتھ لے گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے تک آتے آتے ام ہانی نے سالار کی کال لے لی۔

"ہیلو۔۔۔"

"فرصت مل گئی؟" سالار کا لہجہ زہر بھرا تھا۔

"جی۔۔۔ وہ وہاں شور بہت تھا' اس لیے کال ریسیو نہیں کی۔ اندر آتے ہی میں نے فوراً۔۔۔"

"میں بہت دیر سے فون کر رہا تھا ام ہانی۔۔۔" وہ دھاڑا۔

"جی۔۔۔ میں بھی کل سے آپ کو بار بار فون کر رہی ہوں۔۔۔ آپ نے اٹھایا ہی نہیں۔"

"بہت خوب۔۔۔ تو تمہاری اتنی ہمت کہ اب تم مجھ سے بدلے لو گی۔" سالار الٹا پڑ گیا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا سالار۔۔۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ اس وقت میں فون نہیں اٹھا سکی۔۔۔ بتایا تو ہے آپ کو۔۔۔ وہاں شور بہت تھا۔"

"کچھ زیادہ لمبے جواب نہیں دینے لگی تم؟ کتنی مشکل سے میں نے تمہیں صرف ہاں میں جواب دینا سکھایا تھا۔" سالار کی بات پہ ام ہانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر کچھ کہے بغیر لب سی لیے۔

"جتنی جلدی ہو سکے۔۔۔ واپس آؤ۔۔۔"

"جی۔۔۔" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"میں صبح ہوتے ہی نکل آؤں گی۔"

"صبح کس نے دیکھی ہے۔" وہ پھر سے دھاڑا۔

"صبح تک کا انتظار نہیں کر سکتا میں۔۔۔ میں نے کہا۔ جتنی جلدی ہو سکے۔" وہ حواس باختہ ہو گئی۔

"ایسے کیسے اچانک نکل آؤں سالار۔۔۔ سب لوگ پوچھیں گے۔ ویسے بھی پہلے ہی آپ کے نہ ہونے پہ سوال کر رہے ہیں۔"

"میں نے کہا۔۔۔ ابھی اسی وقت۔۔۔" وہ یقیناً" نشے میں تھا۔۔۔ تب ہی ایک ہی بات پہ اڑا ہوا تھا۔

"منگنی ہو گئی؟"

"جی۔۔۔ ابھی ہوئی ہے رسم۔۔۔"

"تو بس پھر۔۔۔ رکنے کا کیا جواز ہے؟ میں نے تمہیں منگنی میں شرکت کی اجازت دی تھی۔ اس سے زیادہ کی نہیں۔۔۔ تمہیں اب تک گھر پہ ہونا چاہیے تھا۔"

"مگر سالار۔۔۔ اس وقت۔۔۔"

"ابھی وقت ہے ام ہانی۔۔۔ آجاؤ۔۔۔ دیر کی۔۔۔ تو نتائج کا ذمے دار میں نہیں ہوں گا۔" اس نے غصے میں فون پٹخ دیا تھا اور ام ہانی جیسے ہوا میں معلق ہو کے رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☼ ☼

فائزہ افتخار

شاید

ساتویں قسط

ام ہانی حواس باختہ سی بھاگتی کمرے سے نکلی، مگر نیچے ہال میں سب منگنی کی خوشی میں اتنے مگن تھے کہ اس کی ہمت ہی نہ ہوئی کسی کو اپنا مسئلہ بتانے کی۔

ڈھولک۔۔۔ گیت۔۔۔ رقص۔۔۔ کیسے ان سب میں سے کسی کو بتاتی کہ وہ واپس جانا چاہتی ہے اور کیوں جانا چاہتی ہے؟ ظاہر ہے کہ کیوں کا سوال بھی سامنے آتا۔ بلکہ بے شمار سوال۔۔۔ اور سب سے بڑھ کے اس وقت خوف اور گھبراہٹ سے اس کی جو حالت تھی اس کے بعد وہ ان سوالوں کے جواب نہ بھی دیتی تو سب جان جاتے اور وہ یہی تو نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی جانے۔۔۔ خاص طور پہ سعد۔۔۔ بھلا کیوں وہ اپنی تکلیف سب پہ آشکار کرکے ان کی خوشیوں کے رنگ مدھم کرتی۔

اس نے خاموش نظروں سے باری باری سب کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھے اور دبے پاؤں پلٹ گئی۔ اس ہنگامے اور شور شرابے میں کسی کو بھی اس کے آنے اور پھر جانے کی خبر نہ ہو سکی۔ اور کچھ ہی منٹ کے بعد وہ سالار کے بھیجے ڈرائیور کے ساتھ واپسی کے راستے میں تھی اور بار بار بجتا فون۔

"میں آرہی ہوں سالار۔۔۔ راستے میں ہوں۔" اور بار بار اس کی وضاحتیں اور صفائیاں اور تسلیاں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں سالار۔۔۔ میں آپ کے کہتے ہی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اب تو آدھے راستے میں ہوں۔"

"جی جی۔۔۔ بس پہنچنے ہی والی ہوں۔"

✿ ✿ ✿

مجھے اس کی غیر موجودگی بری طرح کھل رہی تھی۔ نظریں بے ساختہ اسے تلاش کر رہی تھیں اور ثانیہ کی باتوں کا میں بے دھیانی سے ہاں ہوں میں جواب دے رہا تھا۔

"سعد۔۔۔ مہندی کا رنگ تو واقعی بہت گہرا ہو رہا ہے۔" میں نے اچٹتی سی نظر اس کی ہتھیلیوں پہ ڈالی۔ تقریب ختم ہو چکی تھی۔ باہر سے آنے والے مہمان بھی جا چکے تھے، مگر ابھی بھی وہی رونق وہی چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ بس نہیں تھی۔۔۔ تو۔۔۔ وہ۔

"میں ابھی ڈیڈ کو بھی اسکائپ پہ اپنی مہندی دکھاؤں گی۔ وہ بہت خوش ہوں گے۔" ثانیہ کی بات پہ چم چم منہ میں رکھتے ہوئے پھوپھو نے بڑا لطیف سا طنز کیا۔

"اور ان سے کہنا شادی سے پہلے آ ضرور جائیں۔۔۔ کہیں نکاح نامہ بھی اسکائپ پہ دیکھنے کی فرمائش نہ کریں۔"

"ہاں بھئی ہمارے رشتے دار ان کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" امی نے کہتے کہتے اچانک چونک کر وہ بات کہی جو میں کب سے کہنا چاہتا تھا۔

"ارے ہاں۔۔۔ پوچھ تو سب ام ہانی کا بھی رہے تھے۔ تقریب میں بس وہ گھڑی بھر کو نظر آئی اور پھر غائب۔" اور پھر پاس سے گزرتی ملازمہ کو روکا۔

"سنو۔۔۔ ذرا ہانی کو بلانا۔"

"طبیعت نہ خراب ہو اس کی۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یا تھک گئی ہو گی۔ جلدی سونے چلی گئی ہو گی۔" یہ پھوپھو کا قیاس تھا۔

"بی بی جی کے جانے کا پتا نہیں آپ کو؟" ملازمہ کے حیرت سے پوچھنے پہ ہم سب ہی چونک گئے۔

"کیا؟ کہاں گئی وہ؟"

"ان کے گھر سے موٹر آئی تھی۔ وہ چلی گئیں۔"

"کیا؟"

"کب؟" سب ہی حق دق رہ گئے۔

"گھنٹے سے اوپر ہو گیا جی۔ مجھے لگا۔۔۔ آپ سب کو پتا ہو گا۔ بتا کے ہی گئی ہوں گی۔"

☼ ☼ ☼

بھاگتے ہوئے اس نے کار سے گھر کے اندر تک کا راستہ طے کیا تھا، مگر پھر دہلیز سے اس کے قدم جکڑ لیے۔ ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس لیے سالار سامنے ہی اس کا منتظر تھا۔ اگرچہ اس کا انداز پر سکون تھا، مگر یہ تو صرف ام ہانی ہی جانتی تھی کہ اس سکون میں کتنے طوفان چھپے ہوئے ہوں گے۔ اس نے دروازے کا

سہارا لے کر اپنی ہمت مجتمع کرنا چاہی۔ مگر ہمت۔ وہ تو سالار کو اپنی جانب قدم بڑھاتا دیکھ کے ہی جواب دے رہی تھی۔

"اتنی دیر؟" نزدیک آکے سالار نے دھیرے سے اس کا گال چھوا۔ وہ بدک کے پیچھے ہٹی مگر اب سالار نے اس کا چہرا اپنے ہاتھ کی گرفت میں مضبوطی سے لے لیا تھا۔

"تمہیں پتا تھا نا۔ میں تمہارے بغیر ایک پل کیسے گزارتا ہوں پھر کیوں گئی تھی تم؟"

"آپ نے ہی۔ ہی تو۔ کہا تھا جانے کا۔" اپنے چہرے کو اس کے شکنجے سے نکالنے کی کوشش کرتی ام ہانی نے کہا تو سالار اس کے رخساروں میں اپنی انگوٹھے اور انگشت کا دباؤ مزید بڑھاتے ہوئے غرایا۔

"میں کہوں گا۔ ابھی مر جاؤ تو مر جاؤ گی کیا؟"

"آپ کا فون آتے ہی میں نکل آئی تھی راستے میں دیر۔"

"میرا فون آنے کے بعد؟ کیوں؟" وہ زور سے چلایا۔

"پہلے نہیں آسکتی تھی؟ میں دو دن اور فون نہ کرتا تو کیا دو دن نہ آتی؟ کبھی نہ بلاتا تو کیا کبھی نہ آتی؟ کچھ احساس ہے تمہیں؟ کہ یہ وقت میں نے کیسے گزارا؟ انگاروں پہ چل کے ام ہانی۔ انگاروں پہ چل کے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے شیشے کی ان گنت کرچیاں میرے وجود میں کھب رہی ہوں اور تم۔ تم وہاں انجوائے کر رہی تھیں۔" اس کے چہرے کو جھٹکا دے کر سالار نے اسے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔ مارے خوف کے ام ہانی کا وجود یوں بھی بے جان سا ہو رہا تھا وہ بھربھری مٹی کی طرح نیچے فرش پر جا رہی۔

"یہ ہوتی ہے محبت۔ اسے کہتے ہیں وفا؟ یوں بنتے ہیں شوہر کے دکھ، سکھ کا ساتھی؟ ایسے ادا کرتے ہیں مجازی خدا کے حقوق؟ بولو۔" وہ ہتھیلیوں کے بل فرش سے اٹھنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔ چہرے پہ درد مگر آنکھیں اب بھی خشک۔ ویران۔

"حق تو تب ادا ہو گا ام ہانی کہ جن انگاروں پہ میں چلا ہوں تم بھی چلو۔ اپنی وفا کا ثبوت دینا ہے تو اتنی ہی کرچیاں اپنے وجود میں چبھو کے دکھاؤ جتنی تمہاری دوری سے مجھے چبھی ہیں۔" یہ کہتے ہی سالار نے ہاتھ میں تھاما گلاس زور سے نیچے دے مارا۔ ایک چھناکے کی آواز ابھری اور فرش پہ ام ہانی کی نظروں کے سامنے کرچیاں ہی کرچیاں پھیل گئیں۔ ام ہانی نے خوف زدہ نظروں سے سالار کو دیکھا جواب اسے اٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کپکپاتے بدن کے ساتھ بمشکل وہ اٹھ کھڑی ہوئی ٹانگیں بوجھ اٹھانے سے انکاری تھیں۔ اور ایسے میں سالار نے اب آنکھوں ہی آنکھوں سے اسے ان کرچیوں پر چلنے کا اشارہ کیا اس کے چہرے پہ اس قدر رعونت اور سفاکی تھی کہ ام ہانی نے رحم کی اپیل کا ارادہ بھی موقوف کر دیا۔ کسی معمول کی طرح وہ آگے بڑھی۔ کانپتا ہوا پیر کرچیوں پر رکھا۔ تکلیف کی شدت سے اس کے لبوں سے سسکی نکلی جسے دبانے کے لیے اس نے ہونٹ زور سے دبا لیے۔

سالار کے چہرے پہ رفتہ رفتہ سکون اور اطمینان نمودار ہو رہا تھا۔ جیسے یہ دبی دبی سسکیاں اس کی سماعتوں میں سر بکھیر رہی ہوں۔ جیسے جیسے ام ہانی کے پیروں سے خون رس رہا تھا۔ سالار کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

سب اپنی اپنی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میرے کانوں میں سب کی آوازیں پڑ رہی تھیں، مگر میں الگ تھلگ بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔

"آخر کچھ تو بتا کے گئی ہو گی، مجھے کسی نے خبر کیوں نہ دی۔" ابو جھنجلائے ہوئے تھے کیونکہ باوجود کوشش کے فون پہ بھی رابطہ نہ ہو رہا تھا۔

"بتا تو رہی ہوں ہمیں خود خبر نہیں تھی ملازمہ سے پتا چلا۔" امی کے کہنے پہ پھوپھو نے بھی لقمہ دیا۔

"اسے خود اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کسی کو اطلاع دے کر جاتی۔"

"مگر ملازمہ سے یہ تو پتا چلا ہے کہ ڈرائیور سالار نے

بھیجا تھا۔ خیریت ہی ہو ایسی کیا ایمرجنسی ہوئی ہوگی۔"

"فون نہیں ملا ابھی تک؟"

"نہیں پہلے کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ اب میاں بیوی دونوں کے فون بند مل رہے ہیں۔" ابو یہ بتا کے پھر سے نمبر ملانے لگے۔

"خیریت ہے۔"

"خیریت اس کے جانے پہ نہیں ہے بھابھی! اس کے آنے پہ زیادہ تھی وہ کہاں ہمیں اس قابل سمجھتی تھی کہ ہم سے کوئی رابطہ رکھتی یا تعلق۔۔۔ اور وہ اس کا شوہر کمشنر نہ ہوا۔۔۔ مہاراجہ ہو گیا کہیں کا۔۔۔ لاٹ صاحب۔۔۔ اتنا نہ ہوا کہ سسرال کی تقریب میں گھڑی دو گھڑی آجاتا۔"

"مہ پارہ۔۔۔ بند کرو یہ بے وقت کی راگنی۔" ابو چڑ گئے۔

"اوہو۔۔۔ آپ لوگ مان کیوں نہیں لیتے کہ وہ ہم سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتی۔ سعد کے زبردستی کرنے پہ آگئی اس لیے منگنی کی رسم ہوتے ہی یہ جا۔۔۔ وہ جا۔ وہ بھی ملے بغیر۔"

"تم عورتیں تصویر کا صرف ایک رخ کیوں دیکھتی ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہو پتا تو کرنا چاہیے۔" آخر میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو۔ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ میں دیکھ کے آتا ہوں۔" امی کو یہ بات خاصی ناپسند لگی تھی۔

"دن تو ٹھیک سے نکلنے دو۔ ابھی تو اذان ہوئی ہے فجر کی ایسی بھی کیا جلدی۔" مگر میں ان سنی کرتا نکل گیا۔

☆ ☆ ☆
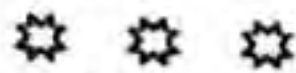
درد کی شدت سے اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی مگر آنکھیں اب بھی خشک۔۔۔ وہ کسی بت کی مانند بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کا زخمی پیر سامنے بیٹھے سالار کی گود میں تھا' جو اب بہت محبت اور نرمی سے اس کے تلووں سے رستا خون صاف کرتا کہہ رہا تھا۔

"کتنا خون نکل آیا ضدی لڑکی۔۔۔ ہمیشہ خود کو نقصان پہنچانے والی حرکتیں کرتی ہو۔۔۔ میری بات مان لیا کرو تو یہ سب نہ ہو۔" اس کے سہلانے پہ ہانی کے لبوں سے ایک سسکی سی نکلی تو سالار کے چہرے پہ جیسے امید کی جوت جاگ گئی وہ پھر سے اس کے زخموں کا معائنہ کرنے لگا۔

"اوہ۔۔۔ لگتا ہے کوئی کرچی رہ گئی۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے ایڑھی کے پاس گوشت میں دھنسی وہ کرچی کھینچ کے نکالی۔ ام ہانی کراہ اٹھی۔ اور درد کی شدت کو دبانے کے لیے دونوں مٹھیوں میں کمبل کو دبوچ لیا۔ سالار محویت سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی دلچسپ نظارہ ہو۔

"مجھے وہ پہلی ملاقات یاد آگئی۔۔۔ تب بھی تمہیں ایسے ہی چوٹ لگی تھی' میں نے ایسے ہی تمہارے پیر کو ہاتھوں میں لے کر تمہارا زخم صاف کیا تھا تب بھی تمہیں ایسے ہی تکلیف ہو رہی تھی شاید اس سے کم۔۔۔ مگر تب تم رو رہی تھیں ام ہانی۔۔۔ بے تحاشا اور تمہارے آنسو میرے دل پہ گر رہے تھے۔۔۔ میرے دل کا وہ حصہ آج تک گیلا ہے۔ اس کے باوجود ایک تشنگی ہے اور ایک خواہش۔۔۔ مزید بھیگنے کی۔۔۔ مجھے لگا تم میری زندگی میں آؤ گی تو اپنے آنسوؤں سے میری ساری تشنگی دور کر دو گی مجھے جل تھل کر دو گی۔۔۔ مگر۔۔۔" اچانک اس کے چہرے پہ پھر سے وہی درشتی عود کر آئی ایک جھٹکے سے اس نے ام ہانی کا پیر پرے کیا۔

"مگر تم۔۔۔ تم روتی ہی نہیں تم تو اتنی بنجر ہو گئی ہو جتنی میری زندگی۔۔۔ تم مجھے کیا سیراب کرو گی۔۔۔ کہاں گئے تمہارے وہ آنسو جن پہ میں فدا ہوا تھا۔۔۔ ورنہ۔۔۔ تم میں ایسا ہے کیا جو سالار اعظم تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرتا۔" اس انکشاف پہ ام ہانی کی آنکھیں دہشت کے مارے پھیل گئیں۔ سالار اس کے قریب سرکا۔

"رو ہانی۔۔۔ تھوڑا سا۔۔۔ کچھ تو رو لو۔" وہ باقاعدہ منت کرنے لگا۔

"کوئی نہیں ہے یہاں... میرے سوا... تمہارے آنسوؤں کو دیکھنے والا کوئی بھی نہیں۔" اس کے قریب آنے پہ وہ پیچھے کی جانب کھسکی، مگر وہ اور بھی آگے بڑھتا کہتا رہا۔

"میں نے سب ملازموں کو بھی بھیج دیا تھا۔ صرف میں ہوں اور میرے سامنے رونے میں کیسی شرم۔" اور اب... اب وہ گڑگڑانے ہی لگا۔

"کیوں ستاتی ہو مجھے اور خود کو بھی مشکل میں ڈالتی ہو۔ روتی کیوں نہیں تم... مجھے ہی کیوں رلاتی ہو... آخر... آخر اور کیا کروں میں تمہارے آنسو دیکھنے کے لیے۔" وہ اس کی گود میں سر رکھے سسک رہا تھا اور ام ہانی خوف سے پتھر کی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی جارہی تھی۔ اچانک اس نے روتے روتے اپنا سر اٹھایا، گرام ہانی کو زور کا طمانچہ دے مارا۔

"کب روؤ گی تم... آخر کب؟" وہ زور سے چلایا تھا۔

"کس کے لیے سنبھال کے رکھے ہیں یہ آنسو؟ کیا میرے مرنے پر روؤ گی؟" اور اسے بے تحاشا مارنے لگا۔

☼ ☼ ☼

گیٹ کے سامنے رکتے ہی مجھے کوے کی کرخت آواز سنائی دی، میں نے نظر اٹھا کے اوپر دیکھا تو گھر کے عین اوپر اڑتے کوؤں کے غول ماحول کی نحوست میں اضافہ کررہے تھے۔ مجھے گھبراہٹ سی ہوئی۔ سر جھٹک کے میں آگے بڑھا۔ اس روز کی نسبت آج کوئی ملازم نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک ویرانی کا سا عالم تھا۔ میری نظر سالار کی قد آور تصویر پہ جا ٹھہری۔ ماحول کی نحوست اب اپنے عروج پر تھی۔ ایک نفرت بھری نظر اس کے سفاک اور کریہہ خدوخال پر ڈال کے میں بلند آواز میں پکارنے لگا۔

"ہنی...!" میری آواز سناٹے میں گونج کے رہ گئی، مگر کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔ حیران ہوتے ہوئے میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے اور ہر قدم کے ساتھ اسے پکارتا گیا۔ ہر پکار کے ساتھ میری بے تابی اور وحشت بڑھ رہی تھی۔

"ہنی... کوئی ہے یہاں پہ، ہیلو۔" کسی کے نہ ہونے کا احساس بھی تھا اور یہیں کہیں اس کے ہونے کا احساس بھی... لمبی راہداری کے دونوں اطراف بہت سے بند دروازے تھے۔ میں شش و پنج میں تھا کہ پہلے کس دروازے پہ دستک دوں کہ داہنی جانب کے تیسرے دروازے کو تھوڑا سا کھلا پا کے میں نے پہلے اس کمرے میں جھانکنے کا قصد کیا۔ ابھی میرا ہاتھ دستک کے لیے اٹھا ہی تھا کہ اندر سے آتی ام ہانی کی سسکی کی آواز پہ میں بے تابانہ اندر داخل ہوگیا۔ وہ بیڈ پہ تھی۔ نڈھال... بدحال... ہونٹ سے رستا خون... رخساروں پہ طمانچوں کے نشان... بکھرے بال... بائیں آنکھ سوج کے نیلی پڑتی ہوئی۔

"ہنی... یہ... یہ کیا ہوا تمہیں؟" میرے روم روم... نس نس میں درد کی لہریں شدت سے ابھرنے لگیں۔

"کس نے کیا تمہارا یہ حال؟ بولو ہنی۔" تکلیف کی شدت سے اگر اس کا بدن لرز رہا تھا تو میری آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"بتاؤ کس نے؟ سالار نے؟" میں نے اس کے یخ بستہ ہاتھ تھام لیے۔ وہ خاموش تھی، مگر اس کی آنکھوں کی بے بسی نے میرے سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ میں بپھر اٹھا۔

"مگر کیوں؟ کس لیے؟ اور تم نے کسی کو بتایا بھی نہیں؟ کیوں؟ ایک بار بتاتی تو سہی... بلاتی تو سہی... مجھے نہ سہی... کسی اور کو ہی سہی... کسی کو تو..."

"کیسے بتاتی۔" بمشکل وقت کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

"اور کس کو بتاتی... انہیں؟ جن کے سامنے ڈٹ کے کھڑی ہوئی تھی سالار کے لیے۔ یہ شادی میری پسند سے ہوئی تھی سعد... کیا منہ لے کر جاتی میں ان کے سامنے؟"

"بکواس ہے سب... کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ شادی پسند سے کرنا کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کہ اس کی یہ

سزا بھگتو تم۔۔۔ وہ بھی چپ چاپ۔۔۔ اٹھو۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔۔ میں تمہیں اب یہاں نہیں رہنے دوں گا۔" میں اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچنے لگا۔

"نہیں سعد۔۔۔ ایسا مت کرو۔۔۔ تم نہیں جانتے سالار کو۔۔۔ تم بس جاؤ یہاں سے۔۔۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے۔" مگر میں اس کی مزاحمت کو یکسر خاطر میں نہ لایا۔

"نہیں۔۔۔ میں تمہیں یہاں سے لیے بنا ہرگز نہیں جاؤں گا۔" میں نے زبردستی اسے کھینچ کے بیڈ سے اتارنے کی کوشش کی اور جیسے ہی ام ہانی کے پیر فرش پہ پڑے وہ درد سے کراہنے لگی اور دوبارہ گر سی گئی۔ میری نظر بے ساختہ اس کے پیروں پہ گئی جن کو تھامے اب وہ درد سے دوہری ہو رہی تھی۔ میں پیروں کے بل اس کے پاس زمین پہ بیٹھا اور اس کے پیروں کو جھک کے دیکھنے لگا۔ یا خدا۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے جیسے جہنم دہک اٹھا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے جھکے ہوئے چہرے پہ ڈالی اور فیصلہ کن لہجے میں کہہ اٹھا۔

"اب میں تمہیں ساتھ چلنے کا نہیں کہوں گا۔۔۔ ساتھ لے کر جاؤں گا۔۔۔ زبردستی۔۔۔"

"نہیں سعد۔۔۔ سالار کو پتا چلا تو۔۔۔" مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور احتیاط سے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کے باہر نکلنے لگا۔

"سعد۔۔۔ ایسے مت کرو۔۔۔ مت لے کر جاؤ مجھے۔"

"بس۔۔۔ چپ۔۔۔ ایک لفظ نہیں۔"

☆ ☆ ☆
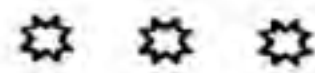
مہ پارہ پھوپھو جھنجلاتی۔۔۔ بڑبڑاتی بڑے دادا کے کمرے سے نکلی تھیں۔

"روز ایک سے ایک نیا تماشا اس حویلی میں۔۔۔ اب گھر ہے کہ مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور یہاں۔۔۔" چلتے چلتے وہ رکیں۔ میں اسی طرح ام ہانی کو گود میں اٹھائے کار سے نکل کے یہاں تک لایا تھا اور اب پھوپھو کو دیکھ کے اسے صوفے پہ بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ حیرت سے ام ہانی کی حالت کو دیکھ رہی تھیں اور پھر جب میں نے ہنی کو صوفے پہ احتیاط سے بٹھا کے اس کے زخمی پیر اوپر کر کے رکھے۔ مبادا فرش سے چھونے پہ۔ ان سے دوبارہ خون نہ رسنے لگے تو پھوپھو کی چیخ نکل گئی۔

"ام ہانی۔" وہ تیر کی طرح لپک کے اس کے پاس پہنچیں اور اسے ساتھ لپٹا کے واویلا کرنے لگیں۔

"بھابھی۔۔۔ بھائی صاحب۔ یہ دیکھیں ہانی۔۔۔ کس نے کی تمہاری یہ حالت۔۔۔ سعد۔۔۔ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں؟" وہ بلک بلک کے روتے ہوئے ساتھ ساتھ ہانی کا چہرہ ٹٹول ٹٹول کے دیکھ رہی تھیں۔ ان کا ایسا شدید ردعمل میرے ساتھ ساتھ ہنی کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ وہ بھی گنگ سی انہیں بین کرتے دیکھ رہی تھی۔

"کیڑے پڑیں مردار کو۔۔۔ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔۔۔ کیا حال کر دیا۔۔۔ بدذات۔۔۔" وہ اب سالار کو کوسنے دے رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں حویلی بھر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ سب ہی ایک شاک کی کیفیت میں تھے۔ امی نے ام ہانی کا لباس تبدیل کروا دیا تھا۔ منہ ہاتھ بھی دھلوا چکی تھیں۔ ابو ڈاکٹر کو لا کے معائنہ کرا چکے تھے اور اس وقت وہ بیڈ پہ سب کے درمیان سکتے کے عالم میں تھی پھوپھو اس کے پیروں پہ مرہم لگاتے مسلسل رو رہی تھیں۔

"دیکھیں ذرا بھابھی۔۔۔ ہم یہاں رشک کرتے رہے ام ہانی کی قسمت پہ۔۔۔ اور یہ۔۔۔ چہرہ۔۔۔ یہ تو پڑھا لکھا جاہل نکلا۔"

"صرف جاہل؟" اب تک خاموش کھڑی تانیہ غصے سے کہہ اٹھی۔

"جنگلی بلکہ وحشی جانور۔۔۔ سعد نہ پہنچتا تو پتا نہیں ہانی کا کیا حال ہوتا؟"

"اتنا ظلم۔۔۔ میری پھول سی بچی پہ۔" ابو ٹوٹے ہوئے لگ رہے تھے۔

"سالار جیسے شخص سے میں اس کی بالکل توقع نہیں رکھتا تھا۔"

"سعد۔۔۔ تم سالار کی اجازت سے اسے لائے ہو؟" امی نے بالکل ہی عجیب سا سوال کیا۔ مجھ سمیت سب ہی انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ام ہانی بھی۔۔۔

"اجازت؟" میں بھپر اٹھا۔

"امی۔۔۔ ہنی اس کی پراپرٹی نہیں ہے ویسے بھی اتنا کچھ ہونے کے بعد میں اسے وہاں کیسے رہنے دیتا۔"

"وہ اثر ورسوخ والا انسان ہے سعد۔۔۔ اگر دشمنی پہ اتر آیا تو؟" امی کی تشویش پہ پھوپھو بھی الٹ پڑیں۔

"واہ بھابھی! تو ہم کیا کسی گرے پڑے خاندان سے ہیں جو وہ ہماری بچی کے ساتھ کچھ بھی کر جائے۔۔۔ یا خدانا خواستہ ہماری لڑکی میں کوئی عیب ہے جو ہم منہ سیے، آنکھیں پھوڑے اسے جہنم میں جلتا دیکھتے رہیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" امی سب کی ناگواری بھانپ کے کچھ خجل سی ہوگئیں۔

"صرف اتنا کہہ رہی تھی کہ بہرحال وہ اس کا شوہر ہے اس سے پوچھ کے نہ سہی مگر لانے سے پہلے اس کے علم میں تو لے آتے۔"

"اور وہ نہ لانے دیتا تو پھر؟" ابو نے خفگی سے کہا۔

"حد کرتی ہو تم نائلہ۔۔۔ کیا سعد وہاں اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا۔"

"آپ میں سے کوئی بات کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہا۔ ہم نہیں جانتے اصل معاملہ کیا تھا اور کیا ہوا ہے ان دونوں کے درمیان۔۔۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔"

"کیا۔۔۔؟" میں اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ امی کو بھی شاید احساس ہوگیا کہ وہ بے موقع بات کر بیٹھی ہیں۔

"میرا مطلب ہے میاں بیوی کا جھگڑا ہوا ہوگا۔"

"تو کیا جھگڑے میں اسے حق حاصل ہوگیا کہ وہ ام ہانی کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کرے اور ہنی آپ کے سامنے پلی بڑھی ہے کیا آپ کو لگتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو سکتا ہے۔ جس پہ یہ اس سزا کی مستحق ہو۔" میرے تیور دیکھ کے امی نے بات کا رخ موڑنا چاہا۔

"کم از کم اب تو اسے اطلاع دے دو۔۔۔ کہ اس کی بیوی خیریت سے یہاں ہے۔ کہیں اسے گھر نہ پا کے وہ کچھ الٹا سیدھا نہ سوچ لے۔"

✡ ✡ ✡

وہ دو گھنٹے بعد ہی گھر لوٹ آیا۔ آفس میں اتنا بیٹھنا بھی اس کے لیے دوبھر ہو گیا تھا۔ بار بار یہ خیال آتا کہ اسے نہ پا کے وہ رو رہی ہوگی۔ ان آنسوؤں کی کشش اسے دوبارہ کھینچ لائی۔

"ام ہانی۔۔۔ میں آگیا۔۔۔ میری زندگی۔" اس کے ہاتھ میں کچھ سامان بھی تھا اور ایک پھولوں کا گلدستہ بھی۔۔۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بڑی ترنگ میں پکارتا جا رہا تھا۔

"دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔" مزاج کی مستی اور بہکے قدم اس کے نشے میں ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔

"بہت سے رنگ۔۔۔ آج عرصے بعد تم میری تصویر بناؤ گی۔۔۔ پھر سے۔" دروازہ کھولتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"سرپرائز۔" اور پھر کمرے کو خالی پا کے وہیں ساکت ہو گیا۔

"ام ہانی۔۔۔؟"

✡ ✡ ✡

"سارا دن گزر گیا نہ سالار نے خبر لی۔۔۔ نہ آپ میں سے کسی نے اسے فون تک کرنا گوارا کیا۔۔۔ ایسا کب تک چلے گا۔" رات کو میں ہانی کے کمرے میں اس کی خیریت دریافت کرنے آیا تو سب پھر سے اسے نرغے میں لیے بیٹھے تھے۔

"نائلہ۔۔۔ اگر بقول تمہارے ہانی اس کی بیوی اور ذمے داری ہے تو اسے خود فکر ہونی چاہیے کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کیوں نہیں فون کیا۔" ابو صبح کی طرح اب بھی امی پہ ناراضی جتلا رہے تھے اور امی شاید دوبارہ نادم ہو کے نئے دلائل کے ساتھ آئی تھیں۔

"وہ بھی یہی سوچ رہا ہو گا کہ آپ اسے اطلاع دیں

ایسی ضد اور انا میں بچی برباد ہو جائے گی۔"

"بربادی میں اب کون سی کسر رہ گئی ہے بھابھی؟"

پھوپھو کی تلخی پہ میں سلگ اٹھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہنی کی زندگی کو۔۔۔ نہیں برباد ہوئی وہ۔۔۔ وہ شخص اتنا اہم نہیں کہ اس کی وجہ سے ہنی کی زندگی پہ اثر پڑے۔" امی کی پیشانی سلوٹوں سے اٹ گئی۔

"سعد۔۔۔ کچھ دن ملک سے باہر رہنے سے کیا تم اس ملک اور معاشرے کی روایات کو بھول گئے ہو؟" ماحول گرم ہوتے دیکھ کے ثانیہ نے اپنے تئیں بات کو سمیٹنا چاہا۔۔۔ یہ کہہ کر۔

"اس طرح بحث کرنے سے کیا حاصل۔۔۔ آپ لوگوں نے ابھی تک پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرائی۔" اپنی سادگی میں اس نے بحث کو سمیٹنا چاہا تھا' مگر نہیں جانتی تھی کہ ایک نیا پنڈورا بکس کھول رہی ہے۔

"پولیس؟" امی بدک گئیں۔

"جی۔۔۔ سیدھا سادا پولیس کیس ہے۔"

"حد ہے۔" امی نے ناگواری سے ثانیہ کو گھورا۔

"اب خاندان کی عزت چوراہے پہ لے آئیں ہم۔ اخباروں کی زینت بنائیں۔۔۔ پہلے ہی لوگوں میں کیا کم تماشا لگا ہے۔"

"مگر یہ تو زیادتی ہے کہ صرف عزت کی خاطر آپ ایک لڑکی کی زندگی کو یوں۔۔۔"

"ثانیہ۔" امی نے اب واضح درشتی سے اسے ٹوک دیا۔

"تم ابھی بچی ہو۔۔۔ ان معاملات میں دخل دینے کی تمہاری نہ عمر ہے نہ سمجھ۔۔۔ اور ہماری روایات کو بھی تم نہیں جانتیں۔" ثانیہ خاموش تو ہو گئی' مگر پھر اسی خاموشی کے ساتھ کمرے سے بھی نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد امی نے مجھے تنبیہہ کی۔

"سعد سمجھاؤ اسے۔"

"امی۔۔۔ بات پولیس تک جائے گی یا نہیں۔۔۔ یہ فیصلہ کرنا ابو اور بڑے دادا کا کام ہے' مگر ایک فیصلہ میرا بھی ہے اور وہ یہ کہ ہنی اب وہاں نہیں جائے گی۔ میں اسے ایک ذہنی بیمار شخص کے ہتھے نہیں لگنے دوں گا۔" میرے مضبوط لہجے پہ جہاں ام ہانی کے وحشت زدہ چہرے پہ ایک سکون کی ہلکی سی رونق نظر آئی وہیں امی کے چہرے پہ گہری تشویش جھلکنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ آنگن میں رکھے بانس کے پیڑھے پہ اکیلی بیٹھی تھی۔۔۔ بنا پیچھے مڑ کے دیکھے ہی صرف مجھے آہٹ سے پہچان کے پوچھنے لگی۔

"ختم ہوئی ہانی سے انکوائری یا ابھی بھی سب اس کو گھیر کے بیٹھے ہیں؟"

"سب کی کوشش ہے اس پہ زبردستی اپنی اپنی سوچ ٹھونسنے کی۔" میں غصے میں کہتا اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔

"امی نے باری باری سب ہی رشتے داروں کو اسے سمجھانے کے لیے بھیجا ہے تاکہ دباؤ میں لا کے اسے سمجھوتے پہ مجبور کر سکیں اور یہ کہ ضد سے صرف اس کی زندگی خراب ہو گی۔ اسے سب کچھ بھلا دینا چاہیے صبر سے کام لینا چاہیے' محبت' نرمی اور وفا سے شوہر کا دل جیتنا چاہیے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ کیا کروں؟"

"وہاں دیکھو سعد۔" ثانیہ کی آسمان کی جانب اشارہ کیا۔

"کسی ٹوٹتے ستارے کا انتظار کرو۔ تاکہ وہ نظر آجائے تو اس سے ہانی کی خوشیوں کے لیے دعا کر سکو۔ تم سب لوگ ایسے ہی ہو۔۔۔ معجزوں کا انتظار کرتے ہو۔ کسی غیبی امداد کا۔۔۔ مجھے تو ہانی پہ بھی حیرت ہے۔ جانتے ہو وہ کیا کہہ رہی تھی۔۔۔ کہ یہ سب کسی منت کی چوڑی کے ٹوٹنے کا بد اثر ہے۔"

"منت کی چوڑی؟" میں چونکا۔

"ہاں۔۔۔ بتا رہی تھی کہ سالار سے شادی کے لیے اس نے کوئی منت مانگی تھی' مگر پہنتے ہوئے ان میں سے ایک چوڑی ٹوٹ گئی۔" میں کھو سا گیا۔۔۔ تصور

میں اس کالی چوڑی کے ٹکڑے اس کی گوری اجلی ہتھیلی پہ رکھے نظر آئے۔ اور اس کی تاسف میں ڈوبی نگاہیں اور ملامت بھرا لہجہ۔

"توڑ دی ناں۔ بدھو۔ منت کی تھی۔" اور میرا لاپروائی سے کہنا۔

"ایک ہی ٹوٹی ہے۔ دوسری تو پہنا دی ہے یعنی منت پوری ہوئی مگر آدھی۔ کچھ ملے گا۔ اور کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے مجھے گھورا تھا اور میں مزید ڈھٹائی سے ہنس کے اسے چڑانے لگا تھا۔

"میرے بغیر جو کام کرو گی وہ یا تو ادھورا ہو گا یا خراب۔"

"سعد۔" تانیہ نے میرا کاندھا جھنجوڑا تو میں ہڑبڑا کے حال میں واپس آیا۔

"ہاں۔ کیا کہہ رہی تھی تم؟"

"یہی کہ نائلہ آنٹی رضوان انکل سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سالار کو بلائیں یا اس کے پاس جائیں بات کرنے۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو ٹوک دیا کہ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ ویسا نہیں ہوتا۔ کیا ہے یار سعد؟" میں ابھی تک ذہنی طور پہ حاضر نہیں ہو پا رہا تھا۔ دماغ میں کہیں اس کالی چوڑی کی کوئی کرچی چبھ سی گئی تھی۔

"ہوں۔ دیکھتے ہیں۔ کیا ہوتا ہے۔" اسے میری غائب دماغی کا اندازہ نہ ہو اس لیے اس کی بات پوری طرح نہ سن پانے کے باوجود میں نے یونہی کہہ دیا اور وہ بجائے بہلنے کے ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"کیا دیکھتے ہیں سعد۔ میں نے کہا ناں۔ تم لوگ آسمانی مدد کا انتظار کرتے ہو۔ کوئی آئے اور بس معجزہ دکھا دے کم از کم ہانی کو تو اس انتظار سے نکلنے دو کہ کوئی دوسرا اسے اس تکلیف سے نکالے گا۔"

"کوئی دوسرا کیوں؟ کیا میں مر۔" غصے سے کہتے کہتے میں رکا۔ اور بات بدل دی۔

"تو کیا ہم سب مر گئے ہیں؟ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"

"کب تک؟ جب تک وہ خود اپنے لیے کھڑی نہیں ہو گی سعد۔ اپنی جنگ خود نہیں لڑے گی۔ وہ جیت نہیں سکے گی۔"

"وہ بہت کمزور ہے تانیہ۔"

"وہ کتنی کمزور ہے اور کتنی مضبوط۔ یہ جاننے کے لیے تمہیں ایک بار اسے لڑنے کا موقع دینا ہو گا۔ یہ زندگی اس کی ہے اور اس کو بچانے کے لیے جتنی کوشش وہ خود کر سکتی ہے وہ تم یا کوئی نہیں کر سکتا۔ تم اسے سپورٹ کرو۔ سب کو کرنا چاہیے مگر اپنے حصے کی لڑائی اسے خود لڑنے دو۔ دوستی اپنے دوست کو مضبوط کرنے کا نام ہے۔ اسے کسی دوسرے پہ انحصار کرنا سکھانے کا نام نہیں ہے۔" وہ کہتی جا رہی تھی۔ بہت جوش سے۔ بہت جذبات میں اور میں اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"کیا گھور رہے ہو؟ میں کچھ کہہ رہی ہوں اور تم گم صم ٹکٹکی باندھے ہوئے ہو۔" وہ جھلا اٹھی۔

"دیکھ رہا ہوں کہ لگتی نہیں ہو مگر ہو سمجھ دار۔" میرے ہلکا سا مسکرانے پہ اس کا تناؤ بھی کم ہوا۔

"تم بھی دیکھنے میں سمجھ دار لگتے ہو مگر ہو نہیں۔" وہ بھی مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

رضوان جتنے دکھی ام ہانی کے ساتھ ہونے والے سلوک پہ تھے اتنے ہی دل گرفتہ نائلہ کے رویے پہ تھے۔

"ام ہانی کو رخصت کرنے کے بعد مجھے لگا میں سلمان کی روح کے سامنے سرخرو ہو گیا ہوں لیکن آج اسے اس حال میں دیکھنے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ مجھ سے کتنی کوتاہی ہوئی۔"

"ایسا کیوں سوچ رہے ہیں آپ۔" نائلہ نے تسلی دی۔

"اس میں ہمارا کیا قصور۔ وہ تو ہانی نے خود ہی۔ خیر۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ آگے کا سوچیں۔ میں کب سے کہہ رہی ہوں کہ سالار سے رابطہ کریں۔ ایسے موقعوں پہ تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔ وقت پہ

بات سنبھال لینی چاہیے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح سالار کو بلا کے ام ہانی کا ہاتھ اسے تھما کے چلتا کردیں۔

"بات تو کریں اس سے۔"

"کیا بات کروں اس سے اور کیا کہوں؟ میں نہ اس کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں نہ آواز سننا چاہتا ہوں۔"

"سنیں گے نہیں تو اس کا موقف کیسے جان پائیں گے۔"

"آخر تم یہ ثابت کرنے پہ کیوں تلی ہو نائلہ کہ غلطی ام ہانی کی ہے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی۔۔۔ مگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کبھی بھی یکطرفہ نہیں ہوتے۔" وہ اپنی صفائی دینے لگیں۔

"میری نیت پہ شک نہ کریں۔ ہانی کو دیکھ کے میرے کلیجے سے بھی ٹیس اٹھ رہی ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ ہم اس کا گھر توڑنے میں اتنی جلد بازی کریں۔ ایک بار کوشش تو کریں بگڑی کو بنانے کی۔"

"ٹھیک ہے۔ کرتا ہوں فون سالار کو۔"

بالآخر وہ راضی ہوئے تو نائلہ نے ایک سکون بھرا سانس لیا۔ مگر رضوان کا سالار سے بات کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔۔۔ اول تو اس نے فون ہی کئی بار نمبر ملاتے رہنے کے بعد اٹھانے کی زحمت کی۔ اس پہ اس کا اکھڑا ہوا لہجہ۔

رضوان نے جب اسے ام ہانی کے حویلی ہونے کی اطلاع دی تو درشتی سے بولا۔

"جانتا ہوں۔۔۔ وہیں ہوگی اور کہاں جائے گی مگر یہ ٹھیک نہیں کیا اس نے۔"

اس پہ رضوان کا دل تو چاہا کہ اس سے بازپرس کرے کہ آخر اس نے کون سا ٹھیک کام کیا۔ مگر نائلہ کی ملتجیانہ نظروں پر تحمل سے اسے حویلی آنے اور معاملے کو سلجھانے کی دعوت دی۔

"کیا؟ میں آؤں بات کرنے۔"

کیسی بات۔۔۔ میں نے نہیں بھیجا اسے۔۔۔ نہ وہ مجھ سے پوچھ کے گئی ہے۔ آنا آپ کو چاہیے اسے چھوڑنے کے لیے بھی۔۔۔ اور اس کی اس فضول حرکت پہ معذرت کرنے بھی۔"

یہ کہہ کر اس نے فوراً" فون بند کردیا تھا۔

رضوان کے مایوس چہرے کو دیکھ کے نائلہ سب بھانپ گئیں اور بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے نکلیں۔ ام ہانی کے کمرے میں آئیں تو وہاں تانیہ بصد اصرار اسے کچھ کھلانے کی کوشش کررہی تھی۔

"پلیز تھوڑا سا اور۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"پلیز ہانی۔۔۔ اسٹرونگ نہیں' خود کو سنبھالیں۔۔۔ دنیا کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیں کہ آپ کو کسی سہارے کی ضرورت ہے۔"

"ناشتا کرلیا ام ہانی نے؟"

نائلہ کے پوچھنے پہ تانیہ نے انکار میں سرہلایا تو نائلہ اس کے ہاتھ سے دلیے کا پیالہ لے کر خود ہانی کے پاس بیٹھ گئیں۔

"میں کھلاتی ہوں۔ تم جاؤ۔۔۔ اور ہاں تانیہ تمہارے ڈیڈی کب آرہے ہیں۔"

"جی؟" وہ اس بے موقع سوال پہ کچھ ٹھٹکی۔

"بتایا تو تھا آپ کو۔۔۔ اگلے مہینے۔" بہرحال اس نے جواب دے دیا۔

"ان سے کہو۔۔۔ جتنا جلد آنا ممکن ہو۔۔۔ آجائیں سب لوگ واپس جارہے تھے۔۔۔ مگر میں نے روک لیا کہ اب سعد کی شادی میں شرکت کرکے ہی جائیں تو بہتر ہوگا کہ ایک ہفتے یا زیادہ سے زیادہ دس دن کے اندر شادی ہوجائے۔ کوئی کب تک رکا رہے گا۔"

اتنی عجیب و غریب بات پہ تانیہ ہکا بکا انہیں دیکھتی رہی مگر کچھ کہے بنا واپس چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

سالار اماں کو سامنے پا کے حیران تو ضرور ہوا۔ مگر اسے اپنے جذبات و تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔۔۔ اس لیے بنا سلام دعا کے رخ پھیر کے میگزین کھولنے لگا۔

"ام ہانی کہاں ہے سالار؟"
انہوں نے بھی وقت ضائع کیے بنا وہ سوال کیا جس کے لیے اتنا لمبا سفر کر کے آئی تھیں۔ رضوان کا فون آتے ہی انہوں نے واپسی کا قصد کیا تھا۔ اور قسمت سے ٹکٹ بھی اگلی فلائٹ کی ہی مل گئی تھی۔
"اطلاع ملتے پہ ہی آپ اچانک واپس آئی ہیں پتا ہی ہو گا کہ کہاں ہے پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"
"اس لیے کہ میں اسے تمہارے حوالے کر کے گئی تھی۔"
"آپ کی ملکیت تھی کیا وہ؟"
"سالار اس کے گھر والوں نے اس ماں کے ساتھ اسے مجھے سونپا تھا کہ میں اس کا خیال رکھوں گی۔ ایک ماں کی طرح ظاہر ہے انہوں نے مجھ سے ہی باز پرس کرنی تھی۔ کیا جواب دوں میں انہیں۔"
"آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں اور ان کو سوال کرنے کا حق نہیں۔۔۔ میری بیوی ہے۔۔۔ میں جو چاہوں اس کے ساتھ کر سکتا ہوں۔"
وہاں رعونت کا وہی عالم تھا۔
"ایک جیتی جاگتی انسان ہے وہ سالار۔۔۔ درندے مت بنو۔" وہ ملامت پہ اتر آئیں تو سالار نے ایک سرد نظر ان پہ ڈالی اور اس سے بھی سرد لہجے میں کہنے لگا۔
"اماں۔۔۔ کیکر کے پیڑ پہ گلاب نہیں کھلتے۔" اماں کے اوپر جیسے کسی نے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھال پھینکا۔۔۔ وہ وہیں برف بن کے جم گئیں۔
"طلاق دیتا ہوں میں تمہیں۔۔۔ طلاق، طلاق، طلاق۔۔۔ سو مرتبہ طلاق۔"
ایک آواز برف کی اس چٹان کو چھیدنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہو رہا ہے؟" تانیہ کو لیپ ٹاپ پہ جھکے دیکھ کر میں نے پوچھا۔
"ڈیڈی تھے اسکائپ پہ۔۔۔ تمہارا پوچھ رہے تھے۔۔۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے جلد سے جلد آنے کا۔۔۔ شاید پرسوں یا اس سے اگلے ہی دن آجائیں۔"
میں بوجھل سا اس کے پاس بیٹھ گیا۔
"میں جانتی ہوں سعد۔۔۔ تمہیں اچھا نہیں لگ رہا ہو گا ان حالات میں شادی کے بارے میں سوچنا میں بھی نہیں چاہتی۔۔۔ مگر آنٹی نے پتا نہیں کیسے ڈیڈ کو کونیس کر لیا ہے۔ انہیں بھی آئیڈیا اچھا لگا ہے جلدی شادی کرنے کا۔"
"ہوں۔" میری بے دلی کا وہی عالم تھا۔
"لیکن اگر تم اچھا فیل نہیں کر رہے تو میں انہیں کہہ دیتی ہوں کہ وہ انکل رضوان سے بات کریں۔"
اس کی بات پہ میں نے غور سے دیکھا۔
"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے تانیہ کہ میں اچھا محسوس نہیں کر رہا۔"
"ظاہر ہے۔۔۔ وہ تمہاری دوست ہے۔" تانیہ کے چہرے پہ نگاہوں میں، لہجے میں بس سادگی ہی سادگی تھی۔
"کزن بھی ہے اس کے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے ایسے میں تمہارا دل کیسے چاہے گا کوئی خوشی منانے کو اب اتنا تو میں تمہیں جانتی ہوں ناں سعد۔"
"تم کچھ زیادہ ہی جاننے لگی ہو مجھے تانیہ۔" میرے ہونٹوں پہ ایک بجھی بجھی سی مسکراہٹ آئی۔
"کہیں اس سے زیادہ کچھ نہ جان لینا۔"
"پہلے تو میں یہ جاننا چاہوں گی کہ تم ہانی سے اتنا دور دور کیوں رہتے ہو؟" میں نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ وضاحت دینے لگی۔
"میں نے نوٹ کیا ہے تم اس کے پاس جانے سے کتراتے ہو۔ اسے تمہاری ضرورت ہے سعد۔ اپنے سب سے اچھے دوست کی اپنے بچپن کے ساتھی کی ہم سب مل کے بھی اسے اس دکھ سے نہیں نکال سکتے جو کام تم اکیلے کر سکتے ہو؟"
"میں نہیں کر سکتا تانیہ۔" میں بے بسی سے ٹوٹنے والا ہو گیا۔
"بہت مشکل ہے میرے لیے اسے اس حال میں دیکھنا۔۔۔ میں اسے پھر سے ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے سے کہیں زیادہ ضروری اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو لانا ہیں۔۔۔ تم نے نوٹ کیا ہے سعد اتنا کچھ ہو گیا مگر وہ روئی نہیں ایک آنسو بھی نہیں آخر کیوں سعد؟ کیوں؟"
اس کی باتوں نے مجھے بھی سوچنے پہ مجبور کر دیا۔

☼ ☼ ☼

برف ابھی بھی نہیں پگھلی تھی۔ اور اماں یونہی منجمد سی سالار کے سامنے بیٹھی پلیٹ میں نکالے چاول کے چند دانوں کو چمچے سے یہاں سے وہاں کر رہی تھیں۔
رضوان کا فون آتے ہی وہ بڑے زعم میں فوراً "وہاں سے روانہ ہوئی تھیں۔ جیسے یہاں پہنچتے ہی سب ٹھیک کر لیں گی۔ مگر سالار کی صرف ایک بات نے ہی انہیں بے دست و پا کر کے رکھ دیا تھا۔
سالار بھی اسی خاموشی کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھا سوپ پی رہا تھا۔
مگر اس کی خاموشی میں ایک ٹھہرا ہوا سکون تھا۔ پھر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے انہیں مخاطب کیا۔
"اگر آپ کو اس کے نہ ہونے کا اتنا ہی دکھ ہے تو اسے جا کے لے آئیں۔"
وہ چونک کے اسے دیکھنے لگیں۔۔۔ جو اب اسی اطمینان کے ساتھ دائیں جانب رکھی ڈش اٹھا رہا تھا۔
"جس کام کے لیے اتنی دور سے آئی ہیں وہ کریں اور جائیں۔" اماں بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼
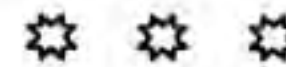
تانیہ کے احساس دلانے پہ میں ام ہانی کے سامنے تھا۔ اس کے مرہم لگے پیروں کو دکھ اور تاسف سے دیکھتا ہوا۔۔۔ وہ ویسی ہی گم صم سی بیٹھی تھی۔ خشک آنکھوں کے ساتھ۔
"بہت دکھتا ہے؟" اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔
"تم تو چھوٹی سی تکلیف پہ رو دیا کرتی تھی ہنی۔۔۔ اتنی بہادر کیسے ہو گئی۔ کہ اب تمہیں درد محسوس نہیں ہوتا۔۔۔ پتھر بن گئی ہو کیا؟"
"پتھر نہیں۔۔۔ برف بن گئی ہوں۔" وہ بالآخر بول اٹھی۔
"میرے آنسوؤں کو سالار کی محبت نے جما دیا ہے۔ جانتے ہو سعد۔۔۔ وہ میرے آنسوؤں پہ فدا ہوا تھا۔ اسے ہنستی ہوئی ام ہانی سے نہیں۔۔۔ روتی ہوئی ام ہانی سے عشق تھا۔۔۔ وہ یہ سب مجھے رلانے کے لیے میرے آنسو دیکھنے کے لیے کرتا تھا، مگر میرے آنسو تو میرے اندر ہی کہیں جذب ہو گئے تھے۔"
"تو تم کیوں نہیں روتی تھی۔۔۔ اتنی اذیت پسند کیوں ہو گئی تھی تم۔"
میرا دل بھر آ گیا۔۔۔ مگر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی وہ غور سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"تمہیں بھی تو میری حالت پہ رونا آ رہا ہے۔ تم کیوں نہیں رو رہے سعد؟" میں نے تیزی سے پلکیں جھپک کے اپنے آنسو پیچھے دھکیلنے چاہے۔
"کیسے روؤں؟ تم نے ایک بار کہا تھا کہ میں بات بات پہ رو پڑتا ہوں، اتنا کمزور ہوں تو تمہیں کیسے سنبھالوں گا۔۔۔ ہنی میں اس دن سے نہیں رویا نہ کبھی روؤں گا میں نے وعدہ کیا تھا تم سے۔"
"سعد تم نے صرف وعدہ کیا نہیں تھا تم نے ایک وعدہ لیا بھی تھا۔ مجھ سے کبھی نہ رونے کا یاد کرو تم نے کہا تھا کہ میری آنکھ سے ایک آنسو بھی گرا تو تمہیں لگے گا میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔ تمہیں بددعا دی ہے میں کیسے روتی سعد کیسے تمہیں بددعا دیتی۔۔۔ کیسے تم سے کیا وعدہ توڑتی؟" میں دم بخود اسے دیکھتا رہ گیا۔
"تم نے ایک وعدے کے لیے اتنی اذیت۔۔۔؟" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"ہنی یاد ہے میں ہنس دیتا تھا تو تم ناراضی اور اداسی میں بھی مسکرا دیتی تھی تم کہتی تھی تمہاری اور میری مسکراہٹ میں ایک رشتہ ہے۔ سانجھ کا رشتہ اور میں زندگی میں پہلی بار ٹوٹ کے تب رویا تھا جب تمہیں پہلی بار روتے دیکھا تھا۔ ہمارے آنسوؤں نے بھی

ایک رشتہ باندھا تھا۔ آؤ ہنی۔۔۔ سالوں بعد ہم وہ رشتہ دوبارہ جوڑیں۔۔۔ رولو ہنی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ ایک بار کھل کے رولو۔۔۔ میں بھی رونا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اپنے وعدے سے آزاد کردو۔۔۔ میں تمہیں اپنے وعدے سے آزاد کرتا ہوں۔"

میرے آنسو بہہ رہے تھے۔۔۔ وہ بھی اپنے گھٹنوں پہ سر ٹکا کے سسک سسک کے رونے لگی۔

اس کے اور میرے آنسوؤں کے درمیان پھر سے وہی رشتہ بندھ رہا تھا۔

ہم دونوں کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تانیہ کے ڈیڈی آج رات کی فلائٹ سے آرہے ہیں۔" نائلہ کے اطلاع دینے پہ رضوان اور مہ پارہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے۔

"نائلہ۔۔۔ آخر تم اپنی کرکے رہیں۔"

کوفت سے کہتے ہوئے رضوان نے کافی کا مگ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"لو بھلا۔۔۔ اچھی بھلی تین ہفتے بعد ہونے والی شادی کو یوں افراتفری میں کرنے کی کیا تک ہے؟"

مہ پارہ نے بھی کھلے الفاظ میں ناگواری جتائی۔

"مہ پارہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے نائلہ۔۔۔ ابھی بھی سوچ لو۔۔۔ ام ہانی پہ کیا گزرے گی۔۔۔ وہ اس گھر کا۔۔۔ اسی خاندان کا ایک حصہ ہے۔ ہم کیسے خوشیاں منا سکتے ہیں اگر ہانی۔۔۔"

"میں بھی ام ہانی کی وجہ سے ہی یہ شادی جلد از جلد چاہتی ہوں۔" نائلہ کے کہنے پہ مہ پارہ نے تعجب سے انہیں گھورا تو وہ گڑبڑا کے بات سنبھالنے لگیں۔

"تاکہ اس کا دھیان بٹے۔۔۔ ورنہ ایسے ہی پریشان کن سوچوں میں الجھی رہے گی۔۔۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوں گی تو گھر میں اداسی کا راج ختم ہوگا۔۔۔ جمود ٹوٹے گا۔ سعد بھی شادی کے ہنگاموں میں مصروف ہو جائے گا اور کیا اسے خوش دیکھ کے ہانی کو خوشی نہیں ہوگی؟"

رضوان نے کچھ کچھ متفق ہوتے ہوئے تائید میں گردن ہلائی۔ مگر مہ پارہ تنک کے بولی۔

"اور لوگ کیا کہیں گے۔۔۔ کہ بیٹی اجڑ رہی ہے اور یہ بیٹے کا گھر بسا رہے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے جو وہ اجڑے۔" نائلہ نے مہ پارہ کی جانب ایک سخت نظر اچھالی۔

"آپ سب لوگ بات بگاڑنے پہ ہی کیوں تلے بیٹھے ہیں۔ بجائے سنبھالنے کے اور ایسا ہی لوگوں کی باتوں کا ڈر ہے تو ہم شادی سادگی سے کریں گے۔"

"واہ۔۔۔ کل تک اکلوتے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنے کے ارمان تھے۔۔۔ اب سادگی؟ واہ بھئی ٹھیک ہے۔"

مہ پارہ بڑبڑانے لگیں اور نائلہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے رضوان کو بتا رہی تھیں۔

"سالار کی اماں پہنچ گئی ہیں۔ ان کا فون آیا تھا رات کو آج وہ آئیں گی۔ امید ہے معاملات درست ہو جائیں گے۔۔۔ آپ دل بھاری نہ کریں اللہ سے بہتر کی امید رکھیں۔"

☼ ☼ ☼

پتا نہیں کیوں میں جانتا تھا آج وہ یہاں ضرور آئے گی۔۔۔ حالانکہ ان پانچ دنوں میں وہ اپنے کمرے سے تو کیا باہر نکلتی۔۔۔ شاید بیڈ سے بھی نیچے قدم نہ دھرا ہوگا اس نے۔

پھر بھی۔۔۔

ایک قوی یقین کے ساتھ۔۔۔

میں صبح سے کھنڈر کے باہر کھڑا اس کی راہ تک رہا تھا۔ پھر وہ آگئی۔۔۔ زخمی پیروں میں ہلکی سی لنگڑاہٹ لیے۔۔۔ چہرے پہ نقاہت کے باوجود۔۔۔ ایک عزم کے آثار لیے۔ میں آگے بڑھا۔

"اب یہ مت پوچھنا کہ مجھے کیسا پتا چلا کہ تم یہاں آنے والی ہو۔"

"نہیں پوچھوں گی۔۔۔ کیونکہ میں تو یہاں آئی ہی اس لیے تھی کہ تمہارے یہاں ہونے کا یقین تھا۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اندر بڑھنے لگا۔۔۔ پھر سیدھا لے کر اس دیوار کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جو اس کے اور میرے ناموں سے اٹی ہوئی تھی۔

اور درمیان میں چاک سے بنا سالار کا وہ خاکہ جو میرے بنانے پہ وہ مجھ سے روٹھ گئی تھی۔

ایک خوفناک شکل اور لمبے لمبے دانتوں والی شبیہہ۔

"یہ یاد ہے ہنی۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔ سالار کو پہلی نظر دیکھتے ہی مجھے اس کے اندر کا چہرہ نظر آگیا تھا اور میں نے یہ بنا ڈالا تھا۔" وہ اداسی سے دیکھنے لگی۔

میں نے نیچے جھک کے زمین پہ گرا کوئلے کا ایک ٹکڑا اٹھا کے اس کی جانب بڑھایا۔

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے پہلے کوئلہ تھامنے اور پھر دیوار پہ کچھ لکھنے کا کہا۔۔۔ وہ اب بھی نہ سمجھی تو اس کے ہاتھ میں کوئلہ تھماتے ہوئے میں کہنے لگا۔

"تمہارے اندر اب بھی بہت گھٹن ہے ہنی۔۔۔ جیسے تم نے رات کو سالوں سے رکے ہوئے آنسو نکالے تھے۔ آج کھل کے وہ سب نفرت بھی نکال دو جو سالار کے لیے تمہارے دل میں ہے۔" ام ہانی چند لمحے ہاتھ میں پکڑے کوئلے کو دیکھتی رہی۔۔۔ پھر اس کا ہاتھ دیوار کی جانب بڑھا۔ مگر جھجک کے رک گئی۔

"کم آن ہنی۔" میں نے حوصلہ بڑھایا۔

"مٹا دو اسے دیوار سے بھی، اپنے دل سے بھی اپنے ذہن اور اپنی زندگی سے بھی۔"

اچانک ہانی کے اندر ایک ہیجان سا پیدا ہوا۔۔۔ اور وہ پوری شدت پورے جنون کے ساتھ زور زور سے کوئلہ دیوار پہ بنی اس شبیہہ پہ پھیرنے لگی۔

اس کا ہیجان میرے اندر سکون بھر رہا تھا۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں اور میری معتدل ہوتی جا رہی تھیں۔

اس کی شال پھسل کے اس کے شانوں سے نیچے آ گری۔ مگر اسے خبر نہ ہو سکی۔۔۔ اس کا ہاتھ اس تیزی سے دیوار پہ چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ میرا بنایا سالار کا خاکہ مکمل طور پہ سیاہی میں چھپ گیا۔

"ہنی۔۔۔ بس ہو گیا۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کے روکنا چاہا۔۔۔ اس سے کوئلہ لے کر دور پھینکا اور سرک کر نیچے گری شال اٹھا کے دوبارہ اسے اوڑھائی۔

"بس ہنی۔۔۔ اب تمہارا اندر خالی ہے۔۔۔ یہاں سالار کا کوئی بھیانک عکس نہیں ہے۔" وہ آنسوؤں کی دھند کے اس پار مسکرا اٹھی۔ بڑی شفاف سی مسکراہٹ نکھری۔

☆ ☆ ☆

اماں شرمندہ شرمندہ سی سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور رضوان گلہ کر رہے تھے۔

"آپ نے تو پلٹ کے خبر نہ لی۔۔۔ ہم بھی انجان رہے کہ ہماری بیٹی کس حال میں ہے۔ آپ پہ بھروسا ہی بہت تھا۔"

"میں شرمندہ ہوں۔ اپنی لاعلمی پہ بھی۔۔۔ اور سالار کے سلوک پہ بھی۔"

"صرف شرمندہ؟"

"اب بس بھی کیجیے رضوان۔" نائلہ نے مصالحت کی کوشش کرنا چاہی۔

"یہ بھی تو دیکھیں وہ کیسے آپ کے بتانے پہ فوراً پاکستان چلی آئی ہیں آخر یہ ان کی چاہ ہی تو ہے۔"

"میں اسے لے جانے آئی ہوں۔" اماں کے کہنے پہ بھی رضوان نرم نہ پڑے۔

"سالار کو خود آنا چاہیے تھا۔۔۔ ہم بھی تو سنیں کہ اس کے پاس کیا وجہ ہے اپنے اس غیر انسانی سلوک کی۔۔۔ اپنی تسلی کیے بغیر ہم کیسے ام ہانی کو واپس بھیج دیں۔"

اماں کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ سامنے سے آتی ام ہانی کو دیکھ کے چپ کر گئیں۔

اور جیسے ہی انہیں سامنے پا کے ام ہانی بے ساختہ ان کی جانب بھاگتی آئی۔۔۔ وہ بھی دونوں بازو کھول کے رہ گئیں۔ اب وہ ان سے لپٹی سسک سسک کے رو

رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر واپسی پہ اماں کو بپھرے ہوئے سالار کے سوالات اور جرح کا سامنا کرنا پڑا۔

"کیوں نہیں لائیں آپ اسے؟"

"کیونکہ میں نہیں لانا چاہتی تھی۔" جی کڑا کر کے انہوں نے کہہ دیا۔

"لیکن آپ کو میں نے اسی کام کے لیے بھیجا تھا۔"

"تب تک میں نے اس کی حالت نہیں دیکھی تھی سالار! اسے دیکھنے کے بعد مجھے لگا اس کا یہاں نہ آنا ہی بہتر ہے۔"

"اس کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔۔۔ یہ طے کرنے کا حق صرف مجھے ہے آپ کو نہیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"مجھے نہیں ہے تو تمہیں بھی نہیں ہے۔۔۔ تم بھی خدا نہیں ہو سالار جو اس کی قسمت لکھو گے۔"

"اسی خدا نے اس کی قسمت میں سالار اعظم لکھ دیا ہے۔ اب اپنی تقدیر سے بچ کر کہاں جائے گی وہ۔۔۔ اسے لے کر آئیں ابھی فوراً۔"

"نہیں جاؤں گی میں۔" اماں نے سالار کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

"نہ میں اسے مجبور کروں گی۔۔۔ مجھ سے اس کے آنسو نہیں دیکھے گئے سالار۔"

"آنسو۔۔۔" سالار بری طرح چونکا تھا۔

"میرے دل پہ گرتے ہیں اس کے آنسو سالار نہ کرو اتنا ظلم۔۔۔ اس کے رونے سے عرش بھی ہل کے رہ گیا ہو گا۔ کیوں اس معصوم کی بددعائیں لیتے ہو۔" وہ بڑی دل گرفتگی سے اسے نصیحت کر رہی تھیں مگر سالار۔۔۔ اس کی سوئی تو محض ایک ہی لفظ پہ اٹک کے رہ گئی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ رو رہی تھی؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ام ہانی رو رہی تھی؟" تصدیق چاہتے ہوئے اس

کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کے اماں حیران رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

رات گئے تانیہ کے ڈیڈی اسلم کی آمد ہوئی۔۔۔ سب حویلی سے باہر نکل کے ان کا استقبال کر رہے تھے۔

"ڈیڈی۔۔۔ اتنا لیٹ۔۔۔" تانیہ ان سے لپٹی ہوئی تھی۔

"بیٹا جی۔۔۔ میں خود اڑ سکتا تو زیادہ جلدی آجاتا۔۔۔ مگر جہاز کی رفتار اس سے زیادہ بڑھانا میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ کافی خوش مزاج اور زندہ دل قسم کے انسان لگ رہے تھے۔ جلدی بے تکلف ہو جانے والے۔

رضوان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ معانقہ کرنے لگے۔۔۔ اور نائلہ نے سلام جھاڑا تو فٹ ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ بے چاری جھجک کے رہ گئیں۔

"اگر میں غلطی پہ نہیں ہوں تو آپ میری بیٹی کی ہونے والی ساس ہیں۔"

"ماما کہیں ڈیڈ۔۔۔ یہ ساس واس مجھے نہیں راس۔"

"اوہ۔۔۔ آئی سی۔۔۔ تانیہ تم مجھے ہمیشہ اکساتی رہیں کہ میں تمہارے لیے ماما لے آؤں۔۔۔ میں قابو میں نہیں آیا تو تم نے خود اپنے لیے ڈھونڈلی۔۔۔ واؤ۔"

وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے اور نائلہ خجالت مٹانے کے لیے رضوان کو کہنی مار کے متوجہ کرنے لگیں۔

"آپ اندر آئیں ناں۔۔۔" رضوان کے کہنے پہ اسلم نے اندر قدم بڑھائے اور پھر مہ پارہ کو دیکھ کے ٹھٹکے۔

"ان کا تعارف نہیں کرایا آپ نے؟"

"یہ میری بہن ہے۔ مہ پارہ۔ سعد کی پھوپھی۔"

مہ پارہ نے ان کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی فوراً اپنے بازو موڑے اور ہاتھ بغلوں میں دباتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم۔۔۔"

"صبح آپ کے اعزاز میں ایک پر تکلف ناشتے کا

اہتمام کیا ہے ہم نے۔" رضوان انہیں اندر لے جاتے ہوئے بتا رہے تھے۔
"وہاں میں نے اپنے سبھی رشتے داروں کو مدعو کیا ہے۔ تاکہ سب کا آپ سے تعارف ہو جائے۔"
"ارے واہ۔۔۔ ناشتا۔۔۔ یعنی برنچ۔" وہ بلاوجہ بے موقع قہقہے لگا رہے تھے۔ مہ پارہ پیچھے نائلہ کے پاس ہی رک گئی تھیں۔
"توبہ کیسا عجیب سا آدمی ہے۔ بھونڈا چھچھورا۔" انہوں نے برملا ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں ڈیڈی کیسے لگے؟" تانیہ وفور اشتیاق سے مجھ سے پوچھ رہی تھی۔
"اگر کہوں کہ بالکل اچھے نہیں لگے تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟ انکار کر دو گی؟"
"کیوں نہیں کروں گی؟" وہ آنکھیں نکال کے مجھ پہ غرائی تھی۔
"پھر تو لازمی کروں گی۔۔۔ تاکہ اس گستاخی پہ تمہیں ساری زندگی سزا دیتی رہوں پورے حق کے ساتھ۔"
"اوہو۔۔۔" میں نے مایوسی سے منہ لٹکایا۔
"پھر کیا فائدہ بلاوجہ سچ کہنے کا۔۔۔ تمہارا دل ہی رکھ لیتا ہوں یہ کہہ کر کہ بہت اچھے لگے۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔
اور مجھے ہنی کی کھلکھلاہٹ یاد آگئی۔ جو نجانے کہاں بچھڑ گئی تھی۔
"سنو تانیہ۔"
"ہوں۔"
"تم نے کہا تھا ناں۔۔۔ کہ ہانی کا ایک بار رونا بہت ضروری ہے میں نے اسے رلا دیا ہے۔"
"ہاں۔۔۔ جانتی ہوں۔ تبھی تو دھند چھٹتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"
"اور دھند کے چھٹنے کے بعد دھنک کے رنگ پھیلنے بھی تو ضروری ہیں اور اس کے لیے میں اسے ایک بار مسکراتا ہوا بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"تو کرو ناں کوشش۔"
"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا۔"
"میں۔۔۔ مگر تم کیوں نہیں؟"
"اس لیے کہ میں اس کے سب زخموں۔۔۔ تمام تکلیفوں سے واقف ہوں۔۔۔ جس کے سامنے انسان اپنے سارے درد کھول دیتا ہے اس کے سامنے مسکراتے ہوئے جھجکتا ہے، میں چاہتا ہوں تم اس کو اس خول سے نکالو۔ اسے زندگی کی جانب لاؤ۔"

☼ ☼ ☼

حویلی کے بڑے سے لان میں اس پر تکلف ناشتے کا اہتمام جو رضوان صاحب نے اپنے سمدھی اسلم صاحب کے اعزاز میں دیا تھا۔ کئی رشتے دار جو قریبی تھے جیسے نیاز کا کنبہ۔۔۔ خالہ وغیرہ۔۔۔ وہ لوگ تو پہلے سے موجود تھے ہی۔۔۔ انہوں نے چند اور عزیز و اقارب کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ ان سے تعارف کرانے کے لیے۔
اسلم صاحب کی برلہ سنجی اور طبیعت کا چونچال پن عروج پہ تھا جس سے مہ پارہ نہ جانے کیوں جز بز ہوتی جارہی تھیں۔
"محترمہ۔۔۔ کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتی ہیں؟" وہ پلیٹ تھامے اس کے پاس آئے۔
"جی فرمائیے۔" مہ پارہ نے ناگواری چھپانے کی اپنی سی کوشش کی۔
"آپ ہی کچھ بتائیے۔۔۔ کہاں سے شروع کروں؟"
"ناشتا۔"
"جی نہیں۔۔۔ بات۔" اس بار مہ پارہ نے ناگواری چھپانے کی قطعی ضرورت محسوس نہ کی اور تنک کے کہہ دیا۔
"مجھے ہر بات شروع کرنے کی نہیں، ختم کرنے کی عادت ہے اسلم صاحب۔"
"واہ واہ۔"
وہ بلاوجہ جھوم اٹھے اور باقاعدہ گنگنانے بھی لگے۔
"بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے۔۔۔

اچھی پوئم ہے ناں؟"
"اسے پوئم نہیں غزل کہتے ہیں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے رخ موڑ کے پراٹھا لینے لگیں۔
"اوہ... میں سمجھا اسے پراٹھا کہتے ہیں۔" اپنی بات پہ وہ خود ہی ہنس رہے تھے اور مہ پارہ منہ بنا رہی تھیں۔
"آپ کی باتوں سے کہیں نہیں لگتا کہ آپ ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں۔"
"تعریف کا شکریہ۔" انہوں نے سر خم کیا۔
"آپ کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے میں اپنی عمر سے بہت کم نظر آتا ہوں... ویسے آپ کا بھی جواب نہیں... سعد کی پھوپھو نہیں۔ اس کی بڑی بہن لگتی ہیں آپ۔" اب کے انہوں نے وہ ہتھیار استعمال کیا... جس سے خواتین مزاحمت توڑ ہی دیا کرتی ہیں۔ مہ پارہ کے چہرے کا تناؤ بھی خود بخود کم ہو گیا۔
ایک مروت بھری مسکراہٹ بھی فوراً ہی ہونٹوں پہ آ گئی۔
"آپ یہ حلوہ ضرور چکھیے... یہاں کی خاص سوغات ہے۔"

☆ ☆ ☆

ام ہانی کے لاکھ نا نا کرنے کے باوجود تانیہ اپنی سی کر کے رہی۔ اسے ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگانے کے بعد کچھ مطمئن ہو کے بولی۔
"ہوں... اب ٹھیک ہے۔"
"یہ کیا بنا دیا تم نے مجھے..." اتنے دنوں بعد خود کو ذرا ڈھنگ کے حلیے میں دیکھ کے ام ہانی بھی متوحش تھی... جیسے آئینے میں اس کا نہیں... کسی اور کا عکس ہو... اجلا اجلا... سنورا سنورا سا۔
"ایسا بھی کیا کیا میں نے... اتنے مہمان ہیں گھر میں... آپ کیا یوں ہی چلی جاتیں... اچھا اٹھیں نا... ڈیڈی آؤٹ آف کنٹرول ہو رہے ہوں گے... مجھے ان کو سنبھالنا ہو گا جا کر..."
"کیا مطلب..."
"بھئی بہت سا کھانا... اور بہت سی خواتین... یہ دونوں چیزیں ڈیڈی کو ذرا اوور کر دیتی ہیں۔" ام ہانی مسکرا دی... تو تانیہ کے ہونٹوں پہ بھی کامیابی بھری مسکراہٹ آ گئی۔
"آئیڈیا... کیوں نہ بھاگتے ہوئے جائیں۔"
"کیا...؟" ام ہانی کی وہ مسکراہٹ بھک سے اڑ گئی۔
"ہاں نا... بہت مزہ آئے گا... دھواں دار انٹری..."
"کیا بچکانہ آئیڈیا ہے... اور ویسے بھی... میرے پیر... میں چل بھی لوں تو بہت ہے۔"
"کچھ نہیں ہوتا... اچھے بھلے ہیں اب آپ کے زخم... بہانے نہ کریں بہادر بنیں..."
"بہادر بننے اور احمق بننے میں بہت فرق ہے... بھاگ کے وہاں جانے کی کیا تک ہے بھلا۔"
"کبھی کبھی بے تکے کام بھی کر لینے چاہئیں... اور کون دیکھ رہا ہے ہمیں... سب تو وہاں ہیں... ہم دونوں یہاں سے بھاگتے ہوئے جاتے ہیں... ریس لگاتے ہیں... کہ کون پہلے پہنچتا ہے۔"
"تم بالکل بچی ہو تانیہ..."
"آپ بھی بن جائیں تھوڑی دیر کے لیے... اپنے اندر کے بچے کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے... بچے معصوم اور خالص ہوتے ہیں... بچپنا زندہ رکھنے کا مطلب ہے اپنی معصومیت اور خالص پن کو بھی زندہ رکھنا۔"
"تانیہ..." وہ اس کے اصرار پہ زچ ہو رہی تھی۔ اور وہ تھی کہ ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کے زبردستی کرنے لگی۔
"یقین کریں... اس ذرا سے بچپنے سے آپ خود میں کتنی بڑی تبدیلی محسوس کریں گی... لگائیں ریس...؟"
"میں کتنا بھی تیز بھاگ لوں... تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی تانیہ..." وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"اور اگر میں خود آپ کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ ساتھ بھگاؤں تو...؟"

"بھلا کوئی اپنے حریف کا ہاتھ بھی پکڑتا ہے؟" وہ اس کے بھولپن پہ ہنس دی۔
"بالکل پکڑتا ہے۔" وہ مصر تھی۔
"گر دونوں کی منزل ایک ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ام ہانی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ "پہلے آپ پہنچیں۔ یا میں۔ بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ منزل تو دونوں کی ایک ہی ہے۔" اور اس نے یہ کہتے ہی اچانک بھاگنا شروع کردیا۔ ام ہانی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ مگر چونکہ اس کا ہاتھ تانیہ کے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھا اس لیے ناچار اسے بھی بھاگنا پڑا۔
"ارے تانیہ۔ رکو۔ میں گر جاؤں گی۔" اب وہ راہداری سے بھاگتے ہوئے گزر رہی تھیں۔
"نہیں گرنے دوں گی میں آپ کو۔" راہداری عبور کرتے ہوئے وہ دونوں ہال میں پہنچ چکی تھیں۔ جہاں اپنے کام نپٹاتی دونوں ملازمائیں آنچل کا کونہ دانتوں تلے داب کر یہ منظر حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

میں اسی کا منتظر تھا۔ وہ۔ جو کبھی میری منتظر نہ رہی تھی۔ مگر اس دل کا کیا کرتا۔ اسے آج بھی بنا کسی امید۔ بنا کسی آس۔ بنا کسی وجہ کے اس ہی تلاشتے رہنے کی عادت تھی۔
اور پھر دور سے وہ دونوں بھاگتی ہوئی اس جانب آتی نظر آئیں۔ میرے ساتھ ساتھ باقی سب کے لیے بھی یہ منظر حیران کن تھا۔ اتنی بہت سی حیران نظروں کو خود پہ دیکھ کے ام ہانی نے اپنی رفتار روک لی تھی اور زبردستی ہاتھ کھینچ کر تانیہ کو بھی روکنا چاہا تھا۔ تانیہ اس کے چہرے کی گھبراہٹ بھانپ کے رک گئی مگر پھر اس کا ہاتھ یوں ہی تھامے تھامے سیدھا اپنے ڈیڈی کے پاس لے گئی۔ جو دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔
"ڈیڈ یہ ام ہانی۔" اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ بے اختیار اس کا سر شفقت سے تھپکنے لگے۔
"یہ چیٹنگ ہے ڈیڈی۔" وہ منہ بسورنے لگی۔
"آپ نے کبھی میرے سر پہ ہاتھ نہیں پھیرا۔"
"اس کا چہرہ ہی ایسا ہی ہے۔ پکار پکار کے محبت مانگتا ہے۔ دل خود بخود اسے دعا دینے کو چاہتا ہے۔"
ام ہانی کے ہونٹوں پر ایک مسلسل مسکراہٹ تھی۔ جسے دیکھ دیکھ کے میں شانت ہو رہا تھا اور تانیہ کا ممنون بھی۔ کچھ دیر بعد اسے اکیلا پا کے میں اسے کہے بنا نہ رہ سکا۔ "تھینکس تانیہ۔"
"کس بات کا۔" وہ پراٹھے کا رول بنانے میں مصروف تھی۔
"ہنی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے کا۔ ایک سچی اور بے ساختہ مسکراہٹ۔ زبردستی یا مروت کی نہیں۔" میں نے سامنے مہ پارہ پھوپھو کے ساتھ کھڑی ہنی کو دیکھا جو بالکل نارمل انداز میں مسکرا مسکرا کے کوئی بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ کسی خوف کسی گھبراہٹ کا اب شائبہ تک نہیں تھا۔
"وہ جب سے آئی ہے، میرا حوصلہ نہیں ہوا کہ اسے مسکرانے کا کہتا۔ تم نے یہ کام کتنی آسانی سے کردیا۔"
"صرف اس کے نہیں۔ تمہارے بھی ہونٹوں پہ بہت دن بعد مسکراہٹ آئی ہے۔ تمہاری مسکراہٹ کا ہانی کی مسکراہٹ سے کوئی رشتہ ہے کیا؟" اس نے کتنی بے ساختگی سے وہ راز اگل دیا تھا جس کے بارے میں مجھے لگتا تھا، صرف میں ہی واقف ہوں اس راز سے۔
"تم بہت پہنچی ہوئی ہو تانیہ۔ کہیں اور نہ پہنچ جانا۔" میں نے ہنسی میں اڑانا چاہا اس کی بات کو بھی اور اپنے خوف کو بھی۔
"نہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"
"ہوں۔ مگر آدھا سچ۔" میں نے ہار مان لی۔
"صرف مسکراہٹ کا نہیں۔ آنسوؤں کا بھی۔"
"وہ کیسے۔" تانیہ تفصیل جاننا چاہ رہی تھی اور میں چونک گیا تھا۔ کیونکہ میں نے ام ہانی کے اس چہرے پہ۔ جس پہ کچھ دیر پہلے ایک الوہی مسکراہٹ تھی۔ وہاں وہی خوف اور دہشت پھر سے دیکھی۔

اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن گھمائی' تو سالار کو اپنی کار سے نکل کے اس جانب آتے دیکھا۔

"یہ کون ہے۔" تانیہ اپنا وہ سوال بھول کے اب کچھ اور پوچھ رہی تھی۔ اور ہانی سہم کے ابو کا بازو زور سے تھام کے ان سے لپٹ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

رضوان اسے اندر لا چکے تھے' تاکہ مہمانوں کے سامنے وہ کوئی تماشا کھڑا نہ کرسکے۔ اس کے تیور تو کچھ ایسے ہی تھے۔

"بیٹھ کے بات کرتے ہیں سالار۔" اگرچہ رضوان کا دل اس سے سخت مکدر تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی حد تک وضع داری نبھا رہے تھے۔

"میں نہ بیٹھنے آیا ہوں۔ نہ بات کرنے۔ امہانی کو لینے آیا ہوں۔ بھیجیں اسے۔"

"مگر میں کچھ معاملات صاف کیے بغیر اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتا۔"

"مجھے اسے یہاں سے لے جانے کا حق ہے۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔ مگر اس کے باوجود رضوان نے لحاظ کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

"اور ہمیں تم سے بازپرس کا حق ہے۔"

"آپ کا مجھ کوئی حق نہیں۔"

"مگر امہانی پہ تو ہے۔"

"مجھ سے اس کا نکاح کرنے کے بعد آپ اس پہ سے حق کھو چکے ہیں۔" اس کی مسلسل بدتمیزی پہ وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کر رہے تھے۔

"لیکن اس نے اپنی زندگی پہ سے اپنا حق نہیں کھویا ہے۔" بالآخر وہ بھی قطعیت سے فیصلہ سنا گئے۔

"مجھے نہ سہی۔ مگر تمہارے ساتھ جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنے کا حق اسے ضرور ہے۔ وہی یہ طے کرے گی۔"

☆ ☆ ☆
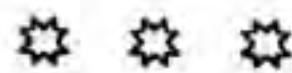
"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ نہیں نکلوں گی کمرے سے۔" وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ابو اسے سالار سے بات کرنے کا کہہ رہے تھے۔

"بیٹا۔ تمہاری مرضی کے بغیر ہم اس کے ساتھ نہیں بھیجیں گے تمہیں۔ بس۔ تم یہ بات خود اسے جا کے کہہ دو۔"

"میں بات بھی نہیں کروں گی۔ کر ہی نہیں سکتی۔" وہ رو رہی تھی۔ اور میرا دل پگھل رہا تھا۔ مگر میں فی الحال چپ تھا۔ البتہ پھوپھو بول اٹھیں۔

"بس سن لیا آپ نے؟ جس کے ساتھ بات کرنے یا اس کا سامنا کرنے سے ہی اس بے چاری کی جان نکل رہی ہے۔ مرنے والی ہو گئی ہے ایک منٹ میں۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی کیسے۔"

"مہ پارہ۔ تم اپنی مرضی اور سوچ زبردستی اس پہ مسلط نہ کرو۔" امی بے چین ہو رہی تھیں مگر مصلحتاً امہانی کی حمایت بھی کی۔

"میں امہانی کا خوف اور ناراضی سمجھ سکتی ہوں۔ کچھ کم نہیں کیا سالار نے۔" اور پھر فوراً ہی پٹڑی بدل لی۔

"لیکن یہ بھی تو سوچو۔ کبھی تو غصے اور ناراضی کی یہ کیفیت کم ہو گی۔ دماغ ٹھنڈا ہو گا۔ اور تب شاید وہ اپنے جلد بازی کے فیصلے پہ پچھتائے گی' اس لیے اتنے اہم فیصلوں کا اختیار بچوں کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہیے۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔" اب میں چپ نہ رہ سکا۔

"زندہ تو ہیں۔ مگر جاگے ہوئے نہیں۔ ورنہ۔ کبھی تو پلٹ کے اس کی خبر لیتے۔ جو بات یہاں آنے کے دوسرے ہی دن میں جان گیا تھا' اس سے آپ اتنا عرصہ بے خبر کیسے رہے؟" امی محض مجھے گھور کے رہ گئیں۔ میری بات کا کوئی جواب نہ تھا ان کے پاس۔

"تم بولو امہانی۔ تم کیا چاہتی ہو؟" ابو نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔ "ڈرو مت۔ کوئی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرے گا۔ جو تم چاہو گی۔ وہی ہو گا۔ تمہیں پورا حق ہے اس کا۔"

"میں۔ میں واپس نہیں جانا چاہتی۔" اس کی بات پہ میرے اندر اطمینان بھر گیا۔

"میں تھک گئی ہوں ایسی زندگی سے... مجھ میں اپنی تذلیل ہوتے دیکھنے کا اب مزید حوصلہ نہیں رہا... میں سر اٹھا کے جینا چاہتی ہوں... بنا کسی خوف کے۔"

پھوپھو نے اسے گلے لگالیا۔ جبکہ میں نے امی کی بے چینی کو بڑھتے دیکھا تھا۔ ابو نے سالار کو ام ہانی کا فیصلہ سنا دیا... مگر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"میں نہیں مان سکتا۔ آپ لوگوں نے اسے دباؤ میں لیا ہے۔ میرے سامنے لائیں اسے... آخر چھپا کیوں رہے ہیں؟"

"وہ خود چھپ رہی ہے تم سے... نہیں سامنا کرنا چاہتی تم جیسے شخص کا..." بالاخر میں نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

"سعد... تم اندر جاؤ... میں بات کر رہا ہوں۔" ابو نے مجھے منظر سے غائب کرنا چاہا' مگر اب میں کہاں رکنے والا تھا۔

"کیسی بات ابو؟ کسی بات کی گنجائش نہیں ہے اب... آپ اسے عزت کے ساتھ واپس جانے کا کہیں... یا... یا پھر میں کہہ دیتا ہوں۔"

"میں اپنی بیوی کو ساتھ لیے بغیر نہیں جاؤں گا... تم میرے حق کو چیلنج کر رہے ہو۔"

"اور اگر وہ بیوی ہی نہ رہے تو؟" میں تن کے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"پھر کس رشتے اور حق سے ساتھ لے جانے کی بات کرو گے؟ مسٹر سالار اعظم... بھول جاؤ کہ تم اب کبھی اس کی گرد کو بھی پا سکو گے۔"

"سعد... بیٹا... تحمل سے... معاملے کو بگاڑو مت..." ابو ابھی بھی مجھے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے... اپنی سی کوشش...

"ابو... اس نے ایک لڑکی کی پوری زندگی بگاڑ دی ہے اور آپ کو معاملہ بگڑنے کی فکر ہے۔" ان کو تاسف سے دیکھنے کے بعد میں نے پھر سالار کی جانب توجہ کی۔

"میرے ہوتے ہوئے تو تم اسے کبھی یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اگر ہو سکے تو خود کو بچا کے ضرور لے جاؤ... ورنہ کہیں مجھے ہنی کو لگنے والے زخموں کا حساب لینا یاد نہ آجائے۔" میری دھمکی کو اس بے غیرت اور ڈھیٹ انسان نے بہت تحمل کے ساتھ سنا۔ اور جیسے پی ہی گیا۔ چند سیکنڈ مجھے سرد نظروں سے گھورنے کے بعد وہ پلٹا اور خاموشی سے واپس جانے لگا۔

"تم نے ٹھیک نہیں کیا سعد..." ابو اس کی موجودگی پر اتنے پریشان نہیں تھے۔ جتنے اس طرح اس کے واپس جانے پر تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

"سالار کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ اس کی خاموشی کو طوفان آنے سے پہلے والی خاموشی سمجھو۔"

☼ ☼ ☼

وہ دن ایک ہنگامے سے شروع ہوا تھا۔ ایک خاموشی پہ ختم ہو رہا تھا۔ ام ہانی کو یہ اطمینان تو ہو گیا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے سالار کے ساتھ اس جہنم میں دوبارہ نہیں بھیجے گا... مگر دل کو پھر بھی ایک کھٹکا سا لگا ہوا تھا۔

وہ رات کے اس پہر اکیلی آنگن میں بیٹھی ان اذیت ناک یادوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب اسلم صاحب کافی کا مگ لیے اس کے برابر آ بیٹھے۔

"کیا دیکھ رہی ہو آسمانوں میں؟" ام ہانی نے ان کے سوال پہ بھی آسمان سے نظر نہ ہٹائی

"دیکھنا چاہ رہی ہو کہ خدا تمہارے لیے کیا کر رہا ہے؟" تمہیں پتا ہے وہ بھی اس وقت یہ دیکھنا چاہ رہا ہے کہ تم خود اپنے لیے کیا کرتی ہو... اللہ نے تمہیں یہ زندگی دی ہے اسے جینے کا موقع دیا ہے۔ ہمت دی ہے... اب تمہیں یہ دکھانا ہے کہ تم اس کا استعمال کیسے کرتی ہو۔

"میں نے بہت ہمت سے کام لے کر ہی وہاں واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے... لیکن... مجھے نہیں پتا ہے کہ ایسا ہو بھی پائے گا... یا نہیں... پتا نہیں باقی سب کو یہ کیسا لگا ہو؟"

"اپنے ساتھ ٹھیک کیا ہے یا غلط؟ کیا لگتا ہے تمہیں بیٹا۔" وہ کچھ سوچتے جواب دینے لگی۔
"مجھے لگتا ہے اپنے ساتھ تو ٹھیک ہی کیا ہے۔ غلط تب کر رہی تھی جب اپنی تذلیل کروا رہی تھی۔"
"گریٹ۔ تو باقی سب کے ساتھ ٹھیک ہو۔ یا غلط۔ یہ تمہارے سوچنے کا کام نہیں۔ زندگی بڑی مختصر شے ہے اپنے لیے ہی جی لیں تو بڑی بات ہے۔ کسی اور کے لیے جینے کا وقت اور حوصلہ کیسے نکالیں۔" مہ پارہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ درست کرتے ہوئے باہر جھانکا تو اسلم صاحب کو امہانی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کے چونکی۔
"لو۔ یہ خبطی شخص اب اپنی بے سروپا چھچھوری فضول باتوں سے بے چاری کو مزید پریشان کر رہا ہوگا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے نکلیں۔ ارادہ تھا کہ امہانی کو بروقت کمک پہنچا کے اس شخص کی باتوں سے بچا سکیں۔
"مگر انکل۔ ہم خود کو لوگوں سے کاٹ کے بھی تو نہیں جی سکتے۔" مہ پارہ کے خدشے کے برعکس امہانی سارے دن کی طویل خاموشی کو توڑ کے اپنے اندر کے سوالات کے جواب ان سے طلب کر رہی تھی۔
"جی سکتے ہیں۔ کیوں نہیں جی سکتے۔" انہوں نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"میں جیا ہوں۔ ابھی بھی جی رہا ہوں۔ تانیہ کی ماں سے جب میں نے شادی کی تو وہ کینسر کی آخری اسٹیج پہ تھی۔" مہ پارہ کے قدم وہیں تھم گئے۔ وہ ان سے کچھ فاصلے پہ رک کر سننے لگیں۔
"صرف وہی کیا۔ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ شادی ہو کیونکہ اس کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ مگر میں نے یہ شادی کی۔ کیونکہ میں جینا چاہتا تھا۔ اس کی محبت میں۔ چاہے چند دن ہی سہی۔ وہ ماں نہیں بننا چاہتی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی اپنی اولاد کو پالنے کے لیے زندہ نہیں رہے گی۔ مگر میں پھر بھی تانیہ کو دنیا میں لاکے رہا۔ کیونکہ میں اس کے مرنے کے بعد بھی جینا چاہتا تھا۔ مجھے سہارا چاہیے تھا۔ وجہ چاہیے تھی جینے کی۔ اس کی آخری نشانی سے بڑھ کے اور کیا وجہ ہوتی۔"
وہ تو مسکرا مسکرا کے بتا رہے تھے۔ حسب عادت مگر امہانی مغموم سی ہو گئی۔ "تانیہ نے کبھی بتایا نہیں۔"
"کیونکہ وہ بھی جینا چاہتی ہے اور جیا تب جاتا ہے جب خود سے وابستہ ہر غم اور تکلیف کو جتنی دور ہو۔ جھٹک دیا جائے۔ تم بھی یہی کرو۔ مت سوچو۔ کہ کوئی کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔ اپنی خوشی تلاش کرو۔" تب ہی اسلم صاحب کی نظر مہ پارہ پہ گئی' جو آنکھوں میں ہلکی سی نمی لیے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ اسلم صاحب کی سنجیدگی ہوا ہونے اور شوخی عود کر آنے میں ایک ہی سیکنڈ لگا۔
"اور یہاں آنے کے بعد کچھ حسین چہرے دیکھنے کے بعد تو اب یہ حال ہے کہ۔" وہ گنگنانے لگے۔
آج پھر جینے کی تمنا ہے
آج پھر مرنے کا ارادہ ہے
اور پہلی بار مہ پارہ کو ان کی شوخی چھچھورپن نہیں لگی تھی۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اور اس آسمان کے نیچے۔ ان ہی ستاروں کی چھاؤں میں جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی اپنے جینے کی وجہ تلاش رہی تھی۔ اب میں وہیں کھڑا جینے کی وجہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ کہ۔
"سعد۔" اور میں پوچھ ہی نہ سکا۔ کیونکہ تانیہ مجھے پکارتی وہیں آگئی۔
"تم یہاں ہو۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔"
"میں بھی بہت دیر سے ڈھونڈ رہا ہوں۔"
"مجھے۔" وہ کھل سی اٹھی۔
"نہیں۔ خود کو۔"
"اف۔ پھر سے۔ بہت دنوں بعد دورہ پڑا ہے تمہیں فلمی ڈائیلاگ جھاڑنے کا۔"
"چلو۔ آج تم بھی کچھ فلمی ہو جاؤ میرے

ساتھ۔"

"سوچ لو۔ پھر نہ کہنا۔ یہ حویلی ہے۔ یہاں یہ سب نہیں چلتا۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"ہمارے ساتھ کچھ بھی تو فلمی نہیں ہوا تانیہ۔ نہ کوئی ظالم سماج۔ نہ ولن۔ سوچو۔ اگر ہمارے درمیان کوئی آگیا تو۔؟"

"اب کیا آئے گا؟" وہ بے فکری سے بولی۔

"کچھ دن بعد تو ہماری شادی ہے۔"

"کچھ دن بعد ہے نا۔ ابھی بہت وقت ہے درمیان میں۔ کچھ ہونے کے لیے تو ایک پل بھی کافی ہوتا ہے۔"

"پلیز سعد۔" وہ گھبرا سی گئی۔

"مت کرو ایسی باتیں۔ مذاق میں بھی نہیں۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات کا ڈر۔"

"تمہیں کھونے کا ڈر سعد۔"

"اتنا چاہتی ہو مجھے؟" یہ سوال کرتے ہوئے میں اداس سا ہو گیا۔ بالکل بجھ ہی گیا۔

"ہاں۔ تو اور کیا؟"

"میں نے منع بھی کیا تھا۔ تم باز نہیں آئی مجھ سے محبت کرنے سے۔" میں مایوس ہو گیا اور دل گرفتہ بھی۔ کیا تھا' جو تانیہ مجھ سے محبت نہ کرتی۔ کرتی بھی تو وہ اتنی اچھی نہ ہوتی کہ اس کی محبت کو دھوکا دیتے ہوئے مجھے خود سے شرم آئے۔

"تمہیں پتا تو ہے سعد۔ کہ میں کتنی خود سر ہوں۔"

"خود سر تو محبت ہوتی ہے تانیہ۔ من مانی کرنے کی عادی۔ اپنی کرنے پہ آئے تو یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے سامنے کون ہے اور اس کے قدموں تلے کیا کیا مسل کے برباد ہو رہا ہے۔ تانیہ محبت کو معاف کر دینا' اس کے قصور بخش دینا' محبت اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہے۔"

"سعد۔ تم۔ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" اسے ہراساں دیکھ کے میں نے ایک کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

"فلمی۔ فلمی باتیں۔ تمہیں پسند ہے نا اس لیے۔" وہ خفا خفا سی مجھے دیکھنے لگی مگر بہل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سالار بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ رت جگا اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ "آج بھی تم ساری رات نہیں سوئے۔" ماں نے اسے دیکھ کے افسوس سے کہا۔

"خود کو کب تک تکلیف دو گے۔ اور اسے بھی۔ بیٹا۔ زبردستی نہ گھر بستے ہیں۔ نہ دل۔"

"اگر آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں تو آپ نے وہ گھر زبردستی اتنے سال بسانے کی کوشش کیوں کی۔ جو گھر نہیں ایک اذیت کدہ تھا۔"

"جو تمہاری ماں کے ساتھ ہوا۔ وہ تم کیوں دہرانا چاہتے ہو۔ آزاد کر دو اسے سالار۔ جانے دو۔"

"آزاد کر دوں۔" وہ مشتعل ہو گیا۔

"کیسے آزاد کر دوں؟ میں چاہتا ہوں اسے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو شامل نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ آپ جانتی ہیں یہ بات۔ اس نے میری قسم توڑی۔ اب کیسے جانے دوں اسے اپنی زندگی سے۔"

"کیونکہ زبردستی تم اسے یہاں لے بھی آئے تو اس کے دل میں جگہ نہ پا سکو گے۔" ڈرتے ڈرتے انہوں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا۔

"ناراض ہے وہ۔ مان جائے گی جب اس کے اردگرد سے وہ لوگ دور ہوں گے۔ وہ اسے بہکا رہے ہیں۔ میرے خلاف ورغلا رہے ہیں۔ میرے پاس آئے گی تو اس کی ناراضی بھی ختم ہو جائے گی۔"

"ناراض نہیں ہے وہ سالار۔" وہ جھنجلا اٹھیں' اس کے گمان پہ۔

"اس کے مان جانے کی آس پہ مت رہو۔ ابھی اس کے تایا سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ لوگ طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

"کیا۔ طلاق۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

ناولٹ

فائزہ افتخار

آٹھویں قسط

"کیا؟... طلاق؟" امی حق دق رہ گئیں۔

"اور یہ خناس یقیناً" تم نے بھرا ہوگا رضوان کے دماغ میں ورنہ یہ بات کرنے سے پہلے وہ مجھ سے مشورہ ضرور کرتے۔"

"ابو نے جو کیا ٹھیک کیا... لیکن میں سالار سے طلاق کا مطالبہ کرنے کے حق میں نہیں نہ اس کے فیصلے کا انتظار کرکے ہنی کا اور وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی جانب سے خلع کا کیس کرنے کے لیے میں نے وکیل سے بات کرلی ہے۔" میری بات پہ امی سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

"یا خدایا... ہمارے خاندان میں آج تک کسی کو طلاق نہیں ہوئی کجا کہ لڑکی خود اپنے منہ سے مانگے۔"

"کسی کو تو پہل کرنی ہے ناں۔" اب تک چپ بیٹھی ثانیہ سے رہا نہ گیا اور وہ کہہ اٹھی... حالانکہ میں نے اسے سختی سے دخل نہ دینے کا کہا تھا۔

"چلیں ہانی ہی بارش کا پہلا قطرہ بنیں گی۔ اس فیملی میں آگے ہونے والی ڈائی ورسز کے لیے۔" اس کی بے تکی بات امی کو مزید تپا گئی۔

"کیا فضول باتیں ہو رہی ہیں یہاں شادی والے گھر میں... کل سے شادی کی تقریبات شروع ہو جائیں گی اور تم لوگ یہ نحوست پھیلا رہے ہو۔"

"میں صرف ہنی کی زندگی سے نحوست دور کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"دیکھو! سعد یہ میرے گھر کی پہلی خوشی ہے... میرے اکلوتے بیٹے کی شادی... میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتی۔ اب یہ طلاق کا لفظ کسی کے منہ سے نہ نکلے۔"

"مگر امی..."

"دیکھو... صرف ایک ہفتہ مانگ رہی ہے تمہاری ماں تم سے... بلکہ تین چار دن... جو ہوگا تمہاری شادی کے بعد ہوگا پہلے نہیں اور یہ میرا فیصلہ بھی ہے اور میرا حکم بھی۔"

ان کے اس فیصلے کے پیچھے ان کا کون سا خوف تھا وہ میں بخوبی سمجھ رہا تھا مگر جتا نہ پایا چپ رہا۔ اور ان سے کچھ کہے بغیر وہ خلع کے کاغذات لیے ہنی کے پاس آ گیا۔

"تمہیں بس ان پہ سائن کرنے ہیں ہنی۔" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"نہیں سعد... تائی امی کا کہنا ہے کہ..."

"ہنی پلیز... میں امی سے بحث نہیں کرنا چاہتا... مگر میں اس کام میں تاخیر بھی نہیں چاہتا... سالار ایک ذہنی مریض ہے وہ کبھی تمہیں آسانی سے آزاد نہیں کرے گا۔ تم نے خود بتایا ہے کہ وہ تمہیں تکلیف دے کر سکون محسوس کرتا ہے۔"

"کچھ دن کی تو بات ہی سعد۔ اگر تائی امی چاہتی ہیں کہ یہ سب شادی کے بعد ہو تو کیا حرج ہے۔"

"میں ان کا مقصد اور خوف بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ انہیں شادی میں بدمزگی کا نہیں... کسی اور بات کا ڈر ہے۔" میری پھیکی مسکراہٹ پہ وہ چونکی۔

"کیسا ڈر؟"

"کچھ نہیں۔" میں ٹال گیا... اب اسے کیا کہتا۔

"تم بس ان پہ سائن کرو... میرا وکیل انہیں سالار تک پہنچا دے گا... اور وہ کون سا تیار بیٹھا ہوگا تمہیں آسانی سے رہا کرنے کے لیے کچھ وقت تو لگے گا' امی کی بات بھی رہ جائے گی۔"

میرے تسلی دینے پہ بھی وہ تذبذب کا شکار ہی نظر آ رہی تھی۔

"ہنی کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں کبھی تمہارے ساتھ کچھ غلط کرسکتا ہوں۔ یا ہونے دے سکتا ہوں؟"

"نہیں۔" "تو بھروسا رکھو یہ تمہاری بہتری کے لیے ہی ہے۔ دل سے ہر طرح کا وسوسہ نکال کر مضبوط بن کے یہ فیصلہ کرو۔"

اس کے سامنے کاغذات رکھ کے میں باہر نکلا تو وہاں خالہ بتول' مہ پارہ پھوپھو اور دوسری مہمان رشتے دار خواتین کے ساتھ یہی معاملہ ڈسکس کر رہی تھیں۔

"عورت کی مضبوطی بس خلع اور طلاق کا فیصلہ لینے تک ہوتی ہے اس کے بعد وہ کچی ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جاتی ہے۔" یہ خالہ بتول کا فلسفیانہ بیان

تھا۔

"لیکن خالہ۔۔۔ اس کا حق تو اللہ نے دیا ہے۔"

"اور اللہ نے ہی اسے ناپسند بھی فرمایا ہے۔" خالہ نے فوراً اعتراض کرنے والی کو گھرکا۔

"اور پھر دنیا میں جو ان گنت جھوٹے خدا ہم نے بنا رکھے ہیں، ان کو نہ بھولو۔۔۔ یہ دنیا کہاں جینے دیتی ہے اکیلی عورت کو۔"

"اکیلی کیوں خدانخواستہ؟" مہ پارہ پھوپھو تیز لہجے میں بولیں۔

"ہم سب ام ہانی کے ساتھ ہیں۔"

"کون سب؟" خالہ نے اسے طنزیہ نظروں سے گھورا۔

"اور کب تک، یہ سعد جو اچھل اچھل کے شور مچا رہا ہے طلاق کا۔۔۔ کل شادی کر کے اپنی آدھی انگریزنی بیوی کے ساتھ ولایت چلا جائے گا۔ تانکلہ کے چہرے پہ میں ابھی سے خوف دیکھ رہی ہوں، چاچا جی دو پل کے مہمان۔۔۔ اور تم۔۔۔ تم کیا ساتھ دو گی؟ تم تو اپنے جوگی بھی نہیں۔ خود کے لیے کہہ سکی کچھ۔" پھوپھو افسردہ ہو کر سر جھکا کے رہ گئیں۔

"مگر پھوپھو۔۔۔ تو کیا وہ بے چاری پھر سے وہاں۔۔۔ یہ تو ظلم ہو گا۔"

"طلاق دلوانا ظلم پہ ظلم ہو گا۔۔۔ ساری عمر اس حویلی میں گھٹ کی رہ جائے گی۔ وہاں سالار کے سدھرنے کی امید تو رہے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کل کو بال بچہ ہونے کے بعد انسان بن جائے۔ یا کم از کم ام ہانی ہی اولاد میں بہل جائے۔۔۔ یہاں کیا رکھا ہے؟ یہاں غیروں کی لڑکی لانے کی روایت تو پڑ ہی گئی۔۔۔ مگر صدیوں بعد ابھی کئی صدیاں اور لگیں گی غیروں کو لڑکی دینے کے لیے۔"

میں ان کی باتیں سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں۔۔۔ یہ بھی ٹھیک ہے خالہ۔۔۔ خاندان میں کہاں کوئی جوڑ ہے ام ہانی کے لیے اور طلاق کے بعد تو بالکل بھی امید نہیں، ہائے۔۔۔ بے چاری۔"

بوجھل قدموں کے ساتھ میں وہاں سے جانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"زیتون۔۔۔ حلیمہ کہاں ہو سب کی سب۔۔۔ بہت کام ہے آج۔۔۔ اور تم سب پتا نہیں کہاں منہ چھپا کے بیٹھی ہو، ہڈ حرام کہیں کی۔" مہ پارہ شور مچاتی پکارتی پھر رہی تھیں۔ سامنے سے آتی تانیہ پہ نظر گئی تو نئی فکر لاحق۔

"ارے۔۔۔ ارے تم کیوں یوں بے مہار گھوم رہی ہو۔ آج مایوں ہے تمہاری۔"

"وہ تو رات کو ہے پھوپھو۔"

"ہاں مگر تمہیں اب یوں کھلے سر اور منہ کے ساتھ یہاں وہاں نہیں پھرنا چاہیے۔ مایوں کی دلہن پردے میں بیٹھتی ہے۔"

"پردے میں؟"

تانیہ نے ہونق سی ہو کے کھڑکیوں سے لٹکتے بھاری پردوں کو دیکھا تو مہ پارہ سر پیٹ کے رہ گئیں۔

"یہ والے پردے نہیں بنو! دوسرا پردہ۔۔۔ مطلب اب کوئی تمہارا چہرہ نہ دیکھے نہ تم کسی کو نظر آؤ جب تک شادی نہیں ہو جاتی۔" اس نئے فرمان پہ وہ اور متوحش ہو گئی۔

"اوہ نو۔۔۔ مجھے تو ڈیڈ سے اتنی ضروری بات کرنی تھی۔ اب کیا ہو گا؟"

"ارے۔۔۔ ان سے تھوڑا ہی ہو گا پردہ۔۔۔ تم اپنے کمرے میں بلوا لو انہیں۔" تبھی اسلم ٹی شرٹ کے ساتھ برمودا پہنے وہاں آ نکلے۔

"تانیہ۔۔۔ میسج کیا تھا تم نے۔۔۔ خیریت۔" ان کا حلیہ دیکھ کے مہ پارہ نے سٹ پٹا کے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

"جی ڈیڈ۔۔۔ ایک بات کرنا تھی۔"

"یہ آپ کو کیا ہوا محترمہ؟" اسلم صاحب بیٹی کے بجائے منہ پھیر کے کھڑی مہ پارہ کی جانب متوجہ تھے۔

"کیا میرے حسن کی تاب نہیں لا سکیں آپ؟"

"آپ حویلی میں ایسے آدھے کپڑوں کے ساتھ نہ گھوما کریں اسلم صاحب۔۔۔ یہاں خواتین بھی ہوتی ہیں۔" انہوں نے ناگواری برملا جتا دی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ مجھے اسلم صاحب نہ کہا

کریں۔ سیم.... اونلی سیم.... اب کہیے پارہ جی۔"

"میرا نام مہپارہ نہیں.... مہ پارہ ہے۔"

"مگر آپ کا پارہ تو ہمیشہ ہائی رہتا ہے اور ویسے بھی مجھے مکمل نام پکارنے کی نہ عادت ہے.... نہ ہی پسند ہے۔"

"اور مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی میرا نام بگاڑے۔" وہ پیر پٹختی چلی گئیں تو اسلم صاحب کو بلاوجہ ہنستے دیکھ کے تانیہ کہنے لگی۔

"کیوں ستاتے ہیں آپ انہیں؟"

"اچھا لگتا ہے۔" وہ سادگی سے کہنے لگے۔

"اور جب یہ محترمہ چڑتی ہیں تو اور بھی اچھا لگتا ہے۔"

"یو نو ڈیڈ (آپ جانتے ہیں نا).... میری اور سعد کی پہلے بالکل بھی دوستی نہیں تھی۔ ہم میں اکثر جھگڑا رہتا تھا اور ہمیشہ میری ہی وجہ سے ہوتا تھا.... میں جان بوجھ کے اسے ستاتی تھی۔ وہ چڑ جاتا تھا.... اور مجھے احساس ہوا کہ اس کا چڑنا مجھے اچھا لگتا ہے۔"

تانیہ کی باتوں سے وہ جھینپ سے گئے اور تانیہ سوچتی اور کچھ کریدتی نظروں سے انہیں دیکھتی مزید کہہ گئی۔

"اور پھر.... سعد بھی اچھا لگنے لگا۔"

اب کے وہ باقاعدہ گھبرا گئے۔

"یہ تھی وہ ضروری بات؟"

"ارے نہیں نہیں.... وہ بھی کرتی ہوں' آئیں تو سہی۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کے اپنے کمرے میں لے جانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے۔"

ام ہانی دروازے کی جانب پشت کیے الماری سے کچھ نکال رہی تھی کہ نائلہ کی سنجیدہ اور سرد آواز پہ پلٹی۔

"جی...."

نائلہ کی نگاہوں میں بھی وہی سرد مہری سنجیدگی تھی

"کیا رضوان اور سعد نے تمہیں بتایا ہے کہ سالار کا جواب کیا ہے؟ وہ تمہیں طلاق دینے پہ آمادہ نہیں ہے۔"

"کسی کے بتائے بغیر بھی میں ان کا جواب جانتی ہوں۔"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اب بھی صلح صفائی چاہتا ہے۔ نہ رشتہ توڑنا چاہتا ہے۔ نہ گھر' عموماً" یہ سوچ عورت کی ہوتی ہے۔ مگر وہ مرد ہو کے ایسا چاہ رہا ہے تو تم عورت ہو کے کیوں گھر توڑنے پہ تلی بیٹھی ہو۔ تمہیں اسے ایک موقع ضرور دینا چاہیے۔"

"ایک اور موقع؟" وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"یعنی ایک بار پھر اس زنداں میں.... اس عقوبت خانے میں جانا.... نہیں تائی امی.... ایک بار قدم باہر نکالنے کے بعد میں پھر سے وہاں گئی تو وہ مجھے مار ہی ڈالیں گے۔ آپ نہیں جانتیں کہ وہ کتنے خطرناک انسان ہیں۔"

"اگر وہ اتنا ہی خطرناک انسان ہے تو تم نے اپنے اور اس کے جھگڑے میں میرے بیٹے کو کیوں ڈالا؟" نائلہ کی آواز غصے سے بلند ہو گئی۔

"خدانا خواستہ اس نے سعد کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو؟ یا پھر خلع کے پیپرز ملتے ہی عین شادی والے دن یہاں آ کے کوئی ہنگامہ کیا تو کتنا تماشا بنے گا۔ دیکھو میں نے اسی لیے یہ معاملہ شادی تک التوا میں ڈالنے کے لیے کہا تھا کہ شادی خیریت سے ہو جائے' سعد تانیہ کو لے کر واپس چلا جائے تو تو میں خود سالار کو یہاں بلا کے فیصلہ کراتی ہوں۔ تمہاری مرضی نہیں ہے۔ گھر بسانے کی تو ٹھیک ہے.... مہ پارہ کی طرح تم بھی بیٹھی رہنا ساری عمر اس حویلی میں.... مگر سعد کی تانیہ سے شادی ہونے تک میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔"

☼ ☼ ☼

"سعد.... سعد۔" اپنی عادت کے عین مطابق وہ ایک ہنگامے کے ساتھ میرے کمرے میں داخل

ہوئی۔
"یار... تم مجھے مرواؤ گی۔" میں اس کے دندناتے ہوئے اندر گھسنے پہ گھبرا اٹھا۔
"تم پھر سے میرے روم میں، نکلو باہر... کم از کم آج کا دن تو احتیاط کرلو... پھوپھو یا امی نے دیکھ لیا تو۔"
"مگر مجھے ابھی اس وقت تم سے ضروری بات کرنا ہے۔"
"کیسی بات؟"
"بیٹھو تو..." میرا ہاتھ تھام کے پلنگ پہ سامنے بٹھاتے ہوئے وہ پورے جوش و خروش سے بتانے لگی۔
"تمہیں یاد ہے سعد... تم نے کیا کہا تھا کہ تمہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اس حویلی کی روایات مردوں کے لیے تو کمزور پڑ گئی ہیں مگر عورتوں کے لیے اب بھی ویسی کی ویسی ہیں۔"
"ہاں..." میں کچھ نہ سمجھا کہ عین مایوں والے دن یہ ذکر کیسا۔
اور میں نے یہ کہا تھا کہ صرف ان کی حالت پہ افسوس کرنے سے کچھ نہیں ہوگا... تمہیں ان کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"
"ہاں... یاد ہے اور تمہاری یہ بات واقعی میرے دل کو لگی تھی۔"
"تو بس اب عملی قدم اٹھانے کا وقت ہے۔"
"مطلب؟"
"ارے یار... میں تمہاری پھوپھو کی شادی اپنے ڈیڈ سے کرانا چاہتی ہوں۔"
"تانیہ..." میں کرنٹ کھا کے اٹھا۔
"میں سیریس ہوں اور اپنی شادی کے ساتھ ساتھ ڈیڈ کی بھی شادی یہاں سے کروا کے ہی جاؤں گی۔"
"گھر والے کیسے مانیں گے۔ یہ کام کیسے ہوگا... یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم بتاؤ تمہارا حوصلہ ہوگا اپنی ماں کی جگہ کسی اور کو دینے کا... تم نے ہوش سنبھالنے سے اب تک اپنے ڈیڈ کو صرف اپنا دیکھا ہے۔ کسی اور کا ہوتے دیکھ سکو گی۔"

"آف کورس... کیوں نہیں، میرا دل اتنا چھوٹا نہیں ہے سعد کہ میں جس سے محبت کروں اسے اپنی مٹھی میں قید کرلوں... محبت خوشی دینے کا نام ہے۔ اپنا کرکے رکھنے کا نام نہیں... اگر ڈیڈ کو مہ پارہ پھوپھو کے ساتھ خوشی ملتی ہے تو میں شیئر کرنا تو دور کی بات... میں پورے کا پورا انہیں کسی اور کو سونپ سکتی ہوں... بہت خوشی سے... میرے نزدیک یہی محبت ہے۔"
اس کی بات نے میرے دل کا بوجھ اور ذہن کی الجھن بہت حد تک دور کردی۔
میں اس کی بات سے اپنی مرضی کے مطلب نکال کر خود کو مطمئن کرنے لگا۔
"اب قائم رہنا اپنی بات پہ کہ تمہارے نزدیک محبت اپنا بنا کے رکھنے کا نام نہیں ہے۔ جس سے محبت کرتے ہیں اس کو خوشی دینے کا نام ہے۔"

☼ ☼ ☼

"آپ کا واپسی کا ٹکٹ۔" سالار نے اماں کے سامنے ٹکٹ رکھتے ہوئے رکھائی سے کہا۔
"تو تم مجھے اس لیے جلد از جلد بھیجنا چاہتے ہو کہ من مانی کرسکو... واہ سالار اعظم اتنا لحاظ کہاں سے آگیا تم میں ماں کے لیے کہ اس کے سامنے درندگی کرنے سے جھجکنے لگے۔" ان کے طنز کا سالار پہ مطلق اثر نہ ہوا۔
"میرے دل میں نہ کسی کے لیے لحاظ ہے نہ محبت... یہ بات آپ جانتی ہیں... میں صرف اس ذہنی اذیت سے بچنا چاہتا ہوں جو آپ کو سامنے پا کے مجھے ہوتی ہے۔ بہتر ہوگا آپ جتنی جلدی ہوسکے اپنی بیٹی کے پاس چلی جائیں۔"
"تاکہ تم زور زبردستی ام ہانی کو یہاں واپس لاسکو اور پھر سے اس کا جینا حرام کرسکو۔"
"ایسا کرنے سے آپ مجھے روک نہیں سکتیں۔ چاہوں تو ابھی اسی وقت... آپ کے ہوتے ہوئے بھی اسے یہاں لاسکتا ہوں۔"
"ایسا نہیں کرسکتے تم... وہ لوگ بھی کوئی گرے

پڑے نہیں ہیں۔ اثر و رسوخ والے ہیں۔ جو ان کی لا علمی میں ہوا، سو ہوا... اب وہ تمہیں اس تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"آپ اپنے اندازے اپنے پاس رکھیں... میں جانتا ہوں ام ہانی کو... وہ بہت کمزور... بہت بزدل ہے اپنے قدموں پہ چل کے مجھ تک واپس آئے گی، مجھے زور زبردستی کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

وہ بڑے زعم سے بولا تھا... اور اماں اس کے ارادوں کی پختگی پہ اندر ہی اندر ہول کے ام ہانی کی سلامتی اور بہتری کی دعا کر کے رہ گئیں کہ اس سے زیادہ کچھ کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی، سالار کے دعوے کے مطابق بزدل تھی یا نہیں... مگر نائلہ اس وقت حقیقتاً "بہت بزدل ثابت ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے اندر کے خوف اور وسوسوں کو پچھاڑ نہیں پا رہی تھیں۔ بلکہ انہوں نے اس کے آگے ہتھیار ڈال کے خود کو بالکل پسپا کر دیا تھا اور اب یہ وسوسے، یہ اندیشے... یہ وہم، یہ شک سب ان کے سر پہ چڑھ کے راج کر رہے تھے۔

مایوں کی رسم کے دوران بھی وہ شکی نظروں سے کبھی ام ہانی کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتیں۔ کبھی سعد کی اس پہ منڈلاتی نظروں کو... انہیں ام ہانی کی افسردگی ایک ڈرامہ ایک جال محسوس ہو رہی تھی۔ جس میں ان کا نادان بیٹا پھنستا چلا جا رہا تھا۔

سعد کے چہرے کا تناؤ انہیں کسی آنے والے خطرے کی علامت محسوس ہونے لگا... اور پھر جب ام ہانی سعد کی مسلسل کچھ کہتی نظروں سے گھبرا کے ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے جھرمٹ سے اٹھ کے اندر جانے لگی تو اس میں بھی نائلہ کو کوئی چال محسوس ہوئی... اور جو انہوں نے سعد کو بھی کچھ ہی دیر بعد ام ہانی کے پیچھے جاتا دیکھا تو رہ نہ سکیں۔

☆ ☆ ☆
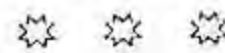
ام ہانی کے چہرے پہ کچھ تھا جو مجھے چین نہیں لینے دے رہا تھا... ایک دبا دبا سا خوف۔

ایک سراسیمگی... ایک الجھن...

بے دھیانی کے عالم میں وہ وہاں موجود ہو کے بھی موجود نہ لگ رہی تھی... خالی خالی نظریں... جامد تاثرات... اور پھر وہ اچانک ڈھولک بجاتی لڑکیوں میں سے اٹھ کے... مایوں کی اس تقریب کو چھوڑ کے اندر جانے لگی۔

چند لمحے بمشکل ہی میں خود کو روک پایا اور پھر میرا رخ بھی اسی جانب تھا۔

"سعد... تم رسم چھوڑ کے کہاں جا رہے ہو؟" امی گویا میری تاک میں تھیں فوراً" ہی میرے پیچھے...

"میں ذرا ہنی کو دیکھنے جا رہا تھا... پتا نہیں کہاں چلی گئی۔"

"وہ کہیں بھی ہو... تمہیں اس وقت یہاں ہونا چاہیے۔ تانیہ کے پاس۔" ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

"میں وہیں جا رہا تھا... بس ذرا پہلے ہنی کو..."

"نہیں... پہلے ہانی نہیں سعد... پہلے تانیہ۔" میں چپ رہ گیا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہیے سعد کہ تمہاری زندگی میں پہلا مقام کس کا ہے۔" وہ مجھے وارننگ دیتی نظروں سے گھور کے چلی گئیں... میں نے بے بسی سے ہانی کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور اپنے قدم موڑ لیے۔

رسم اب بھی تمام تر ہنگامے کے ساتھ جاری تھی... مگر میرا دل بجھا ہوا تھا... کبھی جو تانیہ مسکرا کے میری جانب دیکھ لیتی تھی... تو میں اس کی مسکراہٹ کا جواب تک نہ دے پاتا تھا۔

ہنگامے سرد ہوئے... مگر میرے اندر کی آگ سرد نہ ہوئی تھی۔ اکیلے ہی ٹیرس میں سرد ہواؤں کی زد میں ٹہلتے ہوئے میں اس ٹینشن کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب ہنی چلی آئی۔

"اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہے ہو، وہ بھی اتنی رات کو؟" میں نے مڑ کے اسے دیکھا۔

"اگر کہوں۔۔۔ تمہارا انتظار۔۔۔ تو؟"

"یوں کیوں نہیں کہتے کہ تانیہ کا انتظار کر رہے ہو۔" اس نے شوخ ہونا چاہا۔۔۔ اگرچہ اس کی اداس آنکھیں اس شرارت کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

"شاید میں غلط وقت پہ آگئی۔۔۔ ہے ناں؟"

"نہیں ہنی۔۔۔ تانیہ غلط وقت پہ آگئی۔" میں نے بغور اسے دیکھا۔

"میری زندگی میں۔۔۔"

"سعد۔۔۔" وہ گھبرا اٹھی۔

"ہنی۔۔۔ میں نے سنا تھا مائیں اولاد کے دل کا حال جان لیتی ہیں۔۔۔ بنا کہے' آج دیکھ بھی لیا۔ سالوں پہلے بھی انہوں نے میرے دل میں چھپی تمہاری محبت کو اس وقت محسوس کر لیا تھا۔ جب تم بھی نہیں جانتی تھی۔۔۔ اور آج بھی انہیں علم ہو گیا۔۔۔ جبکہ ابھی تک تو میں بھی یہ محسوس نہیں کر پایا تھا۔"

وہ اس قدر سراسیمہ ہوئی کہ مجھے ٹوک بھی نہ سکی ۔بس پلٹ کے جانے لگی۔

میں نے اس کے سامنے آکے راستہ روک لیا۔

"ہاں ہنی۔۔۔ ان کا ڈر ٹھیک ہے۔۔۔ میں آج بھی وہیں کھڑا ہوں۔۔۔ آج بھی میرے دل میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔"

"تم جہاں بھی کھڑے ہو سعد اکیلے نہیں کھڑے۔ تانیہ تمہارے ساتھ کھڑی ہے مت کرو ایسی باتیں پرسوں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ اس کے ساتھ۔"

"ہونے والی ہے۔۔۔ ہوئی تو نہیں۔" چند لمحے وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ پھر بولی تو اس کے لہجے میں سختی تھی۔

"لیکن میری تو ہو چکی ہے میں آج بھی سالار کی بیوی ہوں۔"

"مگر رہو گی نہیں۔" میرے پاس بھی اس کی ہر بات کا جواب تھا۔

"تم ایک سائن کر دو تو خلع کا نوٹس اسے کل تک مل جائے گا۔ اس شخص نے تمہاری زندگی کے قیمتی سال برباد کیے ہیں مگر میں اب تین دن بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا تم کسی کی مت سننا ہنی۔۔۔ سب تمہیں ڈرائیں گے کہ طلاق کے بعد تمہارا کیا ہو گا مگر تم ان باتوں پہ دھیان مت دینا۔۔۔ میں ہوں ناں ہنی۔"

"اور تانیہ۔۔۔ وہ بھی تو ہے ناں۔۔۔ اس کے بارے میں کیا سوچا تم نے؟"

"وہ سمجھ دار ہے سمجھ جائے گی۔"

"اور تم سمجھ دار کب ہو گے سعد۔" وہ زچ ہو اٹھی۔

"تم کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ تمہاری ایسی باتوں سے میری پریشانی بجائے کم ہونے کے اور زیادہ ہو رہی ہے۔ مجھے اپنے مستقبل کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اب یہ فکر ہے کہ تمہارے یہ خیالات اگر تانیہ نے جان لیے تو میں اس کا سامنا بھی کیسے کروں گی۔"

"میں جانتا ہوں تانیہ کو۔۔۔ وہ بہت حساس' محبت کرنے والی اور محبت میں سب کچھ دینے کا حوصلہ رکھنے والی لڑکی ہے وہ بہت اچھی ہے ہنی۔"

"اتنی ہی اچھی ہے تو کیوں گنوا رہے ہو اسے۔"

"اور تم جو مجھے گنوا دو گی۔۔۔ وہ؟" میرے بے ساختہ سوال پہ اس کا جواب بھی اتنا ہی بے ساختہ تھا۔

"تم مجھے ملے ہی کب تھے سعد۔۔۔ جو پایا نہ ہو۔۔۔ اسے کھونے کا ڈر کیسا؟"

شاید اسے بھی احساس نہ ہوا کہ سادگی میں کہی بات سے وہ اپنے دل کے کتنے راز کھول گئی تھی۔۔۔ وہ تو اتنا کہہ کر چلی گئی۔۔۔ میں اس کے حزن میں ڈوبے لہجے اور نم آنکھوں سے افشا ہو جانے والے راز پہ سکتے میں چلا گیا تھا اور جب سکتہ ٹوٹا تو میرا وجود بے حد ہلکا پھلکا تھا۔

"ہانی۔۔۔ تم بہت کچھ چھپا کے بھی سب بتا گئی ہو۔۔۔ میں سب جان گیا ہوں ہنی۔۔۔ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔۔۔ اب میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ تمہاری ناں کو ہاں میں بدل کے رہوں گا۔"

ایک نئے عزم کے ساتھ میری محبت جوان ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی' امی دروازہ کھولیں۔" سخت ہیجان کے عالم

میں میں امی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا تا جارہا تھا... مجھ سے صبح کا انتظار نہیں ہو پا رہا تھا۔

"سعد..." ان کی نیند سے بوجھل آنکھیں دروازہ کھولتے ہی حیرت سے بھر گئیں۔

"رات کے پونے تین بجے؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

"امی... میں میں -" میری سانس پھول رہی تھی۔

"جلدی بتاؤ سعد... کیا ہوا ہے' مجھے ہول اٹھ رہے ہیں۔"

"ہوا کچھ نہیں ہے امی... مگر ہو جائے گا۔ یہ ہونے سے روک دیں۔ پلیز امی... روک دیں۔"

"سعد... صاف صاف بات کرو۔"

"یہ... یہ شادی امی یہ شادی ہونے سے روک دیں۔" بالآخر میں نے کہہ ہی دیا۔

وہ حیران تو ہوئیں۔ مگر شاک میں نہیں تھیں شاید ذہنی طور پہ میری اس فرمائش کے لیے تیار تھیں۔

"پلیز امی... میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا... مگر بعد میں' ابھی وقت بہت کم ہے آپ بس کچھ بھی کر کے یہ شادی رکوا دیں۔"

"تم مجھے کیا بتاؤ گے سعد... میں سب جانتی ہوں اور یاد رکھو یہ کرنا تو در کنار... میں ایسا ہونے بھی نہیں دوں گی۔"

"امی... پلیز میری ذہنی حالت ایسی نہیں ہے کہ میں ابھی اس رشتے میں بندھ سکوں؟"

"اور اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہ رشتہ نہ جڑا تو تمہاری ذہنی حالت ہمیشہ ایسی رہے گی۔ سعد... تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ مجھے لگا تھا اب تم میچور ہو گئے ہو... لڑکپن کی حماقتوں سے آگے نکل آئے ہو... اور تانیہ سے مل کے مجھے واقعی تمہارے باشعور اور سمجھ دار ہونے کا یقین آگیا کہ کتنی اچھی اور محبت کرنے والی مخلص لڑکی کا انتخاب کیا ہے تم نے... لیکن اب لگ رہا ہے کہ تمہارے اندر کا بچہ ابھی ویسا کا ویسا ہی ہے... نہیں سعد ایسا سوچنا بھی مت۔"

"امی... میں تانیہ سے نہیں میں ہنی سے۔"

"بس سعد۔"

انہوں نے بری طرح جھڑک کر رکھ دیا مجھے اور میں واقعی گنگ ہو گیا۔ ایسا لگا اب کچھ کہا تو وہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔

"خاموشی سے واپس چلے جاؤ... تمہاری شادی میں دن نہیں گھنٹے باقی رہ گئے ہیں کیوں خود کو' تانیہ کو اور ہم سب کو ساری دنیا کی نظروں میں رسوا کرنا چاہتے ہو۔ خدا کا واسطہ ہے سعد... رحم کرو ہم سب پہ نکلو اس بچپنے سے۔"

انہوں نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور میں بے بسی سے گردن جھکائے واپس ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

تانیہ جتنی خوش شادی کی ان رسموں کے خیال سے ہی ہو رہی تھی۔ اب رات سے عجیب بے دلی کے عالم میں تھی۔ بلی اس کا مہندی کا لہنگا اسے دکھا رہی تھی۔

"دیکھیں ناں... رات کے فنکشن کا لہنگا کتنا خوب صورت ہے آپ کا... گہرا سبز رنگ بھی آپ پہ اتنا ہی جچے گا جتنا مایوں کا یہ زرد رنگ اٹھ رہا ہے۔"

"ہوں۔" بے دھیانی میں وہ فقط اتنا بولی۔

"ہائے اللہ... آج شام کو آپ کی مہندی اور کل شادی' سوچ سوچ کے آپ کو کچھ ہو رہا ہے ناں؟" بلی آنکھیں مٹکاتی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ مگر تانیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"پتا نہیں۔"

"اب مجھ سے تو نہ چھپائیں اپنے دل کا حال کچھ کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ ہو رہا ہو گا۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں بلی۔" وہ بے بسی سے کہنے لگی۔

"مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا... دل' دماغ سب کچھ جیسے سن ہو گیا ہو۔"

"ہوتا ہے... ہوتا ہے۔" بلی تسلی دینے لگی۔

"بہت زیادہ خوشی میں انسان کی سوچنے سمجھنے کی

سب صلاحیتیں کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔"
"کیا محسوس ہونا بھی ختم ہو جاتا ہے۔" ثانیہ کے اس سوال کا جواب ابھی بیلی ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ پھر سے اسی بے بسی سے کہنے لگی۔
"پتا نہیں... کیا بات ہے... مگر کچھ ہے... ایک خالی پن سا... ایک... ایک عجیب سا کچھ... خوشی کوشش کرنے سے بھی محسوس نہیں ہو رہی جبکہ کوئی دکھ بھی نہیں ہے۔" ثانیہ کی ایسی باتوں سے بیلی گھبرا اٹھی۔
"توبہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، کچھ اچھا کہیں ناں... اچھا رکیں... میں آپ کو مہندی کی ڈیزائن دکھاتی ہوں۔ آپ پسند کریں کون سا لگوانا ہے۔"
"نہیں... مہندی میں صرف ہانی سے ہی لگواؤں گی... میں نے وعدہ لیا تھا ان سے مگر وہ ہیں کہاں؟"

☼ ☼ ☼

"ہاجرہ... مہندی کے تھال کہاں ہیں؟ ابٹن بنوائی؟" نائلہ ملازماؤں کو پکار رہی تھیں۔
"ہاجرہ۔"
"مجھے بتایئے تائی امی... کوئی کام ہے تو میں کر دیتی ہوں۔" ام ہانی بڑھ کے بولی۔ مگر جواباً نائلہ نے اسے اتنی سرد نظروں سے گھورا کہ اس کے قدم وہیں جم گئے۔
"تم کچھ کرنا ہی چاہتی ہو تو یہ کرو کہ جو کر رہی ہو وہ نہ کرو۔"
"جی؟" ہانی خاک نہ سمجھی۔
"کچھ تو خیال کرو ام ہانی۔" آخر کار نائلہ کو سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے صاف صاف کہنا پڑا۔
"کسی بات کا تو احساس کر لو... اتنا ہی سوچ لو کہ ثانیہ کا کیا قصور ہے... یہی احساس کر لو کہ ہم نے کتنے پیار سے تمہاری پرورش کی ہے... ارے ہمارا نہیں تو اپنا سوچ لو کہ تمہاری اس حرکت کے بعد دنیا تمہیں کیا کہے گی... ارے یہی شرم کر لو کہ شادی شدہ، عورت ہو تم کسی کی عزت...

خدا کا خوف کرو ام ہانی... کسی کی بیوی ہو کے... کسی اور کے ہونے والے شوہر سے..."
اس سے زیادہ سننے کی اس میں تاب نہ تھی... وہ بھاگتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی اور اپنے کمرے میں آ کے ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔
سالار کے دیے زخم تو بدن پہ نشان چھوڑتے تھے... نائلہ کی کہی باتوں نے اس کی روح تک کو گھائل کر دیا تھا۔
"سعد... تم نے مجھے تائی امی کی نظروں میں کتنا ہلکا کر دیا۔" اور یہ سوچ کے تو وہ لرز ہی اٹھی... کہ خدا جانے اب یہ زہریلی باتیں اسے اور کس کس سے سننے کو ملیں گی۔
سیل فون کی گھنٹی پہ بنا نام دیکھے اس نے کان سے لگایا... گمان تھا کہ سعد ہو گا اور وہ اس سے خوب گلے کرے گی کہ کیوں اس کی پہلے سے منتشر زندگی کو مزید ہیجان خیز بنا رہا ہے۔
"ہانی تم رو رہی ہو؟" سالار کی آواز پہ وہ چونکی۔
وہ چپ تھی مگر شاید اس کی کسی سسکی نے راز کھول دیا تھا۔ سہم کے اس نے فون کان سے ہٹا کے دیکھا... اس پہ سالار کا نمبر جگمگا رہا تھا۔
"ام ہانی یہ تمہارے رونے کی آواز ہے؟" اپنی سسکیاں دبانے کے لیے ہانی نے سختی سے ہونٹوں پہ اپنی ہتھیلی جما دی۔
"ترس گیا تھا میں یہ سسکیاں سننے کے لیے۔ مر رہا ہوں میں تمہارے آنسو دیکھنے کے لیے تمہیں بھی رونا تب یاد آیا جب میں تمہارے پاس نہیں... سنو ام ہانی، یہ آنسو مجھ سے دور ہونے کے غم کے ہیں تم نہیں سمجھ رہی نادان ہو میں آجاؤں تمہیں لینے؟ دیکھو یہ آنسو صرف میرے سامنے بہاؤ ان پہ فقط میرا حق ہے۔"
وہ نجانے کیا کہتا جا رہا تھا... ہانی نے گھبرا کے فون بند کر دیا۔ گھنٹی پھر بجنے لگی۔ سراسیمہ ہو کے اس نے فون تکیے کے نیچے چھپا دیا۔ اور پھر کچھ سوچنے لگی۔
اسے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

آر۔۔۔یا۔۔۔پار۔۔۔وقت کم تھا۔
آخر وہ اٹھی اور کمرے سے نکلنے لگی۔

✻ ✻ ✻

میں تقریباً" بھاگتے ہوئے کھنڈر کے عقبی حصے میں پہنچا تھا وہ ہاتھ میں کچھ کاغذات لیے وہیں میری منتظر تھی۔

"ہنی۔۔۔" میرے پکارنے پہ وہ مڑی اور ہاتھ میں تھامے کاغذات میری جانب بڑھا دیے۔۔۔ میں مسکرا اٹھا۔۔۔ مگر جیسے ہی کاغذات الٹ پلٹ کے دیکھے۔ حیران رہ گیا۔

"تم نے ابھی تک ان پہ سائن نہیں کیے۔"

"ہاں۔۔۔ اور کروں گی بھی نہیں۔"

"مگر کیوں؟ کل تو تم مان گئی تھی۔"

"وہ کل تھا۔۔۔ یہ آج ہے۔۔۔ آج مجھے لگتا ہے یہ فیصلہ کرنے میں مجھے جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔"

میں سمجھ گیا۔۔۔ امی کا دباؤ ہو گا اس پہ۔۔۔

"تمہیں واقعی لگتا ہے یا یہ فیصلہ کرانے میں تمہیں مجبور کیا گیا ہے بولو ہنی! تم کیوں نہیں یہ رشتہ توڑنا چاہتی جس نے تمہیں اذیت کے سوا کچھ نہیں دیا کیا امی نے تم سے کچھ کہا؟"

"وہ کیوں کہیں گی مجھ سے کچھ؟"

"کیونکہ ان کو ڈر ہے کہ۔۔۔" میں کہتے کہتے رک گیا۔۔۔

"تو کیا ان کا یہ ڈر غلط ہے؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"ہنی تم مت سنو کسی کی۔۔۔ صرف اپنے بارے میں سوچو۔۔۔ یہ سوچو کہ زندگی، خوشیوں اور محبت پہ تمہارا بھی حق ہے۔۔۔ امی اور باقی سب کو تمہارے مستقبل کی فکر ہے۔۔۔ انہیں خدشہ ہے کہ تمہارا کیا ہو گا تو ان کی یہ فکر میں دور کروں گا۔ میں انہیں یقین دلاؤں گا کہ سالار سے الگ ہونے کے بعد بھی تم بے سہارا نہیں ہو گی۔ تمہارا آنے والا کل محفوظ ہو گا میرے ساتھ۔"

"بس کرو سعد۔۔۔ خدا کے لیے۔" وہ چلا اٹھی۔

"چپ ہو جاؤ۔۔۔ مجھے لگا تھا تم بڑے ہو گئے ہو سمجھ دار ہو گئے ہو۔۔۔ مگر تم تو اب بھی وہی ہو۔۔۔ اتنے ہی ضدی اتنے ہی ناسمجھ آج بھی تم کھیلنے کے لیے چاند مانگ رہے ہو۔"

"ہاں۔۔۔ میں چاند مانگ رہا ہوں۔۔۔ مگر کھیلنے کے لیے نہیں اپنی زندگی میں اجالے بھرنے کے لیے۔"

"مانگے کے چاند سے اجالے نہیں بھرے جاتے سعد۔۔۔ چاند تو خود کسی سے مانگی روشنی پہ جی رہا ہے۔ تانیہ ہے ناں۔۔۔ تمہاری زندگی کا روشن ستارہ۔۔۔ وہ کافی ہے تمہاری زندگی میں اجالے بھرنے کے لیے۔"

✻ ✻ ✻

تانیہ کے ہاتھوں میں سبز رنگ کا وہ کامدار لہنگا تھا جو اسے تیار ہونے کے لیے دیا گیا تھا۔۔۔ مہندی کی تقریب کے لیے۔۔۔ مگر وہ کسی خیال میں کھوئی پریشان سی لگ رہی تھی۔

کوئی ڈور تو تھی۔۔۔ جو الجھ گئی تھی۔۔۔ مگر سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"شاید سعد سے شیئر کرنے سے اس بے چینی کا کوئی حل نکل سکے۔" یہ خیال آتے ہی وہ لہنگے کو گود سے بیڈ پہ رکھتے ہوئے اٹھ کے کمرے سے جانے لگی۔

"سنو زیتون۔۔۔ سعد اپنے کمرے میں ہے؟"

"جی ان کو پیچھے کھنڈر والی طرف جاتے دیکھا تھا۔"

✻ ✻ ✻

"کبھی سوچا تم نے اس بارے میں سعد۔۔۔ تانیہ کے بارے میں؟" وہ مسلسل مجھ سے جرح کر رہی تھی۔

"میں تمہارے بارے میں کیوں نہ سوچوں۔۔۔ جس پہ آکے میری سوچ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔"

"نہیں سعد۔۔۔ میرے بارے میں نہیں۔۔۔ تانیہ کے بارے میں سوچو کیونکہ تم میرے بارے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہو۔ مگر تانیہ کے معاملے میں ہو۔"

اور اسے کیا مجھے بھی پتا نہ چلا کب تانیہ وہاں پہنچ چکے

سے آکے ہماری سب بحث سن رہی تھی۔

"کیا بتاؤ گے تم سب کو کہ جس لڑکی کو تم خود حویلی لائے تھے شادی کے لیے.... اب صرف ایک دن پہلے پیچھے ہٹ رہے ہو اور وہ بھی میری خاطر؟ ایک شادی شدہ عورت کے لیے جو تم سے عمر میں بڑی بھی ہے۔"

"میں عمر کے اس فرق کو نہیں مانتا.... میں تم سے چار پانچ سال چھوٹا ہوں مگر سالار تم سے تیرہ چودہ سال بڑا تھا.... اس سے بھی تو کی تھی تم نے شادی.... اور ویسے بھی عمر کے فرق کی حیثیت کیا ہے۔ تم تین سال پہلے جیسی تھیں۔ ویسی اب بھی ہو لیکن مجھے دیکھو میں بڑا ہو گیا ہوں.... اب میں بڑا لگتا ہوں تم سے۔"

"ہاں اور اب ویسا ہی لگنے کی باری تمہاری ہے سعد.... عمر اب تم پہ رک جائے گی.... میں بڑی ہوتی چلی جاؤں گی.... یہاں تک کہ تم پچھتاؤ گے۔ تنگ آجاؤ گے زمانے کی باتیں سنتے سنتے' نکال دو سعد یہ خیال دل سے.... چھوڑ دو مجھ سے محبت کرنا۔"

اس کی بچکانہ سی فرمائش پہ میں بے بسی سے ہنس پڑا۔ ایک تکلیف دہ ہنسی۔

بھلا مانگا بھی تو کیا مانگا مجھ سے....

محبت کرنا چھوڑ دوں اس سے؟

"کیسے چھوڑ دوں ہنی.... محبت کوئی خواب ہوتی تو دیکھنا چھوڑ دیتا.... خواہش ہوتی تو کرنا چھوڑ دیتا.... سانس ہو تم میری سانس لینا کیسے چھوڑ دوں.... تمہیں نہیں لوں گا تو حرام مت مروں گا ہنی...."

"اور میری سانس....؟" وہ رو دی۔

"میری سانس رکنے لگتی ہے تمہارے اس پیار سے۔ دم گھٹتا ہے میرا.... تم سمجھتے کیوں نہیں ہو سعد میں تمہاری شرٹ سے میچ کرتی ٹائی نہیں ہوں جسے تمہیں ہر حال میں اپنے گلے میں لٹکانا ہے.... میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑی اور میں نے اس کے پیروں میں اپنے الفاظ کی زنجیر پہنا دی۔

"تو مجھے بھی جیتا جاگتا کر دو ناں.... میری بن جاؤ۔"

اس نے مڑ کے مجھے دیکھا۔ نہ جانے میرے الفاظ میں اتنا اثر تھا یا میرے لہجے میں اتنا درد.... یا پھر میری آنکھوں کا وہ حسرت کہ مجھے ہنی کی آنکھیں نم ہوتی محسوس ہوئیں۔

اور اس پل میں بھی ذرا مڑ کے ستون کے ساتھ کھڑی تانیہ کو دیکھ لیتا۔ تو جان پاتا کہ میری کرلاتی محبت کی بے بسی صرف ہنی کو نہیں تانیہ کو بھی رلا رہی تھی۔

"محبت صرف پالینے یا اس کا ہو جانے کا نام نہیں ہے سعد.... یہ تو پارس ہے۔ جسے چھو جائے اسے سونا بنا دیتی ہے۔ تم سونا بن چکے ہو بس اگر اب مجھے پانے کی خواہش دل سے نکال دو گے تو کندن بھی بن جاؤ گے۔"

"مجھے نہ سونا بننا ہے نہ کندن.... مجھے بس تمہارا بننا ہے اور یہ کم بخت پارس کس کے ہاتھ لگا ہے کیا؟" میں نے اس کا فلسفہ جھٹلا دیا۔

"سعد.... میں جانتی ہوں.... یہ ہمدردی نہیں ہے۔ یہ محبت ہے میں یہ بھی مان گئی ہوں کہ وہ جو تین سال پہلے ہوا تھا وہ بھی تمہارا جنون یا نا سمجھی نہیں تھی۔ لیکن یہ جذبے آب حیات کی طرح ہوتے ہیں انہیں بہا کے ضائع نہیں کرتے اپنے اندر اتار لیتے ہیں۔ امر ہو جانے کے لیے۔"

"میرا سوال اب بھی وہی ہے ہنی.... پارس کی طرح کیا آب حیات بھی ملا ہے کسی کو اب تک؟ جن چیزوں کا وجود ہی نہیں ہے مجھے ان سے مت بہلاؤ مجھے نہیں بننا سونا.... نہیں ہونا امر' مجھے تم چاہیے ہو.... کیونکہ تمہارا وجود ہے.... تمہیں پایا جا سکتا ہے اور میں ایک دن تمہیں پا کے رہوں گا۔"

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی۔ پھر جیسے مجھے مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا گئی۔

"میں تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے گلے میں بدنامی کا طوق نہیں ڈال سکتی.... نہ تانیہ کی بد دعائیں لے سکتی ہوں۔ میرا جواب کل بھی نہ تھا.... آج بھی نہ ہے۔"

"میں دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا.... اور پلٹ کے جاتے ہوئے بھی تانیہ کو دیکھ نہ پایا۔

کمرے میں علی میرا مہندی کا کرتا ہینگر سے اتارتے ہوئے مجھے کہہ رہا تھا۔

"یہ دیکھ... آگیا تیرا رات پہننے والا کرتا... بڑا آفت لگے گا تو اس کرتے میں... کل تجھے دلہا بھی میں بناؤں گا۔"

"تم نہیں... میری قسمت بنائے گی۔" میں تھکے ہارے انداز میں خود کو بیڈ پر گرا بیٹھا۔

"وہ قسمت جو کبھی میری بنی ہی نہیں۔"

"سعد... یہ تم۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا... کیونکہ میں جیب میں بجتے فون کو نکال کے دیکھ رہا تھا تانیہ کا میسج تھا... میں گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"بھابھی کا ہے؟" اس نے چھیڑا۔

"دیکھ لے بھابھی نے کوئی محبت بھرا پیغام بھیجا ہو گا۔"

"اس کے محبت بھرے پیغاموں سے ہی تو ڈرتا ہوں میں۔"

میں نے فون پہ میسج پڑھنا چاہا اور کچھ حیرت میں پڑ گیا۔ اب بھلا اس وقت ملنے کی کیا تک ہو سکتی ہے؟ اور کون سی ضروری بات کرنا ہو گا اسے... ابھی اور اسی وقت؟"

میں سوچنے لگا کہ جاؤں ملنے... یا نہ جاؤں۔

☼ ☼ ☼

اور ادھر ام ہانی کانپتے ہاتھوں سے تکیے کے نیچے رکھا موبائل فون نکالنے کے بعد نمبر ملا رہی تھی۔

"سالار... میں... میں..." اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"میں واپس آنا چاہتی ہوں آپ کل ہی مجھے لینے آ سکتے ہیں پلیز۔"

☼ ☼ ☼

وہ وہاں کھڑی تھی۔

کھنڈر کی اس دیوار کے پاس... جس پہ جا بجا میرا اور ہنی کا نام لکھا تھا۔

میں پہلے ہی حیران تھا... مہندی کی رسم سے صرف ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اس نے مجھے ملنے کے لیے یہاں کیوں بلایا؟ اور اب مزید حیران ہو رہا تھا۔

جینز پہ ہلکی آسمانی کرتی پہنے وہ اپنے مہندی کے کامدار لہنگے کا بھاری بڑا سا دوپٹا سر پہ لیے دیوار کی جانب رخ کیے کھڑی تھی۔

"کیوں بلایا ہے مجھے تانیہ؟"

"جو مجھے کہنا ہے وہ بات اس جگہ کے علاوہ کہیں ہو ہی نہیں سکتی سعد۔" اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا کہ میں ٹھٹک گیا۔

کچھ تو تھا... غیر معمولی۔ یا ہو چکا... یا ہونے والا تھا۔

پھر وہ نظر اٹھا کے آسمان کی جانب دیکھنے لگی... اس کی نظروں کے تعاقب میں میں بھی آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" ٹوٹتے تارے یوں نظر نہیں آتے۔

"ہاں... وہ آسمان پہ ٹھہرتے ہی کب ہیں... بس چند لمحوں کے لیے نظر آتے ہیں... کتنی مختصر زندگی ہوتی ہے ان کی... خوابوں کی طرح پلک موندنے سے پلک کھولنے تک... مگر سعد اگر خوابوں کی زندگی اتنی ہی کم ہوتی ہے تو ہم ان میں اپنی پوری زندگی کیسے جی لیتے ہیں۔"

اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا میرے پاس... اس لیے فقط اتنا کہہ پایا۔

"اچھی لگ رہی ہو اس دوپٹے میں۔"

"تم بھی اچھے لگ رہے ہو..."

اس نے مسکرا کے مجھے دیکھا... علی کے پرزور اصرار پہ میں نکلتے ہوئے اپنا مہندی کا کرتا پہن آیا تھا... ورنہ وہ کسی صورت میری جان بخشی پہ تیار نہیں تھا۔

"اور بھی اچھے لگتے اگر..." وہ میرے قریب آئی اور میرے کرتے کے گریبان کا اوپری بٹن بند کرتے کہنے لگی۔

"اگر... خوش ہوتے۔"

"میں خوش ہوں۔" میں جانتا تھا... میرا لہجہ کھوکھلا... بلکہ مردہ ہے اس لیے میں نے اپنی مسکراہٹ سے اس میں روح پھونکنے کی ناکام کوشش کی... کیونکہ میری یہ مسکراہٹ میرے لہجے سے بھی زیادہ مری ہوئی تھی۔

"مگر میں خوش نہیں ہوں سعد۔"

"کیوں؟" میں چونکا۔

"ہانی کی وجہ سے... تم بھی تو اس کی وجہ سے خوش نہیں ہو۔"

میں کچھ گڑبڑا سا گیا... کتنا زعم تھا مجھے کہ... سب بتادوں گا میں تانیہ کو طے کرلوں گا یہ مرحلہ... مگر اب یہ مرحلہ آیا تو میں سر سے پیر تک جھنجھنا اٹھا۔

"غلط کیا ہے اس میں خوش ہونا ہی نہیں چاہیے... وہ دوست ہے تمہاری... اسے اس حال میں چھوڑ کے تم آگے کیسے بڑھ سکتے ہو؟"

"ہاں... مگر کوئی میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہا... ہنی بھی نہیں... کوئی ساتھ نہیں دے رہا میرا تانیہ۔"

"لیکن میں تمہارے ساتھ ہوں سعد۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ ہوں تانیہ... لیکن۔"

میں کہتے کہتے جھجک کر رکا اور وہ زور سے ہنس دی۔ بڑی ہی تلخ ہنسی تھی۔

"بات ہم دونوں نے ایک کی ہے... مگر لفظوں کی ترتیب مار دیتی ہے اور یہ "لیکن" یہ "لیکن" تو واقعی مار دیتا ہے۔"

"اور "شاید" بھی... یہ دونوں لفظ نہیں ہونے چاہیے تھے۔" میں نے آہ بھری۔

"مگر یہ ہیں سعد... کیا کریں۔ محبت کا کلمہ شروع "شاید" سے ہوتا ہے اور ختم "لیکن" پہ ہوتا ہے... تم سچ کہتے تھے سعد... مجھے تم سے محبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔" اس کی آنکھوں میں کہتے کہتے آنسو آگئے۔

"سعد... یہ... یہ بہت ظالم چیز ہے... بہت ظالم... یہ محبت خبیث کچھ کھا کے مر کیوں نہیں جاتی۔" لبوں پہ مسکراہٹ... آنکھوں میں نمی...

میں خاموشی سے اسے دیکھتا گیا اور جان گیا کہ اب مجھے اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں اور پھر فضا میں بانسری کی آواز گونجی۔ تانیہ نے میرے نزدیک ہوکے سرگوشی کی۔

"سنو... آج مجھے بھی یہ بانسری سنائی دے رہی ہے اور میں جان گئی ہوں کہ یہ بانسری کیا کہتی ہے۔ میں سب جان گئی ہوں سعد۔"

"تمہیں یہ سب نہیں جاننا چاہیے تھا تانیہ۔" میں نے اس کا سرد ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"تمہیں یہ بانسری نہیں سنائی دینی چاہیے تھی... میں تمہیں یہ تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"خود کو دینا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

"اور ہانی؟ اسے دے سکتے ہو تکلیف؟"

"نہیں۔" میں بے بسی اور لاچاری کی آخری انتہا پہ تھا۔

"نہ تمہیں... نہ اسے... کسی کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا مگر دے رہا ہوں... کیا کروں... میں بے بس ہوں۔"

"نہیں ہو سعد... تم بے بس نہیں ہو... تم کر سکتے ہو سب کچھ کر سکتے ہو... بس ہمت کی ضرورت ہے۔ یقین کرو... مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہوگا۔ ہانی سچ کہتی ہے... محبت پانے کا نہیں 'دل میں اتارنے کا نام ہے' میں نے تمہیں دل میں اتار لیا ہے اور اس حقیقت کو بھی... کہ تم کل بھی اسے چاہتے تھے۔ آج بھی... جاؤ سعد... میرا مت سوچو۔"

"وہ نہیں مانے گی... کوئی بھی نہیں مانے گا... سب تمہارے جیسے اچھے نہیں ہوتے تانیہ۔"

"خدا مانے گا۔ وہ سب سے اچھا ہے... جاؤ... جو کر سکتے ہو... کرو... نہ کر سکو تو اللہ پہ چھوڑ دو... وہ کرے گا۔"

☼ ☼ ☼

اماں سالار کو دیکھتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش

کررہی تھیں کہ وہ آخری بار اتنا خوش کب نظر آیا تھا' مگر انہیں یاد ہی نہیں آرہا تھا۔ کتنا اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا وہ اس قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے۔ یہ سرشار سی مسکراہٹ اس کے چہرے پہ کتنی اوپری اوپری لگ رہی تھی۔

"وہ واپس آنا چاہتی ہے۔ اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ میرے بغیر نہیں جی سکتی۔ اس نے خود مجھے بتایا ہے۔"

"یوں نہ کہو کہ وہ واپس آنا چاہتی ہے۔ یوں کہو کہ وہ پھر سے برباد ہونا چاہتی ہے۔ یوں نہ کہو کہ وہ تمہارے بغیر نہیں جینا چاہتی بلکہ یہ کہو کہ وہ جینا ہی نہیں چاہتی۔" اماں کے تلخ الفاظ نے اسے پھر سے طیش دلا دیا۔

"آپ ماں نہیں' دشمن ہیں میری... مجھے کبھی خوش نہیں دیکھنا چاہتیں۔"

اماں اس کا الزام صبر سے پی گئیں۔ وہ جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا۔ ماں کے لیے اولاد کی خوشی سے بڑھ کے کچھ نہیں ہوتا' لیکن اس وقت واقعی وہ اس کی خوشی سے ڈر گئی تھیں اور انہوں نے سچے دل سے دعا کی تھی۔ اس کی خوشی کی وجہ کے' ختم ہونے کی۔

"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں سالار... مگر اس سے بھی زیادہ شدت سے یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کسی اور کو خوش کرسکو۔ جو نہ تمہارے بس میں ہے' نہ ہی تمہارے خمیر میں ہے۔"

"میں اسے لینے جارہا ہوں اور اگر آپ کو مجھے خوش دیکھ کے یا اسے میرے ساتھ دیکھ کے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے تو آپ ہمارے واپس آنے سے پہلے یہاں سے چلی جائیں۔"

"نہیں جاؤں گی۔" اماں نے بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں جاؤں گی... اسے تمہارے رحم و کرم پہ چھوڑ کے نہیں جاؤں گی... نہیں کرنے دوں گی اسے خودکشی۔"

☆ ☆ ☆

تانیہ میرے ساتھ تھی' مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ آگے کے مرحلے مجھے ہی طے کرنے تھے۔ اور پہلے ہی مرحلے پہ میں منہ کی کھا چکا تھا۔

امی نے میرا ساتھ دینا تو درکنار... انتہائی سخت الفاظ میں چیلنج کردیا تھا کہ وہ یہ کبھی نہیں ہونے دیں گی۔

مجھے کچھ نہ سوجھا تو میں بڑے دادا کے کمرے میں چلا آیا جانتا تھا۔ وہ بھی میری کوئی مدد نہیں کرسکیں گے' لیکن میں تو مہ پارہ پھوپھو کی طرح سہارا ڈھونڈنے آیا تھا ان کے پاس... جیسے وہ دل کا سب بوجھ ان کے سامنے ہلکا کرکے شانت ہوجاتی تھیں۔ میں بھی کرنا چاہتا تھا۔

"آگیا ایں... ھن یاد آیا اسے وڈا دادا؟" بڑے دادا نے مجھے دیکھتے ہی طنز سے ہنکارا بھرا۔

"ہاں... بہت یاد آئی آپ کی۔" میں ان کے پائنتی بیٹھ گیا۔

وہ اضطراب کے عالم میں ادھر ادھر ٹٹول کے ہاتھ مارتے شاید کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ میں نے ایک نظر دیکھا ان کے کانوں میں آلہ سماعت موجود نہیں تھا۔

"کی بول رہیا ایں؟ میری کانو کی ٹوٹیاں تے دے کچھ سنائی تے دے میںوں؟" ان کے حکم کو نظرانداز کرتے ہوئے میں نے ان کے پیر تھام لیے۔

"نہیں بڑے دادا... میں بہت کچھ کہنا تو چاہتا ہوں' مگر نہیں چاہتا کہ آپ سنیں اور آپ کو احساس ہو کہ آپ کی گود میں کھیلنے والا سعد ابھی بڑا نہیں ہوا۔ وہ آج بھی اتنا چھوٹا' اتنا بے بس ہے جتنا آپ کی گود میں تھا۔"

"کی؟" انہوں نے کان پہ ہاتھ رکھ کے سننے کی کوشش کی۔

"آپ جانتے ہیں نا بڑے دادا... مجھے جب بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے' میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ آج بھی مجھے آپ سے کچھ چاہیے بڑے دادا... مگر میں مانگ نہیں سکتا۔ صرف بتانا چاہتا ہوں۔" میں نے ان کی گود میں سر رکھ دیا اور ان کا استخوانی ہاتھ میرے سر پہ

شفقت سے ٹھہر گیا۔ دوسرا ہاتھ بدستور تکیے کے پاس کچھ ٹٹول رہا تھا۔

"میں ہنی کو چاہتا ہوں بڑے دادا... ہاں بڑے دادا میں واقعی اسے چاہتا ہوں۔ اب تو مجھے ایمان ہے اس بات پہ... بہت سال میں نے اس وہم میں گزار دیے کہ شاید... شاید وہ محبت نہیں تھی۔ وقتی کشش تھی۔ کم عمری کی نادانی... یا بچپن کی وابستگی یا... یا پھر شاید... شاید ایک رقابت۔ مسترد کیے جانے کا دکھ، مگر محبت نہیں تھی شاید۔ اور اب سالوں بعد اسے دیکھ کے دل پھر سے بہکا تو لگا۔ نہیں... اب بھی یہ محبت نہیں ہے۔ شاید ہمدردی ہے، مگر بڑے دادا سب شاید ہار گئے۔ یہ محبت ہی ہے... خدا کی قسم... یہ محبت ہے۔" میں سسکنے لگا۔ ان کا ہاتھ محبت سے میرے سر کو تھپک رہا تھا۔

"میں کیا کروں بڑے دادا... میں بہت بے بس... بہت مجبور ہوں... میں اسے پانے کے بعد گنوانا نہیں چاہتا، لیکن اب کچھ بھی میرے ہاتھ میں نہیں ہے... میں وقت کو روک نہیں سکتا۔" اچانک ان کا ہاتھ میرے سر سے پھسل کے نیچے آگرا تو میں نے چونک کے سر اٹھایا۔

سب سے پہلا جھٹکا ان کے کانوں میں لگے آلہ سماعت کو دیکھ کے لگا جو نجانے کب وہ ڈھونڈ کے لگا چکے تھے اور میری سب باتیں سن چکے تھے۔

دوسرا جھٹکا ان کے بے جان جھولتے بازو اور پتھرائی آنکھوں کو دیکھ کے لگا۔

"بڑے دادا۔" میں نے انہیں کاندھوں سے پکڑ کے جھنجوڑنا چاہا اور زور سے چلا اٹھا۔

"بڑے دادا۔" مہ پارہ پھوپھو جو دلیہ لے کر اندر آرہی تھیں ٹرے پھینک کر چلاتی ہوئی باہر نکلیں۔

"بھابھی... بھابھی... رضوان بھائی صاحب..."

باہر مہندی کی تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔ بلی ڈھولک سنبھال چکی تھی اور خالہ بتول نے اپنی بلغمی آواز میں کسی پرانے ٹپے کے سرا بھی نکالے ہی تھے کہ مہ پارہ پھوپھو روتی پیٹتی وہاں آگئیں۔

"دادا جی ہمیں چھوڑ کے چلے گئے۔" سب بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے لپکے۔ صرف ایک امی تھیں جو سکتے کے عالم میں وہاں کی وہاں رہ گئیں۔ وہ سمجھ گئیں تھی کہ اب چاہ کے بھی وہ اپنے کہے الفاظ کو پورا نہیں کر سکتیں۔ کم از کم فی الحال تو نہیں۔ میں نے بڑے دادا کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں بند کر کے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے تھے بڑے دادا... آپ کبھی میری بات ٹال ہی نہیں سکتے۔" ایک کے بعد ایک، سب روتے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہے تھے اور میں بڑے دادا سے آخری دل کی بات کر رہا تھا۔

"آپ صحیح کہتے تھے آپ میری خوشی پوری کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں... کچھ بھی۔"

"سعد... یہ دادا جی۔" ابو نے صدمے سے چور انداز میں میرا شانہ دبایا۔

"ہائے ہائے۔ اپنے لاڈلے پوترے کے ویاہ پر ہی چلے گئے۔" اب خالہ بتول کے بین شروع ہو گئے۔

"ہائے کوئی ان مرن جانیوں مراثنوں سے ڈھولک تو بند کرائے۔ اوئے کوئی یہ بتیاں تو اتروائے حویلی سے۔ اب کس بات کی رونقیں... اب کدھر سے ہونی ہے شادی... ویاہ والے گھر مرگ۔" اور امی پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑے دادا کے مردہ وجود کو دیکھتی جا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ایک غیر متوقع بات کے بعد دوسری غیر متوقع بات میری منتظر تھی۔ بڑے دادا کے آخری سفر کی تیاریاں تھیں حویلی کے دالان کے وسط میں ان کی پھولوں سے ڈھکی میت رکھی تھی۔ فضا میں فاتحہ خوانی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اندر سے کہیں کہیں دبی دبی سسکیوں کی آواز بھی گاہے بہ گاہے باہر آجاتی تھیں۔ تب ہی سامنے سے آتی گاڑی کو دیکھ کے میں چونکا۔ وہ سالار ہی تھا۔ میرے اعصاب تن گئے۔ اس کو یہاں بڑھتے دیکھ کے میں دری سے اٹھا اور اس کی جانب

جانے لگا۔ ابو گھبرا کے میرے پیچھے لپکے۔
"کیوں آئے ہو یہاں؟" میں نے شدید نفرت اور غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ جبکہ اس کا سکون اور ڈھٹائی دیدنی تھی۔
"آیا نہیں... بلوایا گیا ہوں۔"
"ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ ورنہ۔" قریب تھا کہ میں اسے دھکے دیتا۔ ابو میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ چکے تھے۔
"سعد... موقع کی نزاکت کا خیال رکھتے ہیں۔" پھر اپنی ناگواری چھپاتے ہوئے سالار کو اندر آنے کی دعوت دی۔
"آیئے سالار۔" سالار ایک دل جلانے والی مسکراہٹ سے مجھے دیکھتا' ان کے پیچھے ہولیا۔ میرے اندر بے چینی سی بھری تھی۔
"کیوں آیا ہے وہ؟"
"کس لیے...؟"
"کس نے بلوایا ہے اسے؟ امی نے؟ مگر کیوں؟" ان سب سوالوں کے جواب اس کے ساتھ ہی اندر جا چکے تھے' میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ ابو سے اب کون سی نئی چال چل رہا تھا' مگر تب ہی جنازہ اٹھانے کا وقت ہو گیا۔ تدفین اور نماز جنازہ کے دوران ظاہر ہے' میں ابو سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ وہ بھی بالکل چپ تھے اور بے حد سنجیدہ بھی۔ قبر پہ مٹی ڈالنے کے بعد میں نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے' جب میرے جیب میں رکھا فون وائبریٹ ہوا۔ دعا پڑھنے کے بعد میں نے فون نکال کے میسج چیک کیا۔ تانیہ کا پیغام تھا۔
"سعد... وہ جا رہی ہے۔ اسے روک لو... تم ہی ہو جو اسے روک سکتے ہو۔ میں اپنے حصے کا کام کر چکی ہوں۔ اب سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" اور میں جان گیا... سالار کو کس نے بلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بیگ میں اپنا سامان رکھ رہی تھی جب میں ایک دھماکے سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا۔
"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ تم سالار کے ساتھ واپس جا رہی ہو؟"
"ہاں وہ خود چل کے آیا ہے۔ بڑے دادا کے جنازے میں بھی شرکت کی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تعلق جوڑنا چاہتا ہے۔" وہ سکون سے پیکنگ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"مگر تم تو نہیں چاہتیں... پھر کیوں جا رہی ہو اس ذہنی مریض کے سامنے خود کو درندگی کے لیے پیش کرنے۔" میں تپ گیا... بھڑک اٹھا۔
"شوہر ہے وہ میرا اور تمہاری بھی تو شادی ہونے والی ہے۔ تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ گھر بنائے رکھنے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔"
"فی الحال تو میں نے بڑے دادا سے یہ سیکھا ہے کہ جب کوئی کسی کے لیے کچھ کرنے پہ آئے تو کس حد تک جا سکتا ہے۔ میری مشکل آسان کرنے کے لیے وہ جان تک سے چلے گئے تم ان کا یہ احسان ضائع کرنا چاہتی ہو؟ دیکھو... اب اس حادثے کی وجہ سے یہ شادی التوا کا شکار ہو گئی ہے۔ میرے پاس اب بہت وقت ہے حالات سازگار کرنے کا... میں امی کو منالوں گا... ابو کو سمجھا دوں گا۔ بس تم..."
"تم چاہتے کیا ہو سعد؟" وہ بھی غصے سے پھٹ پڑی۔
"میں سب کی نظروں سے گر جاؤں؟ ہر ایک مجھ پہ انگلی اٹھائے کہ میں نے اپنا گھر اس لیے خراب کیا کہ میں تم میں دلچسپی رکھتی تھی... میں نے شوہر کو تمہارے لیے چھوڑا؟... ابھی سب مجھ سے ہمدردی کر رہے ہیں پھر نفرت کرنے لگیں گے اور تانیہ... اس کی محبت کے جواب میں میں اسے یہ دوں؟"
"تانیہ جان چکی ہے ہنی... اور وہ خود بھی اب ہم دونوں کے درمیان نہیں آنا چاہتی پھر تم کیوں جانا چاہتی ہو سالار کے پاس؟ کیوں؟"
"میں جانا چاہتی... بننا چاہتی دوبارہ برف کا ڈھیر... مگر تم مجھے ایسا کرنے پہ مجبور کر رہے ہو۔" وہ سسک کے رو پڑی۔

"تمہاری ضد کی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ خدا کے لیے سعد۔۔۔ رحم کرو مجھ پہ۔۔۔ چلے جاؤ مجھ سے دور۔"

"ایک بات بتاؤ سعد۔" اس نے ہتھیلی سے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے لیے زیادہ ضروری کیا ہے؟ مجھے پانا۔۔۔ یا مجھے سالار جیسے شخص سے آزاد دیکھنا؟"

"میرے لیے سب سے زیادہ ضروری تمہاری خوشی ہے، مگر یہ مت کہنا کہ تمہاری خوشی سالار کے پاس لوٹنے میں ہے۔۔۔ میں تمہارا جھوٹ پکڑ سکتا ہوں۔"

"نہیں کہتی، مگر میری خوشی، تمہاری اور تانیہ کی شادی میں ہے۔ میری خوشی اس الزام سے بچنے میں ہے کہ میں یہ شادی ختم کرانے کا سبب بنی، میں سالار سے طلاق لوں گی۔۔۔ ہاں سعد۔۔۔ میں اپنی زندگی پورے حق سے جیوں گی۔ خدا کی دی گئی اس نعمت کو کسی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ اپنی نئی راہ تلاش کروں گی، مگر تمہارے لیے نہیں سعد۔۔۔ نہ تمہارے ساتھ میں طلاق لوں گی، مگر تمہاری اور تانیہ کی شادی کے بعد۔۔۔ اب بتاؤ۔۔۔ پوری کرو گے میری خوشی۔" وہ سوال بن کے میرے سامنے کھڑی تھی۔ ایک مشکل سوال۔

"ہنی۔" میں اذیت سے کراہ اٹھا۔

"بہت محبت کرتے ہو نا مجھ سے؟" وہ مجھے اور میری محبت کو کسوٹی پہ پرکھ رہی تھی۔

"تو دو مجھے میری خوشی؟" اب میں اسے خالی ہاتھ کیسے لوٹاتا۔ بھلے مجھے خود عمر بھر خالی ہاتھ رہنا ہوتا۔ میں سر جھکائے پلٹ گیا۔ چپ چاپ۔۔۔ میری چپ اب بھی نہ ٹوٹی۔ جب وہ سالار کے ساتھ جا رہی تھی اور ساری حویلی اسے دعاؤں تلے رخصت کرنے باہر تک آئی۔ میں یونہی پتھرائی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ میری چپ تب بھی نہ ٹوٹی جب تانیہ مجھے آخری لمحے تک اسے روکنے کے لیے اکساتی رہی۔

"ام ہانی کے جانے سے کتنی اداسی ہو رہی ہے پوری حویلی میں۔" اسے رخصت کرنے کے بعد اندر آتے ہوئے مہ پارہ پھوپھو نے خالہ بتول سے کہا۔ میں امی کو دیکھنے لگا۔۔۔ واحد وہ تھیں جو اس کے جانے سے بے حد شانت نظر آ رہی تھیں۔

"سوگ کا ماحول تو ویسے بھی رہے گا ابھی کچھ دن۔" خالہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"آخر ایک ہی کم ہوا ہے۔۔۔ موت والا گھر ہے۔"

"ہاں ماحول میں اداسی تو ہو جاتی ہے جب گھر میں کسی کی وفات ہوئی ہو۔" امی کے کہنے پہ میری چپ ٹوٹ گئی۔

"کسی ایک کی نہیں امی۔۔۔ اس گھر میں ایک موت نہیں ہوئی ہے، بہت سی ہوئی ہیں، کس کس کو روئیں گی آپ؟"

☆ ☆ ☆

"ماں ہوں میں اس کی۔۔۔ مگر وہ عرصے سے اپنے دل میں میرے لیے کینہ پالے بیٹھا ہے اور نفرت بھی۔" نائلہ سعد کی بات سے اتنی دکھی ہوئیں کہ ان کے آنسو ہی نہ رک رہے تھے۔

"اولاد کے دل میں نفرت نہیں صرف گلہ ہوتا ہے اور پھر اولاد بھی سعد جیسی۔۔۔ سعد کسی سے نفرت کر ہی نہیں سکتا۔" رضوان نے تسلی دی۔

"کرتا ہے۔۔۔ مجھ سے کرتا ہے۔ اس دن سے کرتا آ رہا ہے جب میں نے اس کی مرضی جانتے ہوئے بھی ام ہانی کو۔۔۔ مگر رضوان۔۔۔ میں اس کی ماں ہوں، دشمن نہیں نہ میں تب اس کا برا چاہتی تھی نہ اب۔"

"اب اس بات کا کیا ذکر؟" وہ الجھ گئے۔

"ام ہانی بھی اپنے گھر گئی۔۔۔ سعد کی زندگی میں بھی تانیہ ہے پھر یہ بے وقت کی راگنی کیوں؟"

"یہ بے وقت کی راگنی نہیں ہے۔ یہ وہ خطرے کی گھنٹی ہے، جو میں نے اسی وقت بھانپ لی تھی جب سعد ہانی کو یہاں لایا تھا۔ نہ تین سال پہلے میرے اندازے غلط تھے نہ اب۔۔۔ مجھے بتائیے کیا میں نے ام ہانی کو واپس اس کے شوہر کے پاس جانے کا کہہ کر غلط کیا؟ کیا آپ سات سمندر پار سے آئے اس شخص سے آنکھ ملا پاتے کہ اب آپ کا بیٹا، اس کی بیٹی سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتا؟" رضوان پہ حیرت کے پہاڑ

ٹوٹ پڑے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو تانیہ۔ کیا سعد اب بھی؟ مگر۔ مگر ام ہانی تو اپنی خوشی سے واپس گئی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ اس نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے' لیکن سعد اس کا الزام بھی مجھے دے رہا ہے۔ اپنی ماں کو۔"

"تم نے اسے جانے کیسے دیا سعد؟" تانیہ مجھ سے جرح کر رہی تھی۔

"وہ نہیں سمجھتی تانیہ کچھ نہیں سمجھتی اسے لگتا ہے میری خوشیاں اس سے دور رہنے میں ہیں۔ وہ مجھے وعدے میں باندھ گئی ہے کہ میں تم سے ہی شادی کروں۔"

"اور تم یہ وعدہ نبھاؤ گے؟" وہ طنز سے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔" میں نے شرمندگی سے کہا۔

"کیوں کہ میں ہمیشہ سے اس کے وعدوں میں بندھا ہوا ہوں۔"

"مگر مجھے کسی بندھے ہوئے انسان سے شادی نہیں کرنی۔" تانیہ نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔ دو ٹوک فیصلہ۔

"وعدہ تم نے کیا سعد۔۔۔ میں نے نہیں۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جا کے اسے بتا دو سعد۔۔۔ کہ تانیہ نے خود ایک کمزور شخص سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"میں کمزور نہیں ہوں تانیہ۔" میں نے احتجاج کیا۔

"میں صرف بے بس ہوں۔"

"سعد۔۔۔ میں صرف ہانی کی خوشی کے لیے تم سے رشتہ کیسے جوڑ لوں' اس بے بس انسان سے جو اس لڑکی کے لیے کچھ نہ کر سکا جس سے اسے محبت تھی' تو میرے لیے وہ شخص کیا کرے گا۔ مجھ سے تو اسے محبت تک نہیں ہے۔"

اسے کمرے میں لانے کے بعد سالار نے پہلا سوال کیا۔ اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر۔

"میرے ایک سوال کا جواب سچ سچ دینا ام ہانی۔۔۔ تمہارے گھر والوں نے مجھ سے جو طلاق کا مطالبہ کیا تھا کیا تمہاری اجازت اور مشورے سے کیا تھا یا تمہاری لاعلمی میں؟" وہ خوف کے عالم میں اب بیٹھے اسے دیکھتی رہی۔

"میں جانتا ہوں تم اس بارے میں بالکل بے خبر ہو گی۔ تمہیں کچھ نہیں بتایا ہو گا کسی نے۔" اب وہ لہجہ قدرے نرم کیے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور وہ قدم بہ قدم پیچھے سرک رہی تھی۔ سالار کا نرم لہجہ اسے مزید خوف میں مبتلا کرتا تھا۔

"تم کیسے مجھ سے علیحدہ ہونے کا سوچ سکتی ہو۔۔۔ کیسے طلاق کی بات کر سکتی ہو۔ جانتا ہوں میں۔۔۔ یہ سب ان لوگوں کی چال تھی بس میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔" شدید خوف اور دہشت کے عالم میں بھی وہ خود کو سچ بولنے سے روک نہ سکی۔ مصلحت میں بھی جھوٹ بولنے پہ آمادہ نہ ہو سکی۔

"کسی نے کوئی چال نہیں چلی۔ میری رضامندی کے بعد ہی انہوں نے آپ سے طلاق۔۔۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سالار نے ایک زوردار طمانچہ اسے دے مارا۔

"تم نے؟ تم نے خود۔۔۔؟" وہ آپے سے باہر ہو کے زور سے چیخا۔

"تم نے مجھ سے طلاق لینا چاہی۔۔۔؟ طلاق۔۔۔؟ تم جانتی ہو یہ لفظ میرے کانوں کے لیے زہر ہے۔ میری روح پہ لگا گھاؤ ہے یہ منحوس لفظ۔" اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے قد آدم لیمپ گرا دیا جس کے زوردار چھناکے کی آواز رات کے اس پہر کے سناٹے میں گونج اٹھی۔

"تم ایک ناشکری عورت ہو۔ طلاق چاہیے تمہیں؟ ان عورتوں سے پوچھو جن کو بن مانگے ملتی ہیں طلاقیں۔ ہر روز۔۔۔ ہر رات اور تم خود چاہتی ہو؟ تم جانتی بھی ہو طلاق کیا ہوتی ہے؟" ام ہانی جو اس کے تھپڑ سے بیڈ پہ اوندھی جا گری تھی اور وہیں سسک رہی تھی۔ سالار نے اسے بالوں سے پکڑ کے اٹھایا اور گھسیٹ کے بیڈ سے اتارنے لگا۔

"تم نے کبھی وہ عورتیں دیکھی بھی ہیں؟ جس کے

منہ پہ تھپڑ کی طرح لگتی ہے طلاق؟"

"سالار... دروازہ کھولو... سالار۔" اماں مسلسل بند دروازے پہ دستک دے رہی تھیں۔

"سالار... مت کرو ایسا' دیکھو وہ واپس آگئی ہے تمہارے پاس... تم اسے چاہتے ہو نا' وہ تمہارے لیے لوٹی ہے قدر کرو اس کی سالار۔"

"چلی جائیں یہاں سے۔" وہ دہاڑا۔

"ورنہ میں آپ کو خود دھکے دے کر اس گھر سے نکال دوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" ان کی دستک نہیں رک رہی تھی۔

"کر سکتا ہوں... کاش آپ کے ساتھ بہت پہلے ایسا ہوا ہوتا... آپ کو دھکے دے کر۔ بے عزت کر کے نکالا گیا ہوتا تاکہ میری عزت تو میرے اندر زندہ رہتی... چلی جائیں۔" نجانے اس کی اس بات میں ایسا کیا تھا کہ اماں کے ہاتھ رک گئے۔ ایک خاموشی چھا گئی۔ جس میں صرف بانی کی سسکیاں تھیں جس کے بال ابھی بھی سالار کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔

دروازے کے اس پار اماں کے واپس جانے کا اطمینان ہونے کے بعد سالار نے آہستہ سے اس کے بال اپنی گرفت سے آزاد کیے اور نرمی سے کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔ مجھے ستا رہی ہو۔ یہ بھی تمہاری ایک ادا ہے۔ ستانا... مجھ سے ناراض ہونا اس لیے جان بوجھ کے مجھے تڑپانے اور میرا دل جلانے کے لیے ایسا کہہ رہی ہو تم تو مجھ سے الگ ہونے کا سوچ ہی نہیں سکتی۔ تم مانگ ہی نہیں سکتی مجھ سے طلاق۔"

"نہیں... یہ جھوٹ نہیں ہے۔" انجام سے باخبر ہونے کے باوجود وہ حوصلے سے سچ پہ سچ کہتی جا رہی تھی۔

"میں نے چاہا تھا کہ آپ سے الگ ہو جاؤں اور میں دوبارہ ایسا چاہوں گی اگر آپ میری ساتھ ایسے ہی پیش آتے رہے۔ میں نے آپ کو ایک موقع دیا ہے اور خود کو بھی۔ میں واقعی اچھی نیت سے آپ کے ساتھ رشتہ نبھانے واپس آئی ہوں' لیکن یہ رشتہ آپ کو بھی نبھانا ہوگا۔ ورنہ میں پہلے کی طرح خاموشی سے آپ کے ظلم کا نشانہ نہیں بنوں گی سالار۔" نجانے کہاں سے اتنی ہمت لا کے وہ یہ سب کہہ گئی' مگر سالار کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔

"اگر آپ نے دوبارہ مجھ پہ ہاتھ اٹھایا تو میں..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سالار نے اس پہ تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"لو... اٹھایا میں نے تم پہ ہاتھ... بار بار اٹھاؤں گا۔ کیا کر لوگی تم؟ پھر سے مانگو گی طلاق... مانگو... میں نہیں دوں گا۔ مر جاؤں گا' مگر طلاق نہیں دوں گا اور نہ تمہاری کسی دھونس میں آؤں گا۔ تم میرے ساتھ بھی رہو گی اور ویسے ہی جیسے میں چاہوں گا۔"

☼ ☼ ☼

نائلہ اسلم صاحب کی بات سن کے حیران تھی۔

"اچانک جانے کا فیصلہ؟ مگر کیوں؟" رضوان بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"دادا جی کے جانے کی وجہ سے ابھی ہم شادی کی تقریب بے شک نہیں کر سکتے' لیکن آپ ایسے یہ کام ادھورا چھوڑ کے کیسے جا سکتے ہیں جس کے لیے آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں رضوان اور پھر ہم سادگی سے فی الحال نکاح تو کر ہی سکتے ہیں۔" نائلہ کی بے تابی عروج پہ تھی۔ اور اسلم صاحب بے بسی سے تانیہ کو دیکھ کے رہ گئے جو انہیں وضاحتیں پیش کرنے کے لیے تنہا چھوڑ کے اب لاتعلق بیٹھی تھی۔ آخر انہوں نے ہچکچا کے کہا۔

"دراصل ایک تو میری مصروفیات اور دوسرا تانیہ بھی..." اتنا کہہ کر وہ پھر سے تانیہ کو دیکھنے لگے۔ اکلوتی لاڈلی بیٹی نے کس مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"مجھے احساس ہے آپ کی مصروفیات کا' مگر نائلہ کا کہنا بھی درست ہے ہم ہفتہ کے اندر اندر سادگی سے نکاح کر دیتے ہیں۔" رضوان صاحب نے حل نکالنا

چاہا۔

"یہ تو ایک فریضہ ہے اور رسومات محض دل کی خوشی ظاہر کرنے کا ذریعہ۔۔۔ ضروری نہیں یہ کام دھوم دھڑکے سے ہی ہو۔"

"انکل۔۔۔ دراصل میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا ہے۔" تانیہ کو زبان ہلانی ہی پڑی۔

"میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں اور اگلے دو سال میرے پاس شادی کے لیے بالکل بھی وقت نہیں ہے۔" اس کی بات پہ نائلہ اور رضوان ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے' جب کہ اسلم صاحب نے ایک گہری سانس لی۔ ان کے بس میں جتنا تھا وہ تانیہ کو سمجھانے کی کوشش کر چکے تھے اور اب بیٹی کی عجیب و غریب ضد کے سامنے ہتھیار بھی ڈال چکے تھے۔

"تانیہ۔۔۔ بیٹا۔۔۔ یہ اچانک۔۔۔" رضوان ہکا بکا تھے سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کہیں۔

"اسلم صاحب۔۔۔ آپ ہی کچھ کہیں یہ کیا ہے؟"

"میں نے تانیہ کا ہر معاملہ ہمیشہ اس پہ چھوڑا ہے۔ سعد سے شادی کرنا چاہتی تھی وہ۔۔۔ میں آگیا۔۔۔ اب وہ اپنی اسٹڈیز اور کیریئر پہ توجہ دینا چاہتی ہے' میں اس کی اس خوشی میں بھی خوش ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نائلہ بگڑ گئیں۔

"دیکھیے بٹھائے پڑھائی کا بھوت۔۔۔ کل تک تو مہندی لگوا رہی تھی ہاتھوں میں۔۔۔ وہ بھی خوشی خوشی۔۔۔ سعد کو آنے دو۔۔۔ اس سے پوچھتی ہوں' ضرور دونوں میں کوئی کھٹ پھٹ ہوئی ہوگی۔"

رضوان کو بھی نائلہ کا قیاس درست لگا۔

"بالکل یہی بات ہوگی آج کل کے بچے جذباتی اور بلد باز ہیں۔ فوری فیصلے لے لیتے ہیں ہم بڑوں کو بات سنبھالنی چاہیے بجائے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے۔"

"پلیز انکل۔۔۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ (سمجھنے کی کوشش کریں)۔۔۔ فی الحال یہی ہم سب کے لیے بہتر ہے اور اس کے علاوہ مجھے ایک اور بھی بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"اب اور کیا رہ گیا ہے کہنے کو؟ وہ بھی بتا دو۔" نائلہ کا موڈ سخت برہم ہو چکا تھا۔

"ڈیڈ کا میرے اور میرا ڈیڈ کے علاوہ اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہے جیسے وہ ہمیشہ میری ذمہ داریاں نبھاتے آئے ہیں ایسے ہی آج میں ان کی جانب سے آپ سے کچھ مانگنا چاہتی ہوں۔"

"کہو بیٹا۔"

"میں ڈیڈ کا پروپوزل آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں رضوان انکل۔۔۔ مہ پارہ پھوپھو کے لیے۔" یہ دوسرا بم تھا جو تانیہ نے ان سب کے سر پہ پھوڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں جانتا تھا نیچے کیا ہو رہا ہے۔ کون سی بحث چل رہی ہے' مگر میں اکیلا۔۔۔ لاتعلق۔۔۔ الگ تھلگ چھت پر کھڑا تھا جو کچھ تانیہ کر رہی تھی میں اسے روک نہیں سکتا تھا اور روکتا بھی کیوں۔۔۔ وہ انجانے میں مجھے اس عہد پہ عمل کرنے سے بچا ہی تو رہی تھی جس عہد میں ہنی مجھے نہ چاہتے ہوئے باندھ گئی تھی۔

"تو یہاں ہے؟" علی پھر سے آدھمکا۔

"میں تجھے قبرستان تک ڈھونڈنے چلا گیا۔ آنٹی بتا رہی تھیں تم وہاں بڑے دادا کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے گئے ہو۔"

"پڑھ لی۔۔۔ پھر یہاں آگیا۔" میں نے کان لگا کے کچھ سننے کی کوشش کی' مگر بانسری کی آواز کہیں نہیں تھی۔

"ہر قبر کا حق ہے کہ اس پہ فاتحہ پڑھی جائے۔ کچھ قبریں دل کے اندر بھی ہوتی ہیں علی عمران پہ پڑی مٹی اور جلتی ہوئی اگر بتیاں کسی کو نظر نہیں آتیں۔"

"سعد۔۔۔ تو۔۔۔" علی کچھ کہنا چاہتا تھا یا سمجھانا' مگر پھر اچھا ہوا کہ اس نے خود ہی ارادہ ترک کر دیا۔

"تجھے پتا ہے نیچے تانیہ نے کیا شوشا چھوڑا ہے؟"

☼ ☼ ☼

"اس میں حیرت والی کیا بات ہے؟ میں چاہتی ہوں کہ ڈیڈ اب کم از کم اپنی باقی کی زندگی اکیلے نہ گزاریں

میری خاطر انہوں نے بہت وقت سزا کی طرح کاٹ لیا اور آج سے نہیں' میں ہمیشہ سے یہ چاہتی تھی اب کہیں جاکے وہ رضا مند ہوئے ہیں۔" اسلم صاحب اپنی فطرت کے برخلاف بیٹی کی بے موقع بات سے بڑے شرمندہ' شرمندہ سے لگ رہے تھے۔

"تانیہ... میرا خیال ہے یہ موقع ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے ڈیڈ؟ جب میری شادی کی بات ہو سکتی ہے تو آپ کی کیوں نہیں؟"

"تمہاری اور سعد کی شادی کی بات میں اور اس بات میں بہت فرق ہے تانیہ۔" میں اندر داخل ہوا تو امی ناگواری سے کہہ رہی تھیں۔

"تم کم عمر ہو۔ ہماری روایات اور معاشرتی اقدار سے واقف نہیں ہو' لیکن پھر بھی مجھے تم سے اتنی بچکانہ بات کی امید نہیں تھی اور اسلم صاحب... آپ تو خاصے سمجھ دار ہیں آپ بھی؟ کیا کچھ سال ملک سے دور رہنے کے بعد آپ یہاں کی اقدار بھی بھول گئے؟"

"میں معذرت خواہ ہوں' میں نے تانیہ کو سمجھایا تھا... مگر..." ان کی معذرت پہ تانیہ الجھ پڑی۔

"کیوں ڈیڈ؟ آپ کیوں شرمندہ ہو رہے ہیں؟ کوئی غلط بات نہیں کی ہم نے اور آنٹی... کیا ہماری روایات میں گھر بنانا' سیٹل ہونا یا نکاح کرنا شامل نہیں ہے؟"

"ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے؟" امی لاجواب ہونے کے بعد بھی چپ نہیں رہیں اور ابو کو بھی آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"تانیہ بیٹا... نائلہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ بات واقعی بہت عجیب ہے۔"

"کیا عجیب ہے اس میں؟" میں نے آگے بڑھ کے تانیہ کا ساتھ دیا۔

"کیا یہ کہ انکل ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں؟ یا یہ کہ مہ پارہ پھوپھو کی عمر زیادہ ہو چکی ہے؟ تو کیا زندگی پہ دونوں کا حق نہیں رہا؟"

"تم چپ رہو سعد... میں مزید اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی' لوگ کیا کہیں گے کہ بھتیجے کے ہونے والے سسر کو پھوپھی نے... نہیں نہیں... بہت جگ ہنسائی ہوگی۔"

"پھر سے وہی جگ ہنسائی کا خوف... پھر سے لوگوں کی باتوں کا ڈر... ایک بار پھر دنیا کی خاطر جیتے جاگتے انسانوں کی قربانی... کب تک چلے گا یہ؟" اب میں اسلم انکل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"آپ پھوپھو سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

"سعد..." ابو نے مجھے ٹوکنا چاہا۔

"پلیز ابو... مجھے بات کرنے دیں۔ آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ میں اب بڑا ہو گیا ہوں اور مجھے اپنی ذمے داریوں کا احساس ہونا چاہیے۔ پھوپھو بھی میری ذمے داری ہیں۔ بتائیے انکل... آپ خوش رکھ سکیں گے انہیں؟ نبھا سکیں گے یہ تعلق؟"

"آف کورس... یقیناً"... انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"ٹھیک ہے... میں پھوپھو سے پوچھ کے آپ کو جواب دے دوں گا۔ ان کی مرضی اہم ہے۔ ہم سب کی مرضی سے زیادہ۔"

"سعد... یہ تم کیا کر رہے ہو؟ تمہیں کچھ احساس بھی ہے؟" امی نے غصے سے گھورا۔

"اور کیا آپ کو احساس ہے کہ اس حویلی کی اونچی دیواروں کے اندر کتنے بین چھپے ہیں؟ کتنی سسکیاں گونجتی ہیں؟ پھوپھو کو پورا حق ہے اپنی زندگی میں رنگ بھرنے کا۔ کوئی ان کو بھی ماں کہہ کر پکارنے والا ہو۔ ان کا بھی کوئی گھر ہو۔"

"سعد ٹھیک کہہ رہا ہے نائلہ... اس نے میرے اندر بھی شعور بے دار کر دیا ہے۔ میں اختیار ہوتے ہوئے بھی اسے استعمال نہ کر سکا۔ ان پرانی روایتوں اور اصولوں کو توڑ سکتا تھا' میں... مگر... خیر... دیر آید درست آید... اس کا سہرا نئی نسل کو ہی جانا تھا۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

سالگرہ نمبر

فائزہ افتخار

شالد

ناول

نویں قسط

ہ پارہ پھوپھو سر جھکائے بیٹھی تھیں اور ان کے آنسو ٹپاٹپ ان کی گود میں دھرے ہاتھوں پہ گر رہے تھے۔ میں پیروں کے بل ان کے پاس بیٹھا اور ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہی سوال دہرایا۔

"بولیں پھوپھو... یہ آپ کی زندگی کا سوال ہے۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ مجھے ابو نے ہی کہا ہے آپ کی مرضی جاننے کے لیے۔"

وہ یوں ہی چپ رہیں تو میں نے محض ان کے لب کھلوانے کے لیے ذرا سا شوخ ہونا چاہا۔ جو یوں غم سے بوجھل دل کے لیے تھا تو بڑا مشکل امر۔

"دیکھیں... ویسے تو میں آپ کی مرضی جانتا ہوں... دل آگیا ہے آپ کا بھی انکل پہ۔" اس پہ حسب توقع پھوپھو نے فوراً" سر اٹھا کے مجھے گھورا اور ایک دھپ سے بھی نوازا۔

"لیکن مجھے آپ کا زبانی راضی نامہ بھی آگے پہنچانا ہے۔" پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میں نے انہیں مزید اکسایا۔

"سعد... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں... اسلم انکل بالکل بے ضرر سے انسان ہیں... ڈرنا ان کو چاہیے آنے والے وقت سے... مگر وہ خود شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈال بیٹھے ہیں۔"

"تم سمجھ نہیں رہے سعد... مجھے لوگوں کی باتوں کا ڈر ہے۔ سب کیا کہیں گے۔"

"کہنے دیں... آپ پہلے بھی تو کب سے انٹ شنٹ سنتی آ رہی ہیں... آپ کی شادی اب تک نہ ہونے پہ بھی تو سب باتیں سناتے ہیں۔ اب ہو جانے پہ سنائیں گے کیا مسئلہ ہے اور آپ کون سا یہاں ہوں گی یہ سب سننے کے لیے' پھوپھو آپ اسلم انکل کے ساتھ یہاں سے بہت دور ایک پرسکون اور مکمل زندگی گزارنے جا رہی ہیں ہچکچائیں مت... یہ آپ کا حق ہے جو دیر سے مل رہا ہے اب آپ فیصلہ کرنے میں مزید دیر نہ کریں۔" میں نے انہیں تسلی دی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"نکاح کے موقع پر یوں گردن ہلا دینے کو لڑکی کی رضامندی اور ہاں سمجھا جاتا ہے۔ کیا میں بھی اس کا یہی مطلب لوں۔" وہ مسکرا دیں اور میں یہ مرحلہ سر کر لینے کی خبر سنانے آگے بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں اندازہ ہے طلاق کیا ہوتی ہے۔" سالار اس کے بازو پہ انگلیاں کھبوئے پوچھ رہا تھا۔

"اور آپ کو اندازہ ہے یوں خود کو کچلتے' مسلتے دیکھ کے بھی اسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنا کیا ہوتا ہے۔" ام ہانی نے اس سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔" سالار نے گرفت اور مضبوط کر دی۔

اس کی نشے کی زیادتی سے سرخ ہوتی نظروں سے اب گویا شعلے نکل رہے تھے۔

"تم نہیں جانتیں۔ میں کئی سال اس دوزخ میں جلا ہوں... میں چار سال کا تھا جب میں نے اپنے باپ کو اماں سے طلاق کے یہ تین لفظ کہتے سنا۔"

یہ انکشاف ہانی کے لیے نیا تھا۔ وہ تو یہی جانتی تھی کہ اماں بیوہ ہیں... اور وہ انہیں طلاق یافتہ بتلا رہا تھا۔

"تب میں نہیں جانتا تھا... طلاق کیا ہوتی ہے۔ پھر جاننے لگا کیونکہ سال میں تین چار بار میں یہ تحفہ اماں کی جھولی میں گرتے دیکھتا تھا۔"

ام ہانی مزید حیران ہوئی۔

"ہاں... اور پتا نہیں چار سال کی عمر میں میں نے جو تمغہ اپنی ماں کو سجائے دیکھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کتنی بار ان کو مل چکا تھا۔

"مگر... اماں وہ تو..." ہانی نے کہنا چاہا۔

"ہاں... وہ اس تذلیل کے بعد بھی اس شخص کا نام 'اپنے نام کے آگے لگائے رہیں کیونکہ وہ نام ایک بڑے آدمی کا نام تھا۔ وہ نام انہیں معاشرتی اور معاشی تحفظ دینے کا ضامن تھا... ان میں حوصلہ نہیں تھا اس نام کو اپنے نام کے آگے سے ہٹا کے اپنے طور پہ جینے کا' انہیں عزت کی زندگی نہیں 'نام و نمود چاہیے تھا...

میری حسرت رہی کہ کسی دن میری ماں، میری اور میری بہن کی انگلی تھام کے اس اونچے محل سے نکلے گی اور اپنے طور پہ میں عزت سے سر اٹھا کے فخر سے انہیں اپنی ماں کہہ سکوں گا۔۔۔ میں انتظار کرتا رہا کسی دن ان کا صبر جواب دے گا۔۔۔ مگر وہ اپنے سب آنسو اپنے اندر اتار لیتی تھیں۔۔۔ رات کو ملنے والے اس تمغے کے باوجود وہ روز صبح ایک ایسی مسکراہٹ کے ساتھ دنیا کا سامنا کرتیں کہ مجھے عورت کی مسکراہٹ سے ہی نفرت ہو گئی۔ ایک مصنوعی بے رنگ نقاب ہوتی ہے یہ مسکراہٹ اور آنسو۔۔۔

آنسو سچے ہوتے ہیں وہ دل سے نکلتے ہیں۔ آنسو بہانے والی عورت بزدل نہیں پاک ہوتی ہے۔

جب میں نے تمہیں پہلی بار چھوٹی سی تکلیف پہ روتے دیکھا تو سمجھ گیا۔ تم وہ عورت نہیں۔۔۔ نہ کبھی ہو سکتی ہو جو صرف دنیا کو دکھانے کے لیے خود پہ جھوٹی مسکراہٹ اوڑھ لے۔۔۔ مگر تم۔۔۔" اچانک اس کا جنون پھر سے عود کر آیا۔

"مگر تم وہی بنتی جا رہی ہو۔" وہ زور سے دھاڑا۔

امہانی کسمسا کے پرے سرک گئی۔

"اور میں تمہیں وہ نہیں بننے دوں گا۔ تمہیں آنسوؤں سے ہر روز اپنا وجود پاک کرنا ہو گا۔ میرے لیے۔"

"سالار آپ کس بات کا تعلق کس بات سے جوڑ رہے ہیں۔۔۔ میں نہیں جانتی کہ اماں کے ساتھ کیا حالات رہے اور انہوں نے جو کیا اس کی وجہ کیا رہی ہو گی۔۔۔ ضرور ان کی بھی کوئی مجبوری ہو گی۔ لیکن آپ اس تکلیف کی سزا۔۔۔ جو آپ کو ان سے ملی مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں تمہیں سزا نہیں دے رہا۔۔۔ تکلیف بھی نہیں دے رہا۔ دے ہی نہیں سکتا۔۔۔ بہت عزیز ہو تم مجھے۔۔۔ میں تو تمہیں سونے سے کندن بنا رہا ہوں اور کندن بننے کے لیے بھٹی میں جلنا ہی پڑتا ہے۔" سالار کی آنکھوں میں یکایک جہنم کی بھٹیاں دہک اٹھیں۔

☆ ☆ ☆

سادگی سے نکاح اگلے ہی روز ہونا قرار پایا۔۔۔ تاکہ اسلم انکل جلد از جلد مہ پارہ پھوپھو کے کاغذات بنوا کے انہیں اپنے پاس بلوا سکیں۔

"تم میرے بیٹے ہو سعد۔۔۔ میرے راج دلارے۔۔۔ مگر آج تم نے باپ یا بڑے بھائی والا فرض ادا کیا ہے۔" پھوپھو نے نم ناک آنکھوں کے ساتھ میرا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"افسوس اس بات کا ہے پھوپھو۔۔۔ کہ میں وہ فرض نہیں ادا کر پایا۔۔۔ جو کرنا چاہیے تھا۔" میں نے گلہ آمیز نظروں سے امی کو دیکھا۔ وہ میرا مطلب بھانپ کے نظر چرا کے رہ گئیں۔

"رضوان بھائی جان۔۔۔ آپ نے ام ہانی کو جانے سے نہیں روکا۔۔۔ اس کے اس فیصلے میں سب نے اس کا ساتھ دیا جو درحقیقت خودکشی ہے۔۔۔ لیکن کم از کم پہلے کی طرح اس کے حالات سے چشم پوشی تو نہ کریں۔ اس کی خیر خبر ہی لے لیں۔ سالار کو یہ احساس تو نہ دلائیں کہ ہانی کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔"

مہ پارہ پھوپھو نے ابو کو تجویز پیش کی تو امی ذرا سی جزبز ہو کے پہلو بدل کے رہ گئیں۔۔۔ لیکن ماحول سازگار نہیں تھا کہ وہ اس بات پہ کوئی فوری اعتراض کرتیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مہ پارہ۔۔۔ تمہارے نکاح سے بڑھ کے اور کیا موقع ہو سکتا ہے سالار سے رابطہ کرنے اور ان دونوں کو یہاں مدعو کرنے کا۔۔۔ میں ابھی فون کرتا ہوں اسے۔" اور میری دھڑکنیں پھر سے اتھل پتھل ہونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"کہاں لے کر جا رہے ہو اسے؟" اماں نے سالار کے ساتھ اسے جاتے دیکھ کے پوچھا۔

"آپ سے دور۔۔۔ آپ کا تو جانے کا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"مجھ سے دور یا زندگی سے دور؟" انہوں نے ایک نظر ہانی کے زرد پڑتے چہرے پہ ڈالی۔

"میری بیوی ہے وہ۔۔۔ اگر میں اس کا یہاں رہنا مناسب نہیں سمجھتا تو جہاں میری مرضی ہو گی وہاں اسے رکھوں گا۔ آپ کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں ہے۔۔۔ مگر اس کی مرضی تو پوچھ لو۔۔۔ یہ جانا بھی چاہتی ہے یا نہیں؟"

"اس کی مرضی کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔۔ اور ویسے بھی میں اسے کسی جنگل میں چھوڑ کے نہیں آؤں گا نہ لاوارث۔۔۔ ہر دوسرے تیسرے دن اس سے ملنے جاؤں گا۔"

"دوسرے تیسرے دن؟" وہ ہکابکا رہ گئیں۔

جبکہ ام ہانی کا زرد رنگ اب مارے دہشت کے سفید پڑ گیا۔

"یہ وہاں اکیلی رہے گی؟ ملازموں کے آسرے پہ؟"

"نہیں ابھی فی الحال کوئی ملازم نہیں ہو گا وہاں۔۔۔ مجھے ام ہانی کے معاملے میں کسی پہ بھی بھروسا نہیں۔"

"سالار تم پاگل ہو چکے ہو۔۔۔ تمہیں اس سے محبت کا دعوا ہے اور تم اسے نجانے کس ویرانے میں اکیلا چھوڑنے جا رہے ہو۔ اس دن کے لیے لائے تھے اسے۔"

"یہ وہاں میرے بغیر رہے گی تو اسے قدر ہو گی میری۔۔۔ اور اس رشتے کی۔۔۔ یہ احساس ہو گا کہ مرد کا تحفظ کیا ہوتا ہے۔"

"اس احساس اور قدر کی بجائے کاش تم نے اس کے دل میں محبت جگانے کی کوشش کی ہوتی۔۔۔ اور محبت' محبت کے بدلے ہی جاگتی ہے سالار۔۔۔ میں تمہیں یہ پاگل پن نہیں کرنے دوں گی۔"

"آپ مجھے نہیں روک سکتیں چلو ام ہانی۔" مگر ہانی کے پیر گویا فرش پہ جم کے رہ گئے تھے۔ آخر سالار نے اس کا بازو پکڑا اور کھینچتا ہوا لے گیا۔۔۔

"سالار۔۔۔" اماں نے اسے روکنا چاہا۔

مگر وہ ام ہانی کو کسی بے جان سامان کی طرح بنا پیچھے مڑ کے دیکھے گھسیٹتا لے جا رہا تھا۔ اور وہ۔۔۔ وہ مڑ مڑ کے پیچھے ہی دیکھتی جا رہی تھی۔ خاموش نظروں میں مدد کی اپیل لیے۔۔۔

"ام ہانی۔۔۔"

اماں نے جب دیکھا کہ سالار نہ رکے گا نہ ہی ان کی کسی پکار پہ کان دھرے گا۔ تو وہ پیچھے پیچھے ہانپتی کانپتی آئیں اور ام ہانی سے ہی کہنے لگیں۔

"سنو بیٹا۔۔۔ یہ تمہاری زندگی ہے۔ اسے کسی نفسیاتی مریض کی جنونی محبت کے ہتھے نہ چڑھنے دو۔ تم بے آسرا نہیں ہو۔۔۔ تم لاوارث نہیں ہو۔۔۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔ مگر وہ تو کر سکتے ہیں۔۔۔ تمہارے اپنے۔۔۔ تمہارے میکے والے ان سے کہو بیٹا۔۔۔ یوں چپ چاپ ظلم برداشت کرنا گناہ ہے۔۔۔ مت برباد ہونے دینا خود کو۔۔۔"

سالار نے جب تک اسے گاڑی کی اگلی نشست پہ دھکیل کے زور سے دروازہ بند نہیں کر دیا۔ اماں کی آواز اس کے کانوں تک آتی رہی۔

"کیسے اماں؟ کیسے مدد کے لیے پکاروں اپنوں کو۔" وہ بے بس خاموش نظروں سے شیشے کے پار کھڑی اماں کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی جو اب تک ہاتھ ہلا ہلا کے بے قراری سے اسے کچھ کہہ رہی تھیں۔

"کیسے ان کے پاس لوٹ جاؤں۔۔۔ خود اپنے قدموں پہ چل کے آئی ہوں۔۔۔ صرف اپنوں کو دکھ دینے سے بچنے کے لیے اگر وہاں جاتی ہوں تو سعد۔۔۔ سعد مجھے پھر سے امتحان میں ڈال دے گا۔۔۔ یہاں رہ کے تو میں نے خود ایک تکلیف سے گزرنا ہے مگر وہاں۔۔۔ وہاں میری وجہ سے ثانیہ ایک ایسی تکلیف سے گزرے گی جو میں اسے نہیں دینا چاہتی۔" سالار گاڑی تیزی سے آگے بھگائے جا رہا تھا۔ اور اس تیزی سے ام ہانی کا دماغ سوچے جا رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میں تب تک واپس حویلی نہیں لوٹ سکتی جب تک سعد' ثانیہ سے شادی نہیں کر لیتا۔۔۔ اور وہ دونوں اپنی زندگی شروع نہیں کر دیتے۔۔۔ اس حویلی اس شہر اور اس ملک سے دور۔۔۔ تب تک میں اپنا سایہ بھی وہاں پڑنے نہیں دوں گی۔۔۔ مگر تب تک؟ تب

تک کیا مجھے اسی دہشت اور خوف کے سائے میں رہنا ہو گا۔" اس نے نظر اٹھا کے سالار کی جانب دیکھا جو ہونٹ بھینچے تیز رفتار سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔

"سنو بیٹا... یہ تمہاری زندگی ہے... اسے کسی نفسیاتی مریض کی جنونی محبت کے بھینٹ نہ چڑھنے دو..." اس کے کانوں میں اماں کی آخری ہدایت گونجی۔

"یوں چپ چاپ ظلم برداشت کرنا گناہ ہے... مت برباد ہونے دینا خود کو۔"

"ہاں... میں بھی اپنی زندگی ضائع نہیں ہونے دوں گی۔ یہ زندگی کو خدا کا دیا ایک تحفہ ہے۔ ایک امانت ہے۔ جب تک خدا نے سانس دی ہے... آزادی سے سانس لوں گی... میں نے کوئی گناہ' کوئی جرم نہیں کیا جس کے نتیجے میں میرے سالار جیسے شخص کو بطور سزا بھگتنا پڑے۔"

اس کے ٹوٹے ہوئے شکستہ وجود میں یکایک حوصلے اور امید کی جوت جاگی۔

☼ ☼ ☼

اماں کو اور کچھ نہ سوجھا تو رضوان صاحب کو فون کر کے سب احوال سنایا۔

"آپ کی بچی ہے... آپ ہی بچا سکتے ہیں اسے... میرا سالار پہ کوئی زور نہیں... مگر خدا کے لیے بے آسرا نہ چھوڑیں ام ہانی کو... بہت بڑی غلطی کی آپ نے اسے واپس یہاں بھیج کے اب بھی وقت ہے۔ اس غلطی کو سدھار لیں اور اسے حفاظت کے ساتھ لے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔"

رضوان صاحب صدمے سے نڈھال سے ہو گئے اور اس وقت کو کوسنے لگے جب انہوں نے آنکھوں پہ مصلحت کی پٹی باندھ کے خاموشی سے ام ہانی کو سالار کے ساتھ جانے دیا تھا' تب انہیں لگا تھا شاید حالات کا تقاضا یہی ہے اور اسی سے ماحول سازگار ہو جائے گا۔ کچھ نائلہ کی باتوں کے زیر اثر بھی تھے کہ ام ہانی کی وجہ سے سعد پھر سے اسی دور میں... اسی جذباتیت میں لوٹ رہا تھا اور اب وہ اس کی کھولن نائلہ کے سامنے نکال رہے تھے۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نائلہ تمہاری بے حسی اور خود غرضی کی وجہ سے۔"

"وہ اپنی مرضی سے گئی ہے رضوان۔"

"بس کرو... سب جانتے ہیں اس کی مرضی کا رخ اس جانب کس نے موڑا تھا... یہ تم تھیں نائلہ... پہلے بھی تم تھیں۔ اب بھی تم... پہلے تم نے صرف میرے بیٹے سعد کا دل دکھایا اور اب ہانی کی زندگی کی بربادی کی ذمے دار بھی تم ہو۔ تم نے اسے کبھی بیٹی نہیں سمجھا... مگر وہ تو تمہیں ماں کی جگہ دیتی تھی... کم از کم یہ احساس ہی کر لیتیں..."

"آپ... آپ فکر نہ کریں لے آئیں اسے واپس... میں خود آپ سے کہہ رہی ہوں۔ جایئے اسے لے آیئے۔ مجھے اب کوئی اعتراض نہیں اس کے لوٹنے پہ۔"

"تمہارے اعتراض کی پروا میں ویسے بھی کرنے والا نہیں ہوں... مگر مسئلہ یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا... سالار اس وقت اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا... اگر اسے کچھ ہوا نائلہ تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا... بلکہ شاید تم اپنے بیٹے کے دل سے بھی اپنا مقام کھو دو گی۔" نائلہ رو پڑیں۔

"ایسا نہ کہیں... سعد کے علاوہ میری زندگی میں ہے کون' میں خود غرض نہیں ہوں رضوان... اپنی جانب سے تو میں نے تب بھی سعد کا بھلا سوچا تھا۔ مجھے لگا۔ کم عمری کا ابال ہے شادی کے بعد اتر جائے گا تو دو دو زندگیاں برباد ہوں گی اور اس وقت تو ویسے بھی ام ہانی خود کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی۔ رہا اب کا سوال تو اب بھی میں نے خود غرضی نہیں دکھائی' نہ بے حسی... آپ خود سوچیں ایک باپ اپنی بیٹی کو لے کر ہمارے ہاں آیا ہے۔ سات سمندر پار سے... اسے ہمارے بیٹے سے بیاہنے' ایسے بیٹے سے جس نے خود اس لڑکی کو خواب دکھائے۔ وعدے کیے اور اب جب آدھی دنیا جانتی ہے کہ ان کی شادی ہونے والی ہے تو سعد

اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کے ام ہانی سے۔۔۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں خود غرض نہیں ہوں میں۔۔۔ اگر میں نے ام ہانی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو تانیہ کو بھی تو زیادتی سے بچایا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی زیادتی ہونے نہیں جا رہی تھی آنٹی۔" تانیہ نے وہاں آتے ہوئے وضاحت کی۔

"اور میں نے یہ شادی نہ کرنے کا اور واپس جانے کا فیصلہ کسی دباؤ میں نہیں کیا۔۔۔ خود کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گئی تھی۔ سعد کی خوشی اور محبت دونوں ام ہانی ہے۔۔۔ آنٹی محبت اور خوشی دونوں ہی بہت مشکل سے ملتی ہیں۔۔۔ اگر کسی کو مل رہی ہو تو اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔"

"لیکن تانیہ تم بھی تو سعد کو چاہتی ہو۔ اپنا کیوں نہیں سوچ رہیں تم۔۔۔ اور آخر سعد نے تم سے وعدہ کیا ہے۔"

"چاہتی ہوں۔۔۔ اسی لیے دل سے کہا اسے کہ وہ ام ہانی کو اپنا لے۔ جسے چاہا جاتا ہے آنٹی اس کی چاہت کو بھی چاہا جاتا ہے اور رہا وعدہ تو کوئی بھی وعدہ کسی کے دل سے بڑھ کے نہیں ہوتا۔۔۔ وعدے ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ دل نہیں۔۔۔ دل کو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔" نائلہ چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔

وہ آہستہ سے چل کے ان کے پاس آئی اور اس آہستگی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

"سعد گیا ہے انہیں لینے اور وہ لے آئے گا۔"

☼ ☼ ☼

ابو بتا چکے تھے کہ اماں کے مطابق وہ کچھ نہیں جانتیں کہ سالار اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ پھر بھی میں سیدھا وہیں گیا۔۔۔ آخر اس تک پہنچنے کے لیے کوئی سراغ تو چاہیے تھا مجھے اور پھر سالار دو گھنٹے کے اندر اندر اسے دنیا کے کس کونے میں لے جا سکتا ہے۔

"یہیں کہیں ہوگی وہ اسے۔۔۔ یہیں کہیں۔۔۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔۔۔ سالار اسے مجھ سے کب تک دور رکھے گا۔" خود کو تسلیاں دیتے۔۔۔ حوصلہ جگاتے اور امید کی شمعیں جلاتے میں وہاں پہنچ گیا۔

اس بڑے سے مکان میں داخل ہوتے ہی نجانے کیوں مجھے دلدوز چیخوں کی آواز جا بجا سنائی دینے لگیں۔ ام ہانی کی چیخوں کی۔۔۔ در و دیوار سے ٹپکتی نحوست نوحے کر رہی تھی۔ یہ ام ہانی پہ ہونے والے ستم کے بین تھے۔ فضا میں ایک ناگوار بدبو پھیلی تھی۔ سالار کے متعفن کردار کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ شاید ہر جگہ سے۔

☼ ☼ ☼

سالار نے سڑک کے عین درمیان اچانک بریک لگائی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔۔۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سنسان سڑک تھی۔

دور تک بل کھاتی جاتی۔۔۔

اور دائیں بائیں لہراتے کھیت۔۔۔

دور دور تک کسی آبادی کے نشان نہیں تھے۔ ماسوائے کھیتوں کے بیچ بنیں اکا دکا کچی کوٹھڑیوں کے۔۔۔ جو یقیناً" کسانوں کے دن کے وقت ستانے کے لیے تھیں۔۔۔ یا اناج کے ذخیرے کے لیے۔۔۔ مگر اب تو سورج ڈھلا ہی چاہتا تھا۔۔۔ یقیناً" کسان کب کے اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے ہوں گے۔

"جلدی میں نکلتے ہوئے پیٹرول چیک کرنا بھی یاد نہیں رہا۔"

سالار بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے اترا اور کمر پہ ہاتھ رکھ کے سامنے نظر جما کے دیکھنے لگا۔ جہاں دور سے کوئی سائیکل چلی آ رہی تھی۔

خاموشی میں اس سائیکل کی گھنٹی بھی غنیمت تھی۔ سائیکل سوار کے نزدیک آنے پہ سالار نے اس سے دریافت کیا۔

"یہاں قریب کوئی پیٹرول پمپ ہے؟"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہے صاحب۔"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر؟"

سالار پریشانی سے بڑبڑا کے رہ گیا۔۔۔ اور مڑ کے ام

ہانی کو دیکھنے لگا مگر ہانی کو اب اس کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا جیسے۔

وہ لاتعلقی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ سائیکل سوار اپنے راستے جا چکا تھا۔

"گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔" سالار نے ادھ کھلے شیشے میں جھانک کر اس سے کہا۔ وہ تب بھی بے تاثر انداز میں سامنے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے پیٹرول کے ہونے نہ ہونے سے ہی نہیں خود سالار کے بھی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

"مجھے پیٹرول لینے خود جانا ہو گا کچھ وقت لگے گا تم پریشان نہ ہونا۔"

اس پہ ام ہانی نے بالآخر اس کے چہرے پہ نظر ڈال ہی لی۔ اور اس نظر میں وہ سب تھا... جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ شاید یہ کہ...

"تمہیں میری پریشانیوں کی پروا ہے؟ تمہیں جو مجھے جھولی بھر بھر کے تکلیف دیتے ہو؟" یا پھر یہ کہ...

"ہاں چلے جاؤ مجھے تمہارے نہ ہونے سے نہیں تمہارے اپنے قریب ہونے سے وحشت ہوتی ہے۔"

سالار بھی ان نظروں سے جھلس جھلس کے نکلتے پیغامات شاید بھانپ گیا تھا۔

اس بار نظر چرانے کی باری اس کی تھی۔

"تم لاک کر لو... میں آتا ہوں... ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اگر راستے میں کوئی سواری مل گئی تو جلدی بھی آسکتا ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ اسے جاتا دیکھتی رہی... بس دل تھا... جو مسلسل دعا میں مانگ رہا تھا کہ کاش کس طرح وہ اس کی زندگی سے بھی ایسے ہی قدم بہ قدم چلتا اتنا دور چلا جائے کہ کبھی واپس نہ آسکے۔

☼ ☼ ☼

"میں واقعی کچھ نہیں جانتی کہ وہ اسے کہاں لے کر گیا ہو گا۔"

اماں بے بسی سے کہہ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہوں گی... پھر بھی میں نے دوبارہ وہ سوال کیا۔

"مگر پھر بھی کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"نہیں... ہوتا تو میں اب تک خود وہاں پہنچ چکی ہوتی مگر میں ایک بوڑھی بیمار عورت ہوں تم تو کوشش کر کے پتا لگا سکتے ہو اس کا... صبح سالار کے دفتر جا کے پتا کرو... وہ وہاں تو آئے گا ہی اور بالفرض اس نے اپنا تبادلہ کہیں اور کرا لیا ہے تو وہ بھی دفتر سے ہی پتا چل جائے گا۔"

"مگر اس کے لیے تو کل کا انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"صبح تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔" میرے دل میں ہزاروں سوسے جاگ چکے تھے۔

"کوشش تو کرنا ہو گی سعد... اس تک پہنچنا ضروری ہے... سالار کی ذہنی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے... وہ ام ہانی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اور کتنا نقصان پہنچائے گا۔ اب تک اس کے ساتھ جو کچھ کر چکا ہے وہ کم ہے؟"

میں چیخ گیا۔

"ابھی بھی وقت ہے... اسے تمہاری ضرورت ہو گی نہ جانے اکیلے میں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا... اور ابھی بھی کیا خبر وہ کس حال میں..."

"نہیں، نہیں..." میں تڑپ اٹھا۔

آن ہی آن میں جیسے میرے اندر ہزاروں نشتر چبھ گئے تھے۔

"میں اسے واپس لے آؤں گا... کہیں سے بھی... جہاں بھی سالار اسے لے کر گیا ہے... میں اسے سالار کے رحم و کرم پہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"اس کا کوئی ایسا قریبی دوست نہیں ہے۔ جس سے اس کے بارے میں پوچھا جا سکے... سوائے اس کے دفتر سے اور کہیں سے بھی خبر نہیں مل سکتی... تمہیں صبح تک کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"صبح تک کا؟" میں تکلیف سے کراہا۔

"صبح تک پتا نہیں اس پہ کیا کیا گزر چکی ہو گی۔"

اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کے ام ہانی سے... آپ سمجھتے کیوں نہیں خود غرض نہیں ہوں میں... اگر میں نے ام ہانی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو تانیہ کو بھی تو زیادتی سے بچایا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی زیادتی ہونے نہیں جارہی تھی آنٹی۔" تانیہ نے وہاں آتے ہوئے وضاحت کی۔

"اور میں نے یہ شادی نہ کرنے کا اور واپس جانے کا فیصلہ کسی دباؤ میں نہیں کیا... خود کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گئی تھی۔ سعد کی خوشی اور محبت دونوں ام ہانی ہے... آنٹی محبت اور خوشی دونوں ہی بہت مشکل سے ملتی ہیں... اگر کسی کو مل رہی ہو تو اس کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔"

"لیکن تانیہ تم بھی تو سعد کو چاہتی ہو۔ اپنا کیوں نہیں سوچ رہیں تم... اور آخر سعد نے تم سے وعدہ کیا ہے۔"

"چاہتی ہوں... اسی لیے دل سے کہا اسے کہ وہ ام ہانی کو اپنا لے جسے چاہا جاتا ہے آنٹی اس کی چاہت کو بھی چاہا جاتا ہے اور رہا وعدہ تو کوئی بھی وعدہ کسی کے دل سے بڑھ کے نہیں ہوتا... وعدے ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ دل نہیں... دل کو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔"

نائلہ چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔

وہ آہستہ سے چل کے ان کے پاس آئی اور اس آہستگی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

"سعد گیا ہے انہیں لینے اور وہ لے آئے گا۔"

☼ ☼ ☼

ابو بتا چکے تھے کہ اماں کے مطابق وہ کچھ نہیں جانتیں کہ سالار اسے لے کر کہاں گیا ہے۔ پھر بھی میں سیدھا وہیں گیا... آخر اس تک پہنچنے کے لیے کوئی سراغ تو چاہیے تھا مجھے اور پھر سالار دو گھنٹے کے اندر اندر اسے دنیا کے کس کونے میں لے جاسکتا ہے۔

"یہیں کہیں ہوگی وہ اسے... یہیں کہیں... میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا... سالار اسے مجھ سے کب تک دور رکھے گا۔" خود کو تسلیاں دیتے... حوصلہ جگاتے اور امید کی شمعیں جلاتے میں وہاں پہنچ گیا۔

اس بڑے سے مکان میں داخل ہوتے ہی نجانے کیوں مجھے دلدوز چیخوں کی آواز جا بجا سنائی دینے لگیں۔ ام ہانی کی چیخوں کی... در و دیوار سے ٹپکتی نحوست نوحے کر رہی تھی۔ یہ ام ہانی پہ ہونے والے ستم کے بین تھے۔ فضا میں ایک ناگوار بدبو پھیلی تھی۔ سالار کے متعفن کردار کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ شاید ہر جگہ سے۔

☼ ☼ ☼

سالار نے سڑک کے عین درمیان اچانک بریک لگائی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی... اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سنسان سڑک تھی۔

دور تک بل کھاتی جاتی...

اور دائیں بائیں لہراتے کھیت...

دور دور تک کسی آبادی کے نشان نہیں تھے۔ ماسوائے کھیتوں کے بیچ بنیں اکا دکا کچی کوٹھریوں کے... جو یقیناً" کسانوں کے دن کے وقت ستانے کے لیے تھیں... یا اناج کے ذخیرے کے لیے... مگر اب تو سورج ڈھلا ہی چاہتا تھا... یقیناً" کسان کب کے اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے ہوں گے۔

"جلدی میں نکلتے ہوئے پیٹرول چیک کرنا بھی یاد نہیں رہا۔"

سالار بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے اترا اور کمر پہ ہاتھ رکھ کے سامنے نظر جما کے دیکھنے لگا۔ جہاں دور سے کوئی سائیکل چلی آرہی تھی۔

خاموشی میں اس سائیکل کی گھنٹی بھی غنیمت تھی۔ سائیکل سوار کے نزدیک آنے پہ سالار نے اس سے دریافت کیا۔

"یہاں قریب کوئی پیٹرول پمپ ہے؟"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہے صاحب۔"

"تین ساڑھے تین کلو میٹر؟"

سالار پریشانی سے بڑبڑا کے رہ گیا... اور مڑ کے ام

ہانی کو دیکھنے لگا مگر ہانی کو اب اس کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا جیسے۔

وہ لاتعلقی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ سائیکل سوار اپنے راستے جا چکا تھا۔

"گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔" سالار نے ادھ کھلے شیشے میں جھانک کر اس سے کہا۔ وہ تب بھی بے تاثر انداز میں سامنے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے پیٹرول کے ہونے نہ ہونے سے ہی نہیں خود سالار کے بھی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

"مجھے پیٹرول لینے خود جانا ہو گا کچھ وقت لگے گا تم پریشان نہ ہونا۔"

اس پہ ام ہانی نے بالآخر اس کے چہرے پہ نظر ڈال ہی لی۔ اور اس نظر میں وہ سب تھا۔۔۔ جو وہ کہنا چاہتی تھی۔ شاید یہ کہ۔۔۔

"تمہیں میری پریشانیوں کی پروا ہے؟ تمہیں جو مجھے جھولی بھر بھر کے تکلیف دیتے ہو؟" یا پھر یہ کہ۔۔۔

"ہاں چلے جاؤ مجھے تمہارے نہ ہونے سے نہیں تمہارے اپنے قریب ہونے سے وحشت ہوتی ہے۔"

سالار بھی ان نظروں سے جھلس جھلس کے نکلتے پیغامات شاید بھانپ گیا تھا۔

اس بار نظر چرانے کی باری اس کی تھی۔

"تم لاک کر لو۔۔۔ میں آتا ہوں۔۔۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اگر راستے میں کوئی سواری مل گئی تو جلدی بھی آ سکتا ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ اسے جاتا دیکھتی رہی۔۔۔ بس دل تھا۔۔۔ جو مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کاش کس طرح وہ اس کی زندگی سے بھی ایسے ہی قدم بہ قدم چلتا اتنا دور چلا جائے کہ کبھی واپس نہ آ سکے۔

☆ ☆ ☆

"میں واقعی کچھ نہیں جانتی کہ وہ اسے کہاں لے کر گیا ہو گا۔"

اماں بے بسی سے کہہ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہوں گی۔۔۔ پھر بھی میں نے دوبارہ سوال کیا۔

"مگر پھر بھی کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"نہیں۔۔۔ ہوتا تو میں اب تک خود وہاں پہنچ چکی ہوتی مگر میں ایک بوڑھی بیمار عورت ہوں تم تو کوشش کر کے پتا لگا سکتے ہو اس کا۔۔۔ صبح سالار کے دفتر جا کے پتا کرو۔۔۔ وہ وہاں تو آئے گا ہی اور بالفرض اس نے اپنا تبادلہ کہیں اور کرا لیا ہے تو وہ بھی دفتر سے ہی پتا چل جائے گا۔"

"مگر اس کے لیے تو کل کا انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"صبح تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔" میرے دل میں ہزاروں وسوسے جاگ چکے تھے۔

"کوشش تو کرنا ہو گی سعد۔۔۔ اس تک پہنچنا ضروری ہے۔۔۔ سالار کی ذہنی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔۔۔ وہ ام ہانی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اور کتنا نقصان پہنچائے گا۔ اب تک اس کے ساتھ جو کچھ کر چکا ہے۔ وہ کم ہے؟"

میں چیخ گیا۔

"ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ اسے تمہاری ضرورت ہو گی نہ جانے اکیلے میں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔۔۔ اور ابھی بھی کیا خبر وہ کس حال میں۔۔۔"

"نہیں نہیں۔۔۔" میں تڑپ اٹھا۔

آن ہی آن میں جیسے میرے اندر ہزاروں نشتر چبھ گئے تھے۔

"میں اسے واپس لے آؤں گا۔۔۔ کہیں سے بھی۔۔۔ جہاں بھی سالار اسے لے کر گیا ہے۔۔۔ میں اسے سالار کے رحم و کرم پہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"اس کا کوئی ایسا قریبی دوست نہیں ہے۔ جس سے اس کے بارے میں پوچھا جا سکے۔۔۔ سوائے اس کے دفتر سے اور کہیں سے بھی خبر نہیں مل سکتی۔۔۔ تمہیں صبح تک کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"صبح تک کا؟" میں تکلیف سے کراہا۔

"صبح تک پتا نہیں اس پہ کیا کیا گزر چکی ہو گی۔"

میں تصور کر کے ہی گھبرا اٹھا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے تیس منٹ سے وہ گاڑی میں بیٹھی خالی خالی نظروں سے سڑک کو دیکھے جا رہی تھی۔۔۔ جس پہ کچھ منٹ کے وقفے وقفے سے کبھی کوئی بس کوئی ٹرک گزر کے اسے احساس دلاتا کہ وہ اس سیارے پہ موجود ہے۔

شام کے سائے سورج کے غروب ہوتے ہی آنا" فانا" پھیل سے گئے تھے۔ اب وقت گزارنے کے لیے اس نے نیا مشغلہ ڈھونڈ لیا تھا۔۔۔ دور سے آتی کسی بھی گاڑی، بس یا ٹرک کی ہیڈلائٹس پہ نظریں جمائے وہ اس روشنی کو قریب سے قریب تر ہوتے دیکھتی رہتی۔

اس بار جو روشنی سڑک کے دوسری جانب سے بڑھتی نظر آ رہی تھی۔۔۔ وہ باقی گاڑیوں کی ہیڈلائٹس کے مقابلے میں بہت مدھم اور ملگجی سی تھی اور فقط ایک ہی تھی۔ اس پہ اس کی رفتار بھی خاصی کم تھی۔

کافی منٹ گزرنے کے بعد جب وہ روشنی مزید قریب آئی تو ام ہانی کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بس یا ٹرک نہیں۔۔۔ ایک بیل گاڑی تھی۔ جس پہ ایک سے زیادہ افراد سوار تھے۔ اور وہ روشنی اس بیل گاڑی میں سوار کسی شخص کے ہاتھ میں رکھی لالٹین سے پھوٹ رہی تھی۔

کچھ اور نزدیک آنے پر کھلا۔ بیل گاڑی میں ایک مرد ایک عورت اور شاید دو یا ایک بچے بھی تھے۔۔۔ بیل کے گلے سے بندھی گھنٹی ایک ردھم کے ساتھ بجتی سکوت کو توڑ رہی تھی۔

پھر ام ہانی اس منظر سے بھی اکتا گئی اور سست روی سے قریب آتی بیل گاڑی سے توجہ ہٹا کے دائیں جانب دیکھنے لگی۔ چند منٹ بعد اسی دائیں جانب سے اس کے عین سامنے سے یہ بیل گاڑی گزر رہی تھی۔

"ہانی بی بی۔۔۔" کوئی زور سے چلایا تھا۔

بڑی آشنا سی آواز۔

وارفتگی سے بھرپور۔

ہانی بے ساختہ نظر اٹھا کے رہ گئی۔

بیل گاڑی میں سوار وہ سلمٰی تھی۔۔۔ ہاتھ میں لالٹین اٹھائے۔۔۔ بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے امتزاج کے ساتھ اسے دیکھتی اور مسرت سے بھرپور لہجے میں کہتی۔

"خدا بخش۔۔۔ روکو۔۔۔ روکو میں کہہ رہی ہوں۔"

اور بیل گاڑی کے رکتے ہی کود کے نیچے اتری۔۔۔

"ہانی بی بی۔۔۔ میں، میں سلمٰی۔" وہ بے تابی سے پاس آئی۔

"نہیں پہچانا؟"

"سلمٰی۔۔۔؟"

ہانی ایک دم گاڑی سے باہر نکلی اور اس سے لپٹ کے رو دی۔

"تمہیں کیسے نہیں پہچانوں گی سلمٰی میں تو بس حیران تھی۔ کوئی اپنا کیسے نظر آ گیا اسی جلاوطنی میں۔"

"جلاوطنی؟ کیا مطلب میں سمجھی نہیں ہانی بی بی۔"

وہ خود سے لپٹی ام ہانی کو زار و قطار روتے دیکھ کے بھی کچھ حواس باختہ ہو رہی تھی۔

ظاہر ہے یہ آنسو محض اس کے اچانک ملنے پہ خوشی کے مارے تو نہیں بہہ سکتے تھے۔

ایک عمر تو سلمٰی نے بھی گزار دی تھی۔ خوشی کے آنسوؤں اور دکھ کے آنسوؤں میں تمیز کر سکتی تھی وہ بخوبی۔

"ہانی بی بی آپ کیوں روئے جا رہی ہیں۔" وہ خود بھی روہانسی ہو گئی۔

"عرصے بعد تو کسی کا کاندھا ملا ہے رونے کے لیے سلمٰی۔۔۔ اکیلے رو رو کے تھک چکی ہوں اور اب نجانے کتنی عمر تک اور اکیلے ہی رونا ہے کچھ آنسو تو مجھے اپنے کاندھے پہ بہا لینے دو۔۔۔ رو لینے دو اپنے گلے لگ کے۔"

"ہائے ہائے روئیں آپ کے دشمن۔ اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔ میرا دل ہول رہا ہے بی بی۔"

"سلمٰی۔" بیل گاڑی پہ بیٹھے شخص نے اسے پکارا تو سلمٰی کو ہوش آیا کہ وہ سب اس وقت بیچ سڑک پہ

کھڑے ہیں۔

"ہانی بی بی۔۔۔ یہ خدا بخش۔۔۔ میرا بندہ ہے جی۔۔۔ اور یہ میرے بچے۔" ہانی آہستگی سے اس سے الگ ہوئی اور آنسو صاف کرتے ہوئے بچوں کی جانب دیکھا۔

"دونوں؟"

"ہاں جی۔۔۔ اور تیسرا بھی آنے والا ہے خیر سے۔"

وہ ذرا سا شرما کے بولی۔

"آپ کہتی تھیں نا' ہانی بی بی کہ محبت اور زندگی ایک بار ملتی ہے اور اسے پانے کا موقع تو کبھی کبھی ایک بار بھی نہیں ملتا۔۔۔ اس لیے اگر آج مل رہا ہے تو اسے نہ گنواؤ۔۔۔ میں نے آپ کی بات گرہ سے باندھی۔۔۔ اور پالی اپنی خوشی۔"

ام ہانی بے دھیانی سے اس کی باتیں سنتی پیچھے مڑ مڑ کے دیکھ رہی تھی۔

سلمٰی نے اس کے ہاتھوں میں جھولتے موٹے موٹے سونے کے کنگن چھوتے ہوئے پوچھا۔

"ہانی بی بی آپ نے شادی کرلی۔"

"ہوگئی۔" ہانی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"وہی۔۔۔"

سلمٰی خاک نہ سمجھی اس سادگی سے سرہلا دیا۔

"نہیں، بہت فرق ہے سلمٰی کرنے اور ہونے میں' میں نے تمہیں بالکل ٹھیک کہا تھا سلمٰی۔۔۔ محبت زندگی میں ایک ہی بار ملتی ہے اور اسے پانے کا موقع کبھی کبھی ایک بار بھی نہیں ملتا۔۔۔ مجھے بھی نہیں ملا۔" اس کے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

"کیا ہوا ہانی بی بی۔۔۔"

"لیکن خدا ڈوبنے والے کو ایک موقع ضرور دیتا ہے۔ چاہے تنکے کی صورت میں ہی سہی۔۔۔ تم میرے لیے وہی تنکا ہو سلمٰی۔"

ہانی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیے۔ اچانک ہی یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"تم مجھے ڈوبنے سے بچا سکتی ہو سلمٰی۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

"حاضر بی بی۔۔۔ جان بھی دے دوں آپ کے لیے۔" سلمٰی کے الفاظ محض الفاظ نہیں تھے۔ اس کے لہجے کی سچائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے تمہاری جان نہیں چاہیے۔۔۔ مجھے تو اپنی جان بچانی ہے۔ محبت کھو دی ہے مگر اپنی عزت نفس اور انا نہیں کھووں گی۔ نہیں رہنا مجھے کسی کے پیروں تلے۔ نہیں لینی کسی کی مٹھی میں قید ہو کے مانگی ہوئی سانسیں۔۔۔ خودکشی حرام ہے تو اس طرح پل پل جینا بھی حرام ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو سلمٰی۔۔۔ میں حرام موت نہیں مرنا چاہتی' میں بے بسی کی زندگی بھی نہیں چاہتی مجھے کہیں بھی لے چلو بس یہاں سے دور۔"

"میرا غریب خانہ حاضر ہے بی بی۔۔۔ چلیں۔۔۔" سلمٰی نے مزید کسی سوال میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑا اور نیلی گاڑی کی جانب بڑھی۔

اس ثانیے میں ہانی کی توجہ سڑک کے اس پار سے بالکل ہٹ چکی تھی۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ دور سے پیٹرول کا ڈبا ہاتھ میں لیے آتا سالار اسے کسی اجنبی سے باتیں کرتا دیکھ کے اب تقریباً "بھاگتا" ہوا اس جانب آرہا ہے۔

"ام ہانی۔" اس کے چلانے پہ ہانی نے نیلی گاڑی میں سوار ہوتے ہوتے رک کر اسے دیکھا اور وہیں منجمد ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

میں جن مایوس قدموں اور جھکے ہوئے سر کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا اس کو دیکھتے ہی سب سمجھ گئے۔ کتنی ہی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ ابو کے شانے مزید ڈھلک گئے۔ ان کی پیشانی پہ ندامت اور امی کی آنکھوں میں پچھتاوے کے رنگ اور بھی گہرے ہوگئے۔

میں نے ایک نظر مہ پارہ پھوپھو کو دیکھا۔ ایک عمر گزارنے کے بعد آج ان کے نصیب کھلنے جارہے تھے' مگر ان کی آنکھوں میں خوشی کی رمق نہ تھی ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہ تھی۔ چہرے پہ گلابی پن نہ

تھا۔ میں انہی مایوس قدموں کے ساتھ چلتا اپنے کمرے میں جاکے بند ہوگیا۔ اپنے عقب سے مجھے امی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔

"اللہ... مجھے معاف کرنا' بڑی کوتاہی ہوگئی مجھ سے۔"

☆ ☆ ☆

سالار بھاگتا ہوا اس کی طرف لپکا اور اسے بازو سے دبوچ لیا۔

"کہاں جارہی ہو تم؟"

"آپ سے دور..." اس میں یکایک اتنی توانائی بھر آئی کہ وہ پوری شدت کے ساتھ خود کو اس سے چھڑانے لگی۔

"کیونکہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"کیا مطلب؟ کیوں نہیں رہ سکتیں؟" وہ چلایا تھا اور سلمیٰ کا باپ کی گود میں اونگھتا ہوا بچہ ہڑبڑا کے جاگ گیا اور چیاؤں پیاؤں کرکے رونے لگا۔

"تم نے خود مجھے بلایا تھا ام ہانی کہ تم اب میرے ساتھ واپس گھر لوٹنا چاہتی ہو پھر اب تم کیسے اپنی بات سے مکر سکتی ہو۔"

"ہاں۔ کہا تھا میں نے... سب بھلا کے دوبارہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا' لیکن زندگی گزارنے کا سالار... زندگی برباد کرنے کا نہیں' میں رو رو کے سسک سسک کے نہیں جی سکتی' آپ کی بیمار ذہنیت کی تسکین نہیں بن سکتی' آپ کے تلخ ماضی کا خمیازہ نہیں بھگت سکتی' جو بھی آپ کے ساتھ ہوا اس میں کسی بھی طرح نہ ذمے دار ہوں نہ حصے دار' پھر سزا کیوں بھگتوں۔ مجھے آزادی چاہیے... آزادی۔"

وہ بھی اس کے انداز میں چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ سالار تو سالار۔ شاید اس کے ساتھ عمر بتادینے والی سلمیٰ نے بھی اس سے قبل اس کی اتنی اونچی آواز اور یہ جارحانہ انداز نہیں دیکھے تھے۔ وہ بھی ششدر سی کھڑی یہ معاملہ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ جبکہ آس پاس سے گزرنے والے اکا دکا راہ گیر اب

رک کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ ایک ویگن سے تو مسافر نیچے اتر اتر کے مجمع لگانے لگے تھے' مگر ہانی کو اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ اسی طرح چلاتی رہی اور خود کو سالار کی گرفت سے نکالنے کے لیے زور لگاتی رہی۔

"سنا آپ نے۔ آزادی چاہیے مجھے۔ آپ سے۔ آپ کے پاگل پن سے۔"

"آزادی؟ مجھ سے؟" وہ پھنکارا۔

"اور اگر میں نہ دوں تو؟"

"تو میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔"

ہانی نے ایک جھٹکے سے خود کو اس سے آزاد کرا ہی لیا۔ یوں بھی سالار کے دوسرے ہاتھ میں اب تک پیٹرول سے بھری بوتل تھی اور غصے کی شدت سے اسے خود پہ خاطر خواہ کنٹرول بھی نہ ہو پارہا تھا۔

"خلع لے لوں گی آپ سے۔ مذہب اور قانون دونوں مجھے یہ حق دیتے ہیں۔"

"میں تمہیں عدالت تک جانے کے قابل چھوڑوں گا تو تم یہ کروگی۔ تمہارا دماغ تو میں ابھی درست کرتا ہوں۔ چلو میرے ساتھ ابھی سارا جوش ٹھنڈا کرتا ہوں۔" اس نے پیٹرول کی بوتل نیچے دھری اور اب اسے دوبارہ کھینچ کر گاڑی تک گھسیٹنے لگا۔ ام ہانی کے چلانے اور واویلا کرنے پہ کچھ تماش بین آگے بڑھنے ہی لگے کہ سالار نے انہیں خبردار کیا۔

"دور رہو۔ یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ بیوی ہے یہ میری۔ اگر کسی نے دخل دینے کی کوشش بھی کی تو..." سلمیٰ سے ام ہانی کا چلانا دیکھا نہ گیا اور وہ تو وعدہ بھی کر بیٹھی تھی اس کی مدد کرنے کا۔ اس کی خاطر جان تک دینے کا اسے بھلا کیا پروا ہوگی سالار کی دھمکیوں کی۔

"خدا بخش دیکھ کیا رہے ہو روکو اسے۔" اس نے اب تک خاموشی سے تماشا دیکھتے اپنے شوہر کو للکارا۔

"حویلی کا نمک صرف میں نے نہیں کھایا خدا بخش' تمہاری بھی نسلیں اس نمک کی قرض دار ہیں اٹھو۔ ہانی بی بی آج سے ہماری ذمے داری ہیں۔" خدا بخش لاٹھی اٹھا کے بیل گاڑی سے کودا۔

"صاحب چھوڑو بی بی کو... ورنہ...." سالار جو ام ہانی کو گھسیٹ کر زبردستی کار تک لے جانے کی تگ و دو کر رہا تھا رکا۔

"تمہاری اوقات ہے مجھے روکنے کی؟ جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ بی بی ہماری حویلی کی عزت ہیں، ہم نسلوں سے ان کے پرکھوں کے نمک خوار ہیں اور ہم نے ابھی ابھی ان کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا ہے۔"

"ام ہانی بی بی کے لیے ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی۔" سلمیٰ بھی آگے بڑھ رہی تھی مگر اس کے قدم پھر وہیں رک گئے۔ کیونکہ سالار نے وہ ہاتھ جو ہانی کی کمر کے گرد حائل کر رکھا تھا وہ ہاتھ جیب میں ڈال کر اپنا ریوالور نکال کر ان پر تان لیا اس کے دوسرے ہاتھ کی گرفت میں ابھی تک ہانی کی کلائی دبی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر دو اپنی جان۔ تم اس کے لیے اپنی جان دے سکتے ہو تو میں اس کے لیے کئی جانیں لے بھی سکتا ہوں تم لوگ جانتے نہیں ہو مجھے۔ ابھی اسی وقت میں تم سب کو ختم کر سکتا ہوں۔"

خدا بخش کی تنی ہوئی لاٹھی نیچے ہو گئی۔ سلمیٰ نے سہم کے بیل گاڑی میں بیٹھے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا تب ہی ام ہانی اپنی کلائی سالار کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب ہوئی اور تڑپ کے اس سے پرے ہٹی اس سے پہلے کہ سالار دوبارہ لپک کے اسے تھام لیتا ہانی نیچے رکھی پیٹرول کی بوتل اٹھا کے اس کا ڈھکن کھول چکی تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو ریوالور تانے سالار اور دہشت زدہ کھڑے سلمیٰ اور خدا بخش بھی نہ سمجھ پائے کہ وہ کیا کر رہی ہے اور جب ہانی نے پیٹرول کی بوتل اپنے سر پہ چھڑکنی شروع کی تو سالار چیخ اٹھا۔

"ام ہانی۔"

"اور اگر میں ابھی اسی وقت خود کو ختم کر لوں تو؟ پھر کیا کریں گے آپ...."

☆ ☆ ☆

نائلہ جائے نماز بچھائے کب سے نفل پہ نفل پڑھے جا رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"یا اللہ... وہ جہاں کہیں بھی ہے اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اسے ہر بلا سے محفوظ فرمانا۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کی نظروں سے گر جاؤں گی۔ یا اللہ... میری کوتاہی، میری خود غرضی معاف فرما، اس کی حفاظت فرما، اسے ساتھ خیریت کے واپس بھیج دے۔"

☆ ☆ ☆

"ہانی بی بی۔"

سالار سکتے کے عالم میں اسے خود پہ پیٹرول چھڑکتا دیکھ رہا تھا اس کا سکتہ سلمیٰ کی چیخ سے ٹوٹا تو اس نے دیکھا سر سے پیر تک پیٹرول میں بھیگی ام ہانی اب بیل گاڑی پہ رکھی لالٹین اٹھا رہی تھی۔

"ہانی بی بی یہ کیا کر رہی ہیں آپ، واپس دیں اسے دیں بی بی۔" سلمیٰ نے اس سے لالٹین چھیننے کی کوشش کی مگر ہانی اسے دھکے سے خود سے پرے کرتی اب جلتی لالٹین اپنے سر پہ تانے سالار کے مقابل کھڑی تھی۔

"اور اگر ابھی اسی وقت میں خود کو ختم کر لوں تو؟ تو کیا کریں گے آپ؟" سالار ونگ کھڑا اس کا یہ نیا روپ دیکھ رہا تھا۔ راہ گیروں میں بھنبھناہٹ سی ہونے لگی۔

"ہانی بی بی۔ پھینک دیں اسے۔" سلمیٰ رو رو کے منت کر رہی تھی مگر ہانی ہوش و حواس سے بے گانہ سالار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں جلتی لالٹین اپنے پیٹرول سے بھیگے وجود پہ تانے قدم بہ قدم اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"بتائیے کیا کریں گے؟ میرے مردہ وجود کو کتنی دیر اپنی قید میں رکھیں گے میری لاش سے آنسو کیسے بہائیں گے؟ لاشیں تو رویا نہیں کرتیں پھر کیسے ملے گی تسکین آپ کو؟"

سالار کا ریوالور تانے ہوا ہاتھ دھیرے دھیرے نیچے گر گیا۔

☼ ☼ ☼

مجھے جیسے کسی نے بری طرح جھنجوڑ کے جگا ڈالا' ہڑبڑا کے میں نے چاروں طرف دیکھا۔ پتا ہی نہیں چلا کرسی پہ بیٹھے بیٹھے کب میری آنکھ لگ گئی تھی اپنی اس نیند پہ خود حیران ہوا' مجھے تو لگ رہا تھا پہاڑ جیسی رات شاید کبھی ختم ہی نہیں ہو گی صبح کی روشنی کا انتظار کرنے میں پتا نہیں کتنا جلانا ہو گا خود کو۔ پھر کیسے آ گئی نیند؟ سو کیسے گیا میں؟

اور تب ہی مجھے وہ بھیانک خواب یاد آیا جس نے میری نیند کو نوچ ڈالا تھا۔ شاید یہ خواب دیکھنے کے لیے؟ میں گھبرا کے اٹھ گیا' میں وہ خواب یاد نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر رہ رہ کے یاد آ رہا تھا۔ بے بسی کے عالم میں' میں خدا کو پکار بیٹھا۔

"یا اللہ۔۔۔ اس رات کی تکلیف کو بڑھانے کے لیے فقط یہ احساس کافی تھا کہ وہ پتا نہیں اس وقت کس حال میں ہو گی اور صبح میں اسے ڈھونڈ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ جان نکالنے کے لیے تو یہی وہم کافی تھا۔ اسی وسوسے پہ میں یہ ساری رات انگاروں پہ کاٹ سکتا تھا پھر ایسا خواب کیوں؟ یہ میری برداشت سے' بہت آگے ہے۔ بہت۔۔۔ میں کمزور پڑ رہا ہوں میرے مولا۔۔۔ میرا سینہ پھٹ جائے گا اس بھیانک جان لیوا خواب کی ہر پرچھائیں میری یادداشت سے دور فرما دے۔ مجھے اپنی رحمت کا واسطہ۔ تو جانتا ہے۔۔۔ میں تصور میں بھی اسے اس اذیت کے عالم میں نہیں دیکھ سکتا۔"

میں سسک سسک کے رو دیا۔ عرصے بعد رو دیا۔

☼ ☼ ☼

"میں وہ ام ہانی نہیں ہوں سالار' میں کچھ بھی کر جاؤں گی آزادی کے لیے کچھ بھی۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتیں ہانی۔" سالار گھبرا اٹھا۔

"یہ خودکشی ہے۔ حرام ہے یہ۔" اس کی بات پہ ام ہانی کے لبوں پہ ایک زہریلی طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ سکھائیں گے مجھے حرام اور حلال کا فرق؟ آپ؟ مانا خودکشی حرام ہے' مگر آپ کے ساتھ زندگی گزارنا وہ کیا ہے؟ وہ بھی تو حرام ہے خودکشی ہی ہے وہ بھی۔ مجھے صرف یہ فیصلہ کرنا ہے سالار کہ مجھے مرنا کس طریقے سے ہے' آپ کے ہاتھوں مرنے کی بجائے میں خود مرنا پسند کروں گی۔ ہر پل آپ کے جنون کی آگ میں سلگتے رہنے کے بجائے ایک ہی بار جل مروں گی۔"

سالار چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں کی دلیری کو۔ اس کے چہرے پہ پھیلے عزم کو۔ اس کی نفرت کو اور پھر سالار کے ہونٹوں پہ ایک شکست خوردہ مایوسی سی مسکراہٹ آئی۔

"جاؤ۔۔۔ جہاں دل چاہے جاؤ ام ہانی۔" ام ہانی جو لالٹین کو اپنے سر کے قریب لا ہی رہی تھی اس غیر متوقع جواب پہ حیران ہو کے رکی۔

"یہ اجازت میں اس لیے نہیں دے رہا کہ میں تمہاری دھمکی سے ڈر گیا ہوں یا تمہیں مرتے نہیں دیکھ سکتا' بلکہ اس لیے کہ آج میں نے تمہاری بے خوف آنکھوں میں اس ڈری سہمی' روتی بلکتی' خوف زدہ ام ہانی کو مرتے دیکھ لیا ہے۔ جس میں میری جان قید تھی۔" اس نے ریوالور نیچے گرا دیا۔

"میں جان گیا ہوں' میں تمہیں واپس لے بھی گیا تو کبھی رلا نہیں پاؤں گا۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ تم تو اب کبھی میرے مرنے پہ بھی آنسو نہیں بہاؤ گی۔ جاؤ ام ہانی۔ اب تم میرے کسی کام کی نہیں رہیں۔"

ام ہانی شدید حیرت کے عالم میں تھی اس کی ساری جارحیت اس حیرت میں دم توڑ گئی اتنی کہ کب سالار اس کے قریب آیا اور کب اس نے لالٹین اس سے چھین کر پرے پھینکی۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ لالٹین کے دور گرتے ہی سلمیٰ بھاگتی ہوئی آئی اور ام ہانی کا ہاتھ کھینچ کر لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"چلیں ہانی بی بی۔" سلمیٰ جلد از جلد اسے یہاں سے لے جانا چاہتی تھی جیسے ڈر ہو۔ سالار کا ارادہ اور نیت نہ بدل جائے۔ ہانی ایک گم صم کیفیت میں سلمیٰ کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی مگر مڑ مڑ کے ابھی تک بے یقینی کے عالم میں سالار کو ہی دیکھے جا رہی تھی جس

کے قدموں سے پسپائی ظاہر ہو رہی تھی۔ کار کے پاس جا کے وہ رکا۔

"ہانی۔" اس نے مڑ کے ایسے مخاطب کیا تھا بالکل اجنبی لہجے میں۔

"خودکشی کی ناکام کوشش کے بعد اب خلع کی ناکام کوشش نہ کرنا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے' میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" ام ہانی کے قدم ساکت ہو گئے۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں ام ہانی۔" وہ سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور وہ دم بخود اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"میں سالار اعظم بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

حیرت سے بھرے چہرے پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آئی ایسی مسکراہٹ جو عرصہ ہوا ام ہانی سے روٹھ کے کہیں چھپی بیٹھی تھی۔ اس نے طمانیت سے بھرپور انداز میں آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

میں فجر کی اذان ہونے سے کتنی دیر پہلے ہی مسجد چلا آیا۔ اس کی ذات کے آگے دامن پھیلانے کے لیے کسی خاص وقت کا انتظار تو نہیں کرنا پڑتا۔ بس ایک کیفیت چاہیے ہوتی ہے۔ حاجت کی' بے بسی کی' جب کہیں اس کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آئے تو بس۔۔۔ بس وہیں سر جھکا دو۔ جھولی پھیلا دو۔ گڑگڑا کے مانگ لو' میں بھی رب سے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔

"یا اللہ۔۔۔ اسے بے شک میرا نہ کر' مگر اس کا کر دے اس کی اپنی ذات پہ اس کا اختیار دے دے اس کی خوشیاں' اس کی مسکراہٹ اس کا سکون اسے لوٹا دے وہ جہاں بھی ہے اس پہ اپنی رحمت کا سایہ رکھنا۔۔۔ سدا اس پہ مہربان رہنا کہ یہ تیری صفت ہے اور وہ۔۔۔ وہ تیری اس صفت کو اپنائے ہوئے ہے وہ بھی ہمیشہ سب پہ مہربان رہتی ہے اس پہ مہربانی فرما۔"

☼ ☼ ☼

سالار شکستہ قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

اماں بے تابی سے اس کی جانب بڑھیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی لوٹ آئے گا اور اب جب وہ آ گیا تھا تو وہ اس سے پوچھے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں' لیکن وہ کچھ نہ پوچھ سکیں۔ سالار کی خالی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ خالی ہاتھ رہ گیا ہے۔

"سالار۔" وہ دھیمے لہجے میں بس اتنا کہہ کر رہ گئیں اور سالار یہ بھی نہ سن پایا۔ وہ اس عالم میں خالی خالی نظروں سے در و دیوار کو دیکھے جا رہا تھا جیسے کچھ کھوج رہا ہو۔

اماں کچھ دیر اس کے بولنے کی منتظر رہیں پھر مایوسی سے کمرے میں جانے کے لیے پلٹیں تو چھناک کی آواز پہ انہیں دوبارہ چونک کے مڑنا پڑا۔

سالار دیوار پہ لگی اپنی تصویریں اتار اتار کے نیچے پھینک رہا تھا۔ جابجا کرچیوں کا ڈھیر تھا۔ اور کرچیوں کے ڈھیر تلے دبے سالار اعظم کے پر تکبر رعونت بھرے نقوش گویا کراہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مہ پارہ۔" اسلم صاحب سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ مہ پارہ دوپٹا درست کرتے اٹھیں۔

"جی۔"

"مجھے علم ہوا ہے کہ آپ کو آج کے نکاح پہ اعتراض ہے؟ یا یوں کہیے کہ آپ فی الحال اس کے حق میں نہیں؟"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان حالات میں یہ سب۔۔۔ میرا مطلب ہے جب تک ہانی خیریت سے واپس لوٹ نہیں آتی میرے دل کو کوئی خوشی' خوشی نہیں لگے گی اسلم صاحب۔۔۔ مجھے گوارا نہیں ہو پا رہا۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔ میرے لیے وہ بالکل تانیہ جیسی ہے۔ پریشان اور فکرمند میں بھی کم نہیں ہوں اس کے لیے' لیکن یہ تو ایک فرض ہے۔ فرض کی ادائیگی کبھی بھی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ دل نہ آپ کا خوشی منانے پر راضی ہے نہ میرا' کسی کا بھی نہیں'

لیکن میری مجبوری ہے مجھے پرسوں کی فلائٹ سے واپس جانا ہے نکاح نامہ میرے پاس ہوگا میں جلد از جلد آپ کو وہاں بلا سکوں گا۔"

"آپ کی بات ٹھیک ہے' لیکن۔"

"اور جب ہانی لوٹے گی تو وہ بھی خوش ہی ہوگی اس خبر سے۔" اس بات پہ مہ پارہ پھیکے پن سے مسکرا دیں۔

"اب آپ بچوں کی طرح بہلا رہے ہیں مجھے۔"

"خوشی پانے کے لیے بچہ بننا پڑتا ہے۔ بچوں کی طرح ہی سوچنا بھی پڑتا ہے۔ دیکھیں سب لوگ راضی ہیں ان کی خوشی کا خیال کرلیں میرا نہ سہی سادگی سے نکاح ہی تو ہوتا ہے کوئی جشن تو نہیں۔"

کچھ لمحے سوچنے کے بعد مہ پارہ سر جھکا کے رہ گئیں یہ گویا رضامندی کا عندیہ تھا۔

☼ ☼ ☼

سلمٰی ہانی کو لیے اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ گھر کیا تھا۔ ایک نیم پختہ ایک ہی کمرے پہ مشتمل کوٹھڑی تھی' باہر برآمدہ جس کے ایک کونے میں باورچی خانہ اور سامنے مختصر سا کچا صحن' جس کے وسط میں ہینڈ پمپ لگا تھا اور دائیں جانب دھریک کا درخت۔

"بیٹھیں بی بی۔" سلمٰی نے کمرے میں موجود اکلوتے پلنگ پہ بچھی چادر کی سلوٹوں کو ہاتھ سے درست کرتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنا ہی گھر سمجھیں یہ غریب خانہ آپ کے لائق تو نہیں مگر ہم سے جو ہوسکا آپ کی خدمت میں وہ ہم کریں گے۔"

ام ہانی پلنگ پہ بیٹھی تو اسے لگا نجانے کتنے عرصے بعد اس کے جوڑ جوڑ دکھتے بدن کو سکون ملا ہو شاید سکون کا یہ احساس اس کچے پکے گھر کے مکان نہیں خالصتاً "گھر" ہونے کی وجہ سے تھا۔

"نہیں سلمٰی مجھے اور کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کے کہ تم کسی کو میرے یہاں ہونے کی خبر نہ ہونے دینا۔" اس پہ سلمٰی کو حیرانی ہوئی۔

"لیکن بی بی جس سے خطرہ تھا وہ تو آپ کو آزاد کر گیا۔"

"ابھی بہت سی بیڑیاں باقی ہیں سلمٰی۔ پیر بندھے ہیں میرے۔ آزاد ہونے میں بہت وقت لگے گا۔"

"مگر بی بی۔ پھر بھی مشکل میں اپنوں کو ہی پکارتے ہیں اور حویلی والوں سے زیادہ آپ کا اپنا کون ہے؟"

"اپنے ہیں وہ سلمٰی اور کبھی کبھی اپنوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے ان کو پرایا کرنا پڑتا ہے' چاہے دل پہ پتھر رکھ کے ہی سہی۔ بس تم وعدہ کرو جب تک میں نہیں کہوں گی تم کسی سے میری یہاں موجودگی کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"جان حاضر بی بی۔ آپ بے فکر رہیں۔" اس نے اطمینان دلایا۔

"کسی کو بھنک بھی نہ پڑے گی۔"

"اور میں تم پہ بوجھ بھی نہیں بنوں گی سلمٰی۔" ام ہانی نے ایک ہی نظر میں اس کوٹھڑی سے جھلکتے حالات کو بھانپ لیا تھا اس لیے کچھ شرمساری سے کہنے لگی۔

"کیسا بوجھ بی بی! میں آپ پہ قربان' میرے بچے آپ پہ واری' ہم کم ذات ہیں مگر کم ظرف نہیں ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تو اس کے خلوص کے سامنے ہانی کو اپنی ہر بات بڑی چھوٹی لگی۔

☼ ☼ ☼

"سعد۔" ثانیہ بہت پرجوش انداز میں مجھے پکارتی آرہی تھی میں بے تابی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یا اللہ۔ کوئی اچھی خبر ہو۔"

"سعد۔ سالار کی اماں کا فون آیا تھا ابھی رضوان انکل سے بات ہوئی ہے ان کی۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"دلہنی آگئی؟" میرے لہجے میں بھی وہی بے تابی تھی۔ جواب کے لیے وہ پل بھر کو رک سی گئی اور یہ ایک پل ایک لمحہ مجھ پہ بہت بھاری تھا۔

"نہیں سعد نہیں آئی وہ۔" میں مایوس سا ہو کے پھر سے بیٹھ گیا۔ وہ میرے برابر بیٹھ کے مجھے دلاسا دینے

لگی۔
"مگر سالار لوٹ آیا ہے' وہ اس وقت اپنے گھر ہے۔"
"مجھے اس شخص سے کچھ لینا دینا نہیں مجھے ہانی کی فکر ہے نجانے کہاں چھوڑ کے آیا ہو گا وہ اسے۔"
"تو اس بات کا پتا بھی تو سالار سے ہی چل سکتا ہے کم از کم وہ تو واپس آیا ہے تم جاؤ جا کے ملو' بات کرو اس سے' اگر سیدھی طرح سے وہ ہانی کے بارے میں کچھ نہ بتائے تو پولیس کی مدد لو اس پر حبس بے جا کا کیس بن سکتا ہے ایسا کوئی اندھیر نہیں مچا کہ وہ ایک انسان کو اپنی ملکیت سمجھ کے کسی لاکر میں رکھ دے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے ابھی اسی وقت وہاں جانا چاہیے۔"

☆ ☆ ☆

"شکر ہے خدا کا۔ کوئی خبر تو ملی۔" نائلہ نے نم ناک آنکھوں سے کہا۔ البتہ رضوان ابھی بھی فکر مند لگ رہے تھے۔
"جیسے ہی سالار کی اماں نے اطلاع دی ہے' سعد نکل گیا ہے اس سے ملنے' مگر... مگر مجھے امید نہیں کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے۔"
"ہاں۔ سالار ایک ہٹ دھرم انسان ہے مجھے بھی یہی لگتا ہے وہ آسانی سے ہانی کا پتا نہیں دے گا۔"
"اور سعد کو اکیلا بھیج کے آپ نے ٹھیک نہیں کیا آپ کو خود جانا چاہیے تھا۔"
"اگر سعد سے نہ سنبھلا وہ... تو میں خود جاؤں گا بات کرنے اور اکیلے نہیں پولیس اور وکیل کے ساتھ' مجھے علم ہے کہ ایسے لوگوں سے کیسے نمٹا جاتا ہے داماد سمجھ کے بہت لحاظ کر لیا' بہت عزت دے دی اسے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عزت کے لائق ہی نہیں۔"
"اور داماد بھی کہاں رہا وہ جب ہماری بچی ہی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور نہ ہم یہ رشتہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو محض اس کی ضد کس کام کی۔" اور پھر وہ دوبارہ تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے رضوان! سعد الجھ نہ جائے اس سے وہ ٹھیک آدمی نہیں ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔"
"مجھے اپنے بیٹے کی بردباری پہ بھروسا ہے۔ وہ اب بہت سمجھ دار ہو چکا ہے سنبھال لے گا معاملہ۔"

☆ ☆ ☆

"ہنی کہاں ہے؟" کچھ ہی دیر میں میں اس شخص کے سامنے تھا جس سے میں دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔ وہ نظر اٹھا کے مجھے صرف دیکھ کے رہ گیا۔
"میں پوچھ رہا ہوں کہاں ہے وہ... کہاں چھپا کے رکھا ہے تم نے اسے؟"
"اور اگر یہی سوال میں کروں تو؟" اس کے سوال پہ میں ششدر رہ گیا۔
"کیا مطلب؟ کیا بکواس ہے یہ؟ اس کے بارے میں صرف تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے یہاں سے تم ہی اسے لے کر گئے تھے۔"
"ہاں۔ یہاں سے لے گیا تھا' مگر واپس یہاں نہیں لایا' وہاں بھی نہیں لے جا سکا جہاں لے جانا تھا وہ کہیں رہ گئی وہیں کہیں۔"
"وہیں رہ گئی؟" مجھے ہزاروں وسوسے ستانے لگے۔
"کہاں چھپایا ہے تم نے اسے؟" میں شدت سے چلایا۔
"میں نے نہیں چھپایا وہ خود چھپ گئی ہے۔ وہ ہانی جو میری تھی وہ جس کے آنسو میرے دل پہ شبنم کی طرح گرتے تھے وہ کہیں چھپ گئی ہے کھو گئی... ہے کہیں دور' بہت دور۔" میں اندر تک لرز کر رہ گیا۔
کہیں خدانا خواستہ اس نے ہانی کو... نہیں نہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکا۔
"دیکھو سالار سیدھی طرح بتا دو کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ۔" اب میں چلا نہیں رہا تھا میرا لہجہ خود بخود منت آمیز ہو گیا۔
"میں نے کچھ نہیں کیا اس نے کیا ہے میرے

ساتھ اس نے اپنا آپ مجھ سے چھین لیا۔" منت سماجت کے بعد اب میں تقریباً" گڑگڑانے ہی لگا اس کے سامنے۔

"سالار تم کچھ نہیں کرسکتے اس کے ساتھ' کچھ نہیں ہوا ہوگا اسے۔ "بس بتادو کہاں ہے وہ؟"

"بتا تو رہا ہوں میرے پاس نہیں ہے وہ اور میرے ساتھ بھی نہیں ہے' مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے' جاؤ ڈھونڈ سکتے ہو تو ڈھونڈ لو۔ پہچان سکتے ہو تو پہچان لو اپنی اس نئی ام ہانی کو میں تو نہیں پہچان سکا۔"

"تم ایسے منہ نہیں کھولو گے اب پولیس ہی تم سے اگلوائے گی۔" مگر میری اس دھمکی نے بھی اس پہ خاطر خواہ اثر نہ کیا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی کر دیکھو' پولیس کی مدد بھی لے لو شاید پولیس اس کا سراغ نکال پائے' لیکن پولیس یہ سراغ مجھ سے نہیں نکلوا پائے گی کیونکہ میں واقعی نہیں جانتا کہ مجھے چھوڑنے کے بعد اگر وہ حویلی واپس نہیں گئی تو کہاں گئی ہوگی۔"

چند لمحے اسے شدید نفرت اور غصے سے گھورتے رہنے کے بعد میں جانے کے لیے مڑا تو اپنی پشت پہ اس کی آواز سنائی دی۔ میرے قدم رک گئے البتہ میں نے مڑ کے اس کا مکروہ چہرہ دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"سنو۔ میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔" اب میں کرنٹ کھا کے پلٹا۔ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا سو فیصد۔

"ہاں۔ طلاق۔ میرا اس پہ کوئی حق نہیں رہا اب وہ تمہیں مل جائے تو صرف ام ہانی ہوگی ام ہانی سالار نہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ کب سے نوالہ ہاتھ میں لیے سوچ میں گم تھی۔

"کھائیں نا ہانی بی بی۔" سلمیٰ نے جھک کے اس کے پاس پانی کا گلاس رکھا۔

"میں خود پانی لے لیتی سلمیٰ۔ تم نے کیوں تکلیف کی۔" اس کی حالت کے پیش نظر ہانی کچھ شرمسار سی ہوئی۔

"اس میں تکلیف والی کون سی بات بی بی۔ مہمان ہیں آپ اور ہمارے لیے بہت محترم' میرا بس نہیں چل رہا میں آپ کی خاطر کیسے کروں۔"

"نہیں سلمیٰ تمہاری حالت ایسی نہیں تمہیں آرام کرنا چاہیے اور میری وجہ سے تم۔" ام ہانی نے اس کا ہاتھ تھام کے اپنے قریب بٹھالیا وہ ہنس دی۔

"آرام۔ وہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کیا آرام بی بی' آپ نہ بھی ہوتیں تو گھر کے کام ایسے ہی چلنے تھے الٹا مجھے تو شرمندگی ہو رہی ہے یہ جگہ آپ کے شایان شان نہیں ہے' یہ کھانا بھی آپ کے لائق نہیں ہے' یہ تانبے کا گلاس' یہ کھردرے بان کا پلنگ' یہ موٹے سوت کا کھیس' مگر کیا کریں بی بی ہماری تو اوقات اتنی ہی ہے۔"

"مجھ سے پوچھو سلمیٰ تم کیا ہو میرے لیے اور کسی مشکل وقت میں تم میرے لیے کیا بن کر آئی ہو تم تو غیبی مدد ہو سلمیٰ' اس وقت خدا کے بعد میرا سب سے بڑا سہارا۔" ہانی نے محبت سے اس کا ہاتھ دبا کے کہا۔

"لیکن ہانی بی بی ایک بات کہوں؟" ہانی کی محبت اور التفات نے سلمیٰ کا حوصلہ بڑھایا اور وہ یہ ذکر چھیڑ بیٹھی۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آرہی کہ آپ حویلی کیوں نہیں جانا چاہتیں اور حویلی والوں کو کیوں نہیں بتایا یہ سب آپ نے۔ جو بھی آپ پہ گزرتی رہی ہے وہ تو تڑپ جاتے آپ کی تکلیف پہ۔"

"تڑپتا ہوا ہی تو نہیں دیکھ سکتی انہیں۔" ہانی نے ایک آہ بھری۔

"بس مجھ سے اور کچھ نہ پوچھو سلمیٰ۔ صرف اتنا جان لو کہ کچھ عرصے کے لیے میرا وہاں نہ جانا ہی بہتر ہے کسی کو میرے بارے میں کچھ پتا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا بی بی؟" ہانی کے چہرے پہ خوف کے سائے دیکھ کے سلمیٰ ایک بار پھر خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائی۔

"ورنہ میری وجہ سے بہت سے دل دکھ جائیں گے۔ ٹوٹ بھی جائیں گے۔ بہت سے اچھے اور پیارے پیارے دل' میں سالار کی نفرت سے تو بچ کے نکل آئی بس یوں سمجھو اب کسی کی بے پناہ محبت سے بچتی پھر رہی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"ام ہانی کہاں ہے سعد؟" سب کے سوالوں کے جواب میں ہمیں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔

"نہیں لائے اسے؟ مگر کیوں؟ رضوان میں کہتی تھی نا سالار اسے آسانی سے آنے نہیں دے گا۔ آپ کو خود جانا چاہیے اور بے شک لے جائیں پولیس کو ساتھ' خاندان کی عزت ام ہانی کی زندگی سے زیادہ اہم نہیں ہے۔" امی کی بات کو ان سنی کرتے ابو بغور مجھے دیکھ رہے تھے جیسے میرے چہرے کی شکستگی 'پسپائی اور بے بسی سے سارا قصہ جاننا چاہ رہے ہوں۔

"سعد... تم کچھ بتاتے ہو یا میں خود سالار کو فون کر کے پوچھوں؟"

"اس سے پوچھنے کا فائدہ نہیں۔" مجھے لب کھولنے پڑے۔

"اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں ہے۔"

"یا اللہ۔" امی دل پہ ہاتھ رکھ کے رہ گئیں۔

"مجھے لگتا ہے ہانی نے خود آنے سے انکار کر دیا ہو گا۔ میری وجہ سے۔ تم نے اسے بتایا نہیں سعد کہ میں کتنی شرمندہ ہوں اور اب دل سے چاہتی ہوں کہ..."

"وہ وہاں ہوتی تو میں اسے کچھ بتاتا امی۔ نہیں ہے وہ وہاں۔"

"تو کہاں ہے پھر؟" ابو ضبط کھو بیٹھے۔

"کہیں بھی نہیں ہے' کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ نہ میں' نہ سالار۔"

"جھوٹ بول رہا ہے وہ بکواس کر رہا ہے صرف ہانی کو زبردستی اپنے پاس روکنے کے لیے۔"

"وہ اسے اپنے پاس رکھنے کا اختیار خود گنوا چکا ہے ابو۔ طلاق دے دی ہے اس نے ہانی کو آزاد کر دیا ہے اسے۔" سب ایک سکتے کے عالم میں تھے۔

☆ ☆ ☆

"وہ جھوٹ کہہ رہا ہے سعد اور تم نے مان لیا۔" تانیہ اکیلے میں مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سالار ہانی کو کہیں چھپائے ہوئے ہے۔

"نہیں۔ میں جانتا ہوں ہانی اب اس کے پاس نہیں ہے وہ واقعی اسے چھوڑ کے چلی گئی ہے' ہانی نے خود مجھے کہا تھا کہ وہ اب اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دے گی۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم ہمت کیوں ہار رہے ہو سعد۔ وہ یہیں کہیں ہوں گی وہ سالار سے بھاگ رہی ہیں ہم سے نہیں۔ ہو سکتا ہے صبح تک آجائیں اور کہاں جانا ہے انہوں نے؟" وہ پھر سے مجھے امید دلانے لگی' مگر میں نے مایوسی سے انکار میں سر ہلایا۔

"وہ نہیں آئے گی تانیہ اس نے کہا تھا۔ یہی کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ... وہ سالار کے ساتھ جا ضرور رہی ہے' مگر اب وہ مزید گھٹ کے نہیں جیے گی... جتنی بھی زندگی باقی ہے وہ سر اٹھا کے کھل کے جیے گی اس نے یہ کہا تھا تانیہ کہ وہ سالار سے الگ ہو گی' مگر میرے لیے نہیں' اپنے لیے اور دیکھو اس نے یہ کر دکھایا اب وہ اپنے کہے سب الفاظ کا بھرم رکھے گی۔" میں نے ہانی کے الفاظ من و عن دہرا دیے پھر بھی تانیہ کچھ نہ سمجھی۔

"لیکن وہ واپس کیوں نہیں آئے گی؟"

"میں نے کہا نا وہ اپنے الفاظ کا بھرم رکھے گی۔ آئے گی واپس' مگر میری اور تمہاری شادی کے بعد جب تک اسے یقین نہیں ہو جائے گا کہ میں نے اس کا خیال اپنے دل سے نکال دیا ہے اور تمہارے ساتھ زندگی کا سفر شروع کر دیا ہے سب کچھ بھلا کے۔ وہ نہیں آئے گی تانیہ۔" تانیہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ جانتی جو تھی کہ ہانی کی خواہش ہم بھی پوری

نہیں کرپائیں گے۔ پھر یکایک اس کی آنکھوں میں امید کی جوت جاگی۔

"وہ نہیں آئے گی تو کیا ہوا؟ ہم تو اسے لاسکتے ہیں سعد۔ کہیں سے بھی ڈھونڈ کے۔"

"مگر کہاں سے؟" میں کراہ اٹھا۔

"کہاں ہوگی وہ؟ اس دنیا میں نا، تو کیا تم نے ساری دنیا چھان ماری؟ سعد۔ اگر ہانی ایک قسم اٹھا سکتی ہے کہ وہ ہمارے ایک ہونے تک واپس نہیں آئے گی یا اپنی خبر کسی کو نہیں ہونے دے گی تو یہ قسم میں بھی ابھی، اسی وقت اٹھاتی ہوں کہ اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی جب تک تم دونوں کو ایک نہ دیکھ لوں۔"

"مگر ثانیہ..." میں اسے دیکھ کے رہ گیا۔ کیا چیز تھی وہ۔

"ہاں سعد۔" وہ مسکرائی۔ بڑے حوصلے، بڑے وقار کے ساتھ۔

"اپنی کہی بات کا بھرم رکھنا مجھے بھی آتا ہے صرف ام ہانی کو نہیں ہم مل کے اسے تلاش کریں گے بس تم ہمت نہ ہارنا۔" اس نے میرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے مجھے نئے سرے سے حوصلہ دلایا۔

☼ ☼ ☼

سلمٰی کی کچی پکی کوٹھری میں پلنگ پہ لیٹی وہ چھت کی کڑیاں گن رہی تھی۔ لالٹین کی ہلکی سی روشنی سلمٰی نے خاص اس کے لیے رکھی ہوئی تھی جانتی تھی کہ ہانی بی بی کو مکمل اندھیرے میں نیند نہیں آتی۔ ہانی کی نظر چھت سے ہٹ کے نیچے چٹائی بچھا کے لیٹی سلمٰی پہ گئی جو اپنے بازو پہ سر رکھ کے سوئے بچے کو نیند میں ہی تھپک رہی تھی شاید روشنی کی وجہ سے وہ کسمسا رہا تھا۔ ہانی نے فوراً اٹھ کے لالٹین بجھا دی تب ہی اسے ایک اور احساس ہوا۔ پچھلی دو راتوں سے صرف اس کی خاطر یہ لالٹین مسلسل رات کو جلتی رہتی تھی۔ کتنا تیل ضائع ہوتا ہوگا اسے خفت سی ہونے لگی کہ اس کی وجہ سے سلمٰی پہ کتنا بار بڑھ گیا ہے خرچے کا۔

اور پھر اس بے چاری کی حالت بھی ایسی کب تھی کہ وہ نیچے چٹائی بچھا کے سوئے۔ اسے تو آرام کی ضرورت تھی۔ ایک تو وہ حاملہ تھی اور پر سے ایسے دنوں میں بھی سارا دن گھر کے کام بھی کرتی۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی سنبھالتی اور رات چٹائی پر بسر کرتی۔ ام ہانی کا حساس دل رہ رہ کے اسے کچوکے لگانے لگا اور وہ نواڑی پلنگ پہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس نے، کہ اس جیسی خوددار لڑکی کسی پر یوں زبردستی کا بوجھ بن جائے گی۔

☼ ☼ ☼

صبح ہوتے ہی میں ثانیہ کے ساتھ ام ہانی کی تلاش میں نکل گیا تھا۔ آس پاس کے سارے قصبے، ریلوے اسٹیشن، بس اڈہ، چھوٹے موٹے آس پاس کے سب اسپتال، ہر جگہ پوچھ گچھ کی کہ شاید کہیں سے کوئی سراغ مل جائے۔

اس کی ایسی کوئی دوست نہیں تھی جس سے خبر لی جاسکتی۔ اس کے باوجود میں نے امی سے کہہ کر اس کی کالج کی پرانی ساتھیوں سے رابطہ کروایا۔ اور میرے اندازے کے عین مطابق ان میں سے کسی سے بھی ام ہانی نے دو تین سالوں سے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا۔ اور کچھ نہ سوجھا تو میں سڑکوں پہ بلاوجہ گاڑی لیے پھرتا رہا شاید کہیں کسی موڑ پہ وہ نظر آجائے۔ دن سے رات ہوگئی۔ وہ نہ ملی مگر ثانیہ نے مجھے نہ مایوس ہونے دیا نہ ہی ہمت ہارنے دی۔

☼ ☼ ☼

"کتنی عجیب سی بات ہے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد میں یہ بھی نہیں پوچھ سکا کہ کیا تم خوش ہو؟" اسلم صاحب نے پژمردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ مہ پارہ سے پوچھا۔

"آپ کی زندگی میں شامل ہونا، آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ لگانا آپ کی ہم سفری ملنا، یہ سب میرے لیے بہت نصیب کی، بہت خوشی کی بات ہے میں تو خود آپ سے شرمندہ ہوں کہ اس خوشی کا حق بھی نہیں ادا

کہ پا رہی۔" ان کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

"ایسا مت کہو مہ پارہ' میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری دلی حالت۔ اور شکر گزار بھی ہوں کہ اس کے باوجود تم نے مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا اور میری درخواست پر عمل کرتے ہوئے میرے ساتھ بھی جارہی ہو جبکہ تمہارا دل' تمہارا دل تو تب ہی تک یہیں رہے گا جب تک ام ہانی خیریت سے واپس نہیں لوٹ آتی۔"

"جانتے ہیں پرایا ہونا کسے کہتے ہیں اس کا احساس آج ہو رہا ہے مجھے' میکے کے دکھ' میکے کی پریشانیاں میکے کی دہلیز پہ ہی رکھ کے آگے قدم رکھنا پڑتا ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائیں۔ اسلم صاحب نے اپنائیت سے ان کے ہاتھ کی پشت کو تھپکا۔

"تم فکر مت کرو ہم جلدی واپس لوٹیں گے اور تب ان شاء اللہ ام ہانی بھی یہیں ہوگی اور تم سعد کی فکر بھی مت کرنا تانیہ ہے اس کے ساتھ۔"

☼ ☼ ☼

کہنے کو تو انہوں نے مہ پارہ کو کہہ دیا تھا' مگر ان کا دل ابھی بھی اس حق میں نہیں تھا کہ سعد سے وہ رشتہ ختم ہوجانے کے بعد بھی تانیہ اس حویلی میں رکے۔

"تم ساتھ ہی چلی چلتیں تانیہ تو بہتر ہوتا۔" انہوں نے ایک بار پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"میں نہیں جاسکتی ڈیڈ۔ آپ جانتے ہیں۔" وہ اپنے ارادے پہ قائم تھی۔

"لیکن اب تمہارے اس گھر میں رکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا بیٹا۔"

"جواز ہے ڈیڈ۔ سعد۔ ہماری منگنی ختم ہوئی ہے وہ بھی باہمی رضامندی سے' کسی اختلاف کی بنا پہ نہیں' دوستی تو ختم نہیں ہوئی وہ اب بھی میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ مجھے اس کے لیے یہاں رکنا ہے اور ہانی کے لیے رکنا ہے۔ مجھے اس کو یقین دلانا ہے کہ سعد اس کا تھا۔ اس کا ہے اور اس کا رہے گا۔"

"جیسے تمہاری خوشی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ کی طرح اس کی خواہش اور مرضی کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھے۔ تانیہ محبت سے ان کے گلے لگ گئی۔

"آئی ایم سوری ڈیڈ' مگر میں نہیں چاہتی کہ سعد اکیلا پڑجائے یا ہمت ہار دے اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے' میں یہاں رہ کے' قدم قدم پہ اس کی ہمت بڑھاؤں گی اور جب مجھے لگے گا کہ وہ تھک رہا ہے تو میں خود نکل جاؤں گی ہانی کو ڈھونڈنے۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

فائزہ افتخار

شالا

دسویں اور آخری قسط

ام ہانی بستر تہ کر رہی تھی۔۔۔ اگرچہ سلمیٰ اسے کسی کام کو ہاتھ تک نہ لگانے دیتی تھی۔ لیکن پھر بھی اس سے جو بن پڑتا تھا وہ کر گزرتی تھی۔

سلمیٰ کی حالت بھی تو اب ایسی نہیں تھی کہ وہ بھاگ دوڑ کے گھر کے کام بھی نمٹائے اور بچوں کو بھی دیکھے۔ ام ہانی نے اس کے نہ نہ کرتے رہنے پر بھی نا محسوس طریقے سے کتنے ہی کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔ خاص طور پہ بچوں کو تو وہ اپنے ساتھ ہی لگائے رکھتی۔۔۔ اس سے خود اس کا دل بھی بہلا رہتا تھا۔

"تو پھر آگیا خدا بخش؟"

کھلی کھڑکی سے اسے سلمیٰ کی آواز آئی۔ جو صحن میں بیٹھی آنے والے مہمان کے لیے ننھا سا کرتا سی رہی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے کچھ چاہیے ہو تو مجھے کہلوا بھیجا کرے میں بچے کے ہاتھ بھجوا دیا کروں گی۔"

"مجھے کیا چاہیے ہو گا بھلا۔۔۔ روٹی، پانی۔۔۔ چائے سب کچھ خود ہی تو ڈیرے پہ پہنچا دیتی ہے۔۔۔ بچے بھی صبح شام وہاں آکے مل لیتے ہیں۔۔۔ لیکن میرا دھیان تو تجھ میں اٹکا ہے۔ بس تجھے ایک نظر دیکھنے آگیا۔" ام ہانی کے کھیس تہ کرتے ہاتھ رکے۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔ اب دیکھ لیا مجھے۔۔۔ ہو گئی تسلی؟ اب تو جا ڈیرے پہ۔"

"کیسے ہو گی تسلی؟ تو پورے دنوں سے ہے۔ تجھے کسی بھی وقت میری ضرورت پڑ سکتی ہے سلمیٰ۔"

"آئے ہائے۔۔۔ دیوار سے دیوار ملی ہے۔ اور سارے پڑوسی ہی اتنے اچھے اور خیال رکھنے والے ہیں۔ وقت آئے گا تو ماسی دوڑی آئے گی ایک آواز پہ۔۔۔ تو سمجھتا کیوں نہیں خدا بخش۔۔۔ ایک ہی کمرے کی چھوٹی سی کوٹھڑی ہے ہماری اور بی بی عدت سے ہے تیرا یہاں آنا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

اور سلمیٰ کی اس بات سے ام ہانی پہ کھلا کہ خدا بخش کے شب و روز ڈیرے پہ کیوں بسر ہو رہے ہیں آج کل، ورنہ وہ اسے معمول کی بات سمجھ رہی تھی کہ شاید خدا بخش اپنی فصل کی کٹائی کے دنوں میں وہیں وقت زیادہ گزارتا ہو گا۔

"میں سب سمجھتا ہوں سلمیٰ مجھے بھی اس بات کا خیال ہوتا ہے کہ میری وجہ سے بی بی کی بے پردگی نہ ہو۔۔۔ مگر۔۔۔" خدا بخش کے لہجے میں عجیب سی بے چارگی محسوس کر کے سلمیٰ کو فکر لاحق ہو گئی۔

"سن۔۔۔ وہاں ڈیرے پہ زیادہ ٹھنڈ تو نہیں۔ تجھے ایک اور رضائی دوں؟"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں رات کو الاؤ جلا لیتا ہوں۔ ہاں تجھے کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے اس لیے پوچھنے چلا آتا ہوں۔"

"ہاں ویسے۔۔۔ ضرورت تو ہے دودھ اور چینی ختم ہے۔ دے دے گا راشن والا؟ پہلے ہی کافی ادھار چڑھ گیا ہو گا۔"

"دے دے گا۔۔۔ دید لحاظ والے لوگ ہیں سب، وہ بھی جانتا ہے ہمیں ادھار سودا لینے کی عادت نہیں یہ تو مہمان ہیں گھر میں۔۔۔ تو میں لا دیتا ہوں ابھی۔"

وہ تو چلا گیا اور ام ہانی کچھ پریشان۔۔۔ کچھ شرمندہ سی

ہاتھ میں رکھے کھیس کو ایک جانب رکھ کے سر نیہوڑا کے وہیں بیٹھ گئی۔

یوں کسی پہ ان چاہا بوجھ بن جانے کا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہنی... کہاں ہو تم؟"

میں سارے دن کی تلاش کے بعد تھکا ہارا کمرے میں داخل ہوا تو ام ہانی کی تصویر کے سامنے رک کر شکوہ کیے بغیر رہ نہ سکا۔

"کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے تمہیں... اور کہاں کہاں ڈھونڈوں، کہاں چھپ گئی ہو تم... اور کیوں؟ کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے... صرف تمہیں چاہنے کی۔ یقین کرو ہنی، میں وعدہ خلاف نہیں ہوں اور تم سے کیا عہد توڑنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا، تمہاری خوشی کے لیے میں کر لیتا تانیہ سے شادی... لیکن یہ وعدہ پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اس

میں میرا کوئی قصور نہیں ہنی مجھے سزا مت دو۔۔۔ مت دو مجھے سزا۔"

اس کا نام پکارتے پکارتے میں نیند کی اس وادی میں اتر گیا۔۔۔ جہاں مجھے اسے پھر سے تلاش کرنا تھا۔ مارے مارے پھرنا تھا۔ اسے پکارتے ہوئے۔

خواب میں بھی۔۔۔

☆ ☆ ☆
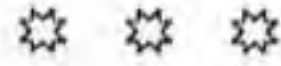
اون اور سلائیوں سے منا سا موزہ بنتے ہوئے، سلمٰی کے چہرے پہ ممتا بھری مسکراہٹ کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ جو اس کے سانولے پن کو اتنی الوہی چمک دے رہی تھی کہ ام ہانی نے زیر لب ماشاء اللہ پڑھتے ہوئے فوراً" نظر پھیرلی۔۔۔ اور آگے بڑھ کے اس کی جھولی میں اپنی طلائی چوڑیاں رکھیں۔۔۔

وہ حیرت کے مارے اچھل ہی پڑی۔

"یہ کیا بی بی؟"

"میں تم پہ بہت بوجھ بن گئی ہوں سلمٰی۔" اب وہ اپنے گلے سے چین اتار رہی تھی۔

"اپنی پریشانیوں میں ایسی گم رہی کہ اس بات کا احساس تک نہ ہوا۔۔۔ تم بس یہ زیور بیچ دو۔۔۔ جب تک میں عدت میں ہوں اپنے لیے کچھ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی تم انہیں بیچ کے میرے اخراجات پورے کر سکتی ہو۔"

کتنی ہی دیر تک تو سلمٰی حیرت سے منہ کھولے اسے تکتی رہی۔ پھر گھبرا کے اپنی جھولی میں پڑی چوڑیاں دوبارہ سے پہنانے لگی۔

"توبہ توبہ۔۔۔ ایسا نہ کہیں بی بی۔۔۔ وہ دن آنے سے پہلے میں مر نہ جاؤں۔۔۔ جو آپ کے زیور بیچ کے آپ کو دو لقمے کھلانے پڑیں۔۔۔ آپ کا بھلا کیا بوجھ ہے اور کیا خرچا سارے دن میں گن کے دو نوالے لیتی ہیں آپ۔"

"مگر میری وجہ سے تمہارا شوہر بھی تو تین راتوں سے گھر سے باہر ہے۔ اتنی سردی میں۔" وہ مزید شرمسار ہو گئی۔

مگر سلمٰی نے بے پروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہائے تو کیا ہوا بی بی۔۔۔ مرد ذات ہے۔۔۔ سردی سے پگھل نہیں جائے گا۔ وہاں ڈیرے پہ پکی کوٹھڑی ہے۔ کوئی ننگے آسمان تلے نہیں سوتا اور الاؤ بھی جلا لیتا ہے رات کو۔۔۔ پھر۔۔۔ فصل کی رکھوالی بھی ہو جاتی ہے۔ اسی بہانے آپ کی عدت کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔ آپ یہ چوڑیاں اب دوبارہ نہیں اتاریں گی۔۔۔ بس۔"

"عدت ختم ہوتے ہی میں کوئی ملازمت کرلوں گی۔"

"لیں۔۔۔ بھلا اس گاؤں میں آپ کو کیا ملازمت ملے گی بی بی۔۔۔ میری اوقات نہیں ہے آپ کو نصیحت کرنے یا مشورہ دینے کی۔۔۔ لیکن پھر بھی چھوٹا منہ بڑی بات کروں؟ آپ حویلی چلی جائیں۔۔۔ نہ نہ۔۔۔ مجھے آپ کا وجود بھاری نہیں۔ لیکن بی بی، عزت اپنوں میں ہی ہوتی ہے۔"

"چلی جاؤں گی سلمٰی۔۔۔ میں نے کہا نا۔۔۔ کچھ وقت لگے گا۔۔۔ ابھی گئی تو وہ پھر سے مجھے مجبور۔۔۔"

گھبرا کے ام ہانی نے بات ادھوری چھوڑی۔۔۔ وہ کیا کہنے جا رہی تھی سلمٰی سے۔ مگر سلمٰی نے شاید اس کی ادھوری بات پہ دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ تو یکایک درد سے دہری ہو رہی تھی۔

"بی بی۔۔۔ ہائے۔" اس کی سفید پڑتی رنگت دیکھ کے ہانی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"کیا ہوا سلمٰی؟"

"بی بی ذرا برابر سے ماسی کو بلانا۔"

☆ ☆ ☆

کتنے ہی دن ہو گئے تھے سالار دفتر جاتا تھا۔۔۔ نہ کمرے سے نکلتا تھا۔ اماں دن میں دو بار کئی کئی گھنٹے دستک دینے کے بعد اگر کبھی دروازہ کھلوانے میں کامیاب ہو بھی جاتیں اور زبردستی اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھ ہی آتیں تو اگلے دن وہ ٹرے جوں کی توں واپس لے جاتے ہوئے ان کا کلیجہ کٹ جاتا۔

وہ چوبیس گھنٹے نشے میں دھت اوندھا پڑا رہتا تھا۔ نہ کسی سے کلام کرتا تھا نہ نظر اٹھا کے ہی ان کی جانب دیکھنا گوارا کرتا تھا۔

آج دل کڑا کر کے اماں نے اس سے دو ٹوک بات کرنے کی ٹھان ہی لی۔

"غصہ ہو گا تو ہوتا رہے بھلے۔۔۔ اسی بہانے اس کی چپ تو ٹوٹے۔ بھلے مجھ پہ چلائے۔۔۔ کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کے پھینکے توڑ پھوڑ کرے مجھے برا بھلا کہے۔۔۔ مگر ۔۔۔ مگر کچھ تو بولے۔"

"سالار۔" انہوں نے بیڈ پہ اوندھے گرے سالار کو مخاطب کیا۔

"تم ناراض تو ہو گے ہی کہ میں تمہارے بار بار کہنے کے باوجود واپس امریکہ کیوں نہیں جا رہی۔ اب بے شک یہ جاننے کے بعد مزید ناراض ہو جاؤ کہ میں نے تمہیں چھوڑ کے وہاں جانے کا ارادہ ٹالا نہیں۔۔۔ بلکہ بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا رکیں۔ توقع تھی وہ پلٹ کے ان پہ برسے گا۔

زبردستی انہیں اپنی زندگی سے دور چلے جانے کا کہے گا۔ مگر وہ خاموش تھا۔ جیسے اب اسے ان کے ہونے نہ ہونے سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

جیسے وہ جان گیا ہو اب اس نے عمر بھر ہجوم میں بھی تنہا ہی رہنا ہے۔

"سالار جانتی ہوں تم ناراض ہو مجھ سے۔" وہ آگے بڑھیں۔

"میرا وجود تمہیں اپنے آس پاس گوارا نہیں ہے ۔۔۔ مگر میں تو تم سے نفرت نہیں کرتی نا کر بھی نہیں سکتی۔ میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کے کیسے جا سکتی ہوں۔"

وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں اور بہت دھیرے سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

ذہنی طور پہ تیار ہی تھیں کہ کب وہ ان کا ہاتھ زور سے جھٹک دے۔۔۔ لیکن خلاف توقع سالار نے یہ بھی نہ کیا تو ان کی ہمت بڑھی۔

"سالار لوٹ آؤ زندگی کی جانب۔۔۔ میرے لیے نہ سہی اپنے لیے۔" اور اس کا شانہ ذرا سا ہلانا چاہا تو وہ کسی بے جان ہلکے سے وجود کی طرح لڑھک کے دوسری جانب ہو گیا۔

"سالار۔۔۔" وہ زور سے چلائیں اور وحشت زدہ سی ہو کے اس کی ادھ کھلی ویران بنجر آنکھوں کو دیکھنے لگیں اور پپڑی زدہ سفید ہونٹ۔۔۔

"سالار۔۔۔" وہ اس کے دھڑکن سے محروم سینے پہ سر رکھ کے رونے لگیں۔

☆ ☆ ☆
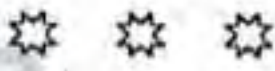
رات کا دوسرا پہر تھا۔ سلمیٰ برابر والی ماسی جو دایہ بھی تھی' اس کے ساتھ کب کی اس اکلوتے کمرے میں بند زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی اور فکر مند سی ام ہانی اس کے دونوں بچوں کے ہمراہ صحن میں بھی دعائیں مانگتی۔ کبھی بچوں کو بہلاتی۔ کمرے سے کسی نئی زندگی کی پہلی آواز سننے کی منتظر تھی۔ سلمیٰ کے چھوٹے والے گود کے بچے کو تو تھپک تھپک کے اس نے سلا ہی دیا تھا۔۔۔ مگر بڑی والی قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"روؤ نہیں' ابھی آ جائیں گی تمہاری اماں تمہارا چھوٹا سا بھائی لے کر۔۔۔ میں ہوں نا' تمہارے پاس سو جاؤ۔" اس نے بچے کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"مجھے نیند نہیں آتی اماں کے بغیر۔"

"اچھا چلو۔۔۔ میں تمہیں کہانی سناتی ہوں۔" ام ہانی نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور کہانی بنانے لگی۔

"ایک بڑے سے محل میں ایک شہزادی رہتی تھی اور ایک شہزادہ۔۔۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ شہزادی روتی تھی تو شہزادہ بھی رو دیتا تھا۔۔۔ شہزادہ مسکراتا تھا تو شہزادی کے ہونٹوں پہ ہی خود بخود مسکراہٹ آ جاتی تھی۔ پھر ایک دن شہزادی کو ایک بادشاہ نظر آیا۔ سونے کا بنا ہوا بادشاہ۔۔۔ اتنا چمکیلا' اتنا روشن کہ شہزادی کی آنکھیں اسے دیکھ کے چندھیا گئیں اسے کچھ اور نظر ہی نہ آیا' اس سونے کے چمکتے دمکتے بادشاہ کے علاوہ۔۔۔ پھر وہ سونے کا بنا بادشاہ' اسے محل سے نکال کے اپنے بڑے سے قلعے میں لے گیا۔

سونے کے بنے بادشاہ کا پتھروں سے بنا قلعہ.... شہزادے نے بہت کوشش کی اسے روکنے کی.... مگر شہزادی نہ مانی.... نہ رکی.... چلی گئی سونے کے بادشاہ کے ساتھ اور جب بادشاہ نے اسے پتھروں سے بنے اس قلعے میں قید کر دیا تو شہزادی کو پتا چلا کہ وہ بادشاہ تو سونے کا نہیں۔ آگ کا بنا ہوا ہے۔ بھڑکتے شعلوں سے.... پھر شہزادی ایک دن اس سنگلاخ قلعے سے بھاگ گئی اور اور وہ بادشاہ وہیں اپنی ہی آگ میں جلتا رہا۔ جلتا رہا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھسم ہو جانے کے لیے۔"

☼ ☼ ☼

رات کا آخری پہر تھا۔

سالار کی میت اس بڑے سے سنسان گھر کے وسط میں رکھی تھی۔

سفید چادر سے ڈھکی اور سرہانے اماں کے علاوہ کوئی اور ذی روح نہ تھا اس میت پہ آنسو بہانے والا۔

انہیں ہوش نہ تھا عزیز و اقارب کو خبر کرنے کا.... پرانے وفادار ملازم بساط بھر انتظامات کرنے اور ہر جگہ اطلاع پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

بچہ سو چکا تھا مگر کہانی سنانے میں مگن ام ہانی کو احساس نہیں تھا۔

وہ اپنی رو میں کہتی کہانی کے انجام تک جا رہی تھی۔

"شہزادہ اب بھی شہزادی کو ڈھونڈ رہا ہے اور شہزادی کو اب احساس ہو چکا ہے کہ وہ تو اس شہزادے کے بنا کچھ ہے ہی نہیں مکمل تو کیا ادھوری بھی نہیں.... کچھ بھی نہیں ہے وہ لیکن اب...."

"اچانک فضا میں کسی نومولود بچے کے رونے کی آواز گونجی اور ام ہانی نے چونک کر کوٹھڑی کے بند کواڑوں کو دیکھا، جھلمل کرتی نم آنکھوں میں مسکراہٹ کوندی.... اور جھک کر سوتے ہوئے بچے کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے اس نے شکرانے کا کلمہ ادا کیا اور آہستگی سے بچے کا سر اپنے زانو سے تکیے پہ منتقل کرتے ہوئے اندر جانے لگی۔

درد کے باوجود سلمٰی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔

ام ہانی نے کمبل میں اپنے ننھے سے نرم و گلابی وجود کو گود میں لیتے ہوئے پیار سے چوم کر کہا۔

"مبارک ہو سلمٰی.... ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔"

"آپ کے قدموں کی برکت سے بی بی۔"

"ایسے نہیں کہتے سلمٰی۔" ام ہانی نے جھٹ سرزنش کی۔

"اللہ کا کرم ہے یہ.... نام کیا سوچا ہے اس کا؟"

"ابھی تک تو کوئی نہیں پہلے کا میں نے رکھا تھا دوسرے کا خدا بخش نے اب اس کا نام آپ رکھیں۔"

"میں....؟"

"ہاں بی بی آپ ہی رکھیں گی جو نام بھی آپ کو اچھا لگے۔" ام ہانی چند لمحے تک گود میں سوئے چندی آنکھوں والے بچے کو دیکھتی رہی اور جب بچہ نیند میں ہلکا سا مسکرایا تو اس کے ہونٹوں پہ بھی مسکراہٹ دھوپ کی طرح پھیل گئی۔

"مجھے جو نام دنیا میں سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے وہی نام رکھوں گی.... سعد۔"

"سعد صاحب...." سلمٰی چونک کر بڑبڑائی۔

"یہ سعد ہے۔" ام ہانی کی انگلی اب ننھے سعد کی مٹھی میں قید تھی۔

"سعد۔"

☼ ☼ ☼

میں نیند سے ہڑبڑا کے جاگا تھا۔ یہ کوئی وہم نہیں تھا۔

مجھے واقعی اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے بہت واضح انداز میں میرا نام پکارا تھا۔ ویسے ہی.... جیسے وہ پکارا کرتی تھی۔

"سعد...." میں بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"ہنی تم نے پکارا مجھے۔" میں بڑبڑایا اور تبھی دروازے پہ دستک سن کر بے تابی سے دروازہ کھولنے لپکا۔

اب مجھے یقین ہو گیا ام ہانی نے ہی پکارا تھا مجھے.... وہ ضرور واپس لوٹ آئی ہے۔

اور دروازہ کھولتے ہی سامنے ابو کو دیکھ کے میں ٹھنڈا سا ہو کر وہیں تھم گیا۔

ان سے پوچھ تک نہ سکا کہ صبح کی پہلی پو پھٹنے سے ہی پہلے وہ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ ابو بھی حد درجہ سنجیدہ لگ رہے تھے۔ میری جانب سے کسی سوال کے نہ آنے پہ خود ہی بتانے لگے۔

"سالار کی والدہ کا فون آیا تھا۔"

"ہنی لوٹ آئی ہے کیا؟"

میں پھر سے بے چین ہو گیا یہ تک فراموش کر بیٹھا کہ ہنی کے تمام رشتے اب اس شخص، اور اس کے گھر سے ختم ہو چکے ہیں.... وہ واپس لوٹی بھی تو وہاں کیا کرنے جائے گی بھلا۔

"سالار کا' دماغ کی شریان پھٹنے کے نتیجے میں رات کو انتقال ہو گیا ہے۔"

☼ ☼ ☼
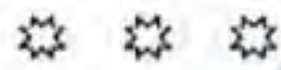
ام ہانی فجر کی نماز کے بعد دو گھنٹے کی نیند لے کر اٹھی.... رات تو آنکھوں میں کٹ ہی گئی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی اس نے نوزائیدہ سعد کو پنگوڑے میں گہری نیند سوتے دیکھا.... سلمٰی کہیں نہیں تھی.... ہانی کو افسوس سا ہوا اسے بے وقت نہیں سونا چاہیے تھا بلکہ سلمٰی کے لیے ناشتے وغیرہ کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔

جلدی سے چپل پہنتے باہر نکلی تو سلمٰی صحن میں رات کی باسی روٹی کے ٹکڑے توڑ توڑ کے چڑیوں اور کوؤں کے لیے پھیلا رہی تھی۔

"سلمٰی تم یہاں کیا کر رہی ہو.... تمہیں ابھی بستر سے نہیں اٹھنا چاہیے تھا۔"

"کچھ نہیں ہوتا بی بی.... مجھے عادت ہے۔ کون سا پہلا بچہ ہے ہم غریب لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ آرام ہمیں راس نہیں آتا الٹا اور بیمار پڑ جاتے ہیں۔" وہ ہنسی اور اپنے شغل کو جاری رکھا۔

"مگر ایسا بھی کون سا ضروری کام تھا یہ جو تم آج کا دن بستر پہ نہیں ٹک سکتی تھیں۔"

"کیسے رہتی بستر پہ.... میں روز چڑیوں اور کوؤں کو باجرہ یا روٹی ڈالتی ہوں بی بی.... جس دن سے آپ آئی ہیں یہاں پہ آپ کے نام کا صدقہ ہوتا ہے۔ تاکہ آپ پہ آئی ہر بلا ٹل جائے۔"

"اوفوہ سلمٰی.... اس وقت تمہارے لیے آرام زیادہ ضروری تھا۔ ایک دن صدقہ نہ دینے سے کچھ نہیں ہو گا۔"

"کچھ تو ہوا ہے بی بی۔" وہ سوچتی نظروں سے آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کچھ ہوا ضرور ہے۔ دیکھو ناں بی بی سارا باجرہ.... ساری روٹیاں ایسے ہی پڑی ہیں ایک بھی چڑیا یا کوا لینے کے لیے نیچے نہیں اترا۔" اس کی بات ام ہانی کے پلے نہ پڑی۔

"اس کا بھلا کیا مطلب ہوا سلمٰی؟"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جو پچھلے کچھ دنوں سے آپ کا صدقہ دے رہی ہوں۔ وہ اللہ نے قبول کر لیا ہے۔ آپ پہ آئی بلا ٹل گئی ہے۔" اس کی بات سن کے ام ہانی نے بھی نظر اٹھا کے آسمان پہ اڑتے پرندوں کو دیکھا۔

"اللہ نے آپ کو اپنی سلامتی میں لے لیا ہے بی بی۔" سلمٰی کی بات پہ اس کا دل بھی ایمان لے آیا تھا۔

"اللہ نے آپ کو اپنی سلامتی میں لے لیا ہے بی بی۔" اب ام ہانی کے چہرے پہ طمانیت کا نور پھیل گیا۔ ایک عرصے کے بعد خود اس نے بھی اپنا آپ ہلکا پھلکا سبک سا محسوس کیا۔

☼ ☼ ☼

"کیوں جاؤں میں؟ بلکہ آپ بھی کیوں جانا چاہتے ہیں ابو؟" میں ان سے الجھ رہا تھا جو بلاوجہ کی مروت اور لحاظ دکھانے پہ مصر تھے۔

"ہمارا اس شخص سے کیا تعلق؟ کیا واسطہ؟" میں نے سوال کیا تو ابو بردباری سے کہنے لگے۔

"انسانیت کے ناتے سعد ہمارے گھر سے کسی ایک

کو تو اس کی آخری رسومات میں شریک ہونا چاہیے۔" امی نے بھی میری ہی تائید کی۔
"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے سعد ہمارا کوئی فرض نہیں ہے وہاں جانا۔"
"نائلہ سالار اپنی اچھائیوں اور برائیوں سمیت اس دنیا سے چلا گیا ہے وہ جانے اور اس کا خدا میں تو اس کی والدہ کے خیال سے جانا چاہ رہا تھا۔ وہ بزرگ ہیں اور غم کے اس موقع پہ بالکل تنہا ہمیں ان کو پرسہ دینا تو جانا چاہیے۔" ان کی اس بات پہ بھی میں قائل نہ ہو سکا۔
"آپ جانا چاہتے ہیں تو جائیں ابو.... میں نہیں جا سکتا۔ میں نہیں چاہتا ایک مرے ہوئے شخص کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی بجائے میرے دل سے اس کے لیے وہ بددعا نکلے جو آخرت میں بھی اسے چین نہ لینے دے.... میں نہیں جاؤں گا۔ آپ جائیں ثواب کمائیے۔"
حتمی لہجے میں کہہ کر میں وہاں سے نکل آیا.... مبادا وہ مزید اصرار نہ کریں۔
"میں نے ٹھیک کیا ناں تانیہ؟" اب میں تانیہ سے تائید چاہ رہا تھا۔
"ہاں.... دل نہ مانے تو نیکی بھی کرنے کا فائدہ نہیں"۔ وہ تو یوں بھی میری ہر بات میں میرے ساتھ ہی ہوتی تھی۔
"ہنی اتنی اچھی ہے تانیہ کہ اس کے ساتھ برا کرنے والے کا جی ہی نہیں چاہا ہو گا زندہ رہنے کو۔"
"ہاں سعد اور وہ اتنی اچھی ہے کہ اس نے چاہ کے بھی سالار کو کوئی بددعا تک نہیں دی ہو گی۔ اسے ہانی کی آہ نہیں لے ڈوبی.... وہ شاید پچھتاوے کی مار نہیں سہہ پایا۔" تانیہ کی بات پہ میں نے سر ہلایا۔
"ٹھیک کہتی ہو.... وہ کمزور دل کا مالک تھا مجھے دیکھو جی رہا ہوں اس کے بغیر۔"
"اچھا؟" تانیہ نے جتاتی نظروں سے مجھے گھورا۔
"جی رہے ہو؟" میں نظر چرا گیا اس کے سوال پہ۔
"پتا ہے سعد.... تم میں اور سالار میں بہت فرق ہے۔ ہانی نے اسے چھوڑا تو اس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اس کی واپسی کا انتظار کرتا.... وہ جانتا تھا کہ وہ اسے کھو چکا ہے.... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لیکن تمہارے پاس امید ہے، حوصلہ ہے اور یہ یقین کہ اس کے دل میں بھی تمہارے لیے محبت ہے۔ وہ لوٹے گی سعد.... اس لیے تمہیں تو جینا ہی پڑے گا.... ہر حال میں۔"
"ہاں۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"صحیح کہتی ہو.... مجھے تو جینا ہی ہے۔" اور پھر گردن موڑ کے اسے دیکھ کے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"مگر تمہیں کیوں مرنا ہے میرے ساتھ؟ واپس کیوں نہیں چلی جاتیں۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ ایک عرصے کے بعد....
"جاؤں گی.... چلی جاؤں گی.... ابھی سے تنگ آ گئے ہو مجھ سے؟ اچھا ہوا جو میں نے تم سے شادی نہیں کر لی۔ تمہیں تو چند ہی دنوں میں بری لگنے لگی ہیں.... خدا نا خواستہ ہماری شادی ہو گئی ہوتی تو آج تم مجھے.... یعنی اپنی بیوی کو یہی کہہ رہے ہوتے کہ واپس کیوں نہیں چلی جاتیں تم.... شکر ہے بچ گئی میں۔" وہ پھر سے ہنسی۔
اور اس بار اس کی ہنسی میں چھپا کرب مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

☼ ☼ ☼

"کیا سوچ رہی ہو نائلہ؟" جنازے سے واپس آنے کے بعد رضوان نے نائلہ کو کسی سوچ میں ڈوبا پا کے پوچھا۔
"تانیہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس نے مجھے محبت کے نئے معنی سکھائے ہیں.... میں ماں ہوں سعد کی لیکن اس کے معاملے میں میرا دل کتنا تنگ ہو گیا تھا اور تانیہ.... اس کا دل کتنا کشادہ ہے۔"
"جو محبت کرتے ہیں ان کے دل کشادہ ہی ہوتے ہیں.... خود بخود وسیع ہو جاتے ہیں نائلہ.... اب ام ہانی کو دیکھو نجانے کہاں دربدر ہو رہی ہو گی۔ کیا کیا مصیبتیں اٹھا رہی ہو گی صرف اور صرف سعد اور تانیہ کی محبت میں اور تمہاری عزت میں بھی۔" نائلہ رو

پڑیں۔

"نہ یاد دلائیں مجھے... مجھے ایک پل چین نہیں ہے رضوان... جب تک وہ صحیح سلامت واپس نہیں آ جاتی میں یونہی کانٹوں پہ دن اور انگاروں پہ رات بسر کروں گی۔ میری وجہ سے ہوا یہ سب صرف اور صرف میری کم ظرفی کی وجہ سے 'پتا نہیں وہ کبھی مجھے معاف بھی کرے گی یا نہیں؟"

"تم نے اتنے سال اسے پالا ہے نائلہ... اتنا بھی نہیں جانتیں اس کے بارے میں؟ کیا تمہیں اس سے معافی مانگنے کی ضرورت پڑے گی؟ کیا وہ تمہیں اس کا موقع دے گی۔"

☼ ☼ ☼

"چار ماہ بعد"

"یہ لے خدا بخش... پراٹھے۔" خدا بخش دھلا دھلایا استری کیا کلف لگے کی شلوار قمیص پہنے 'تیل لگا کے بال سنوارے ہوئے کہیں جانے کے لیے بالکل تیار تھا جب سلمٰی نے دسترخوان میں باندھا ہوا اسے پکڑایا۔

"راستے میں کھالینا۔"

"ہاں... لادے... بازار کا کھانا ایک تو مہنگا اور اوپر سے خراب 'اچھا ذرا بی بی کو بلا بات کرنی ہے میں نے۔"

"میں آ ہی رہی تھی خدا بخش بھائی۔" ہانی سر پہ دوپٹا درست کرتی اندر سے نکلی۔

"بی بی میں شہر جا رہا تھا۔ سوچا آپ سے پوچھ لوں اگر اس بار بھی آپ نے تصویریں بنانے کے لیے رنگ اور برش منگوانا ہو تو بتا دیں۔"

"نہیں... مگر ایک اور کام ہے۔"

ہانی نے دیوار کے ساتھ زمین پہ رکھی دو پینٹنگز اٹھا کے اسے تھمائیں۔

"جو سامان آپ پچھلی بار لائے تھے اس سے میں نے یہ تصویریں بنائی ہیں آپ شہر جا رہے ہیں تو ان کو وہاں بیچ آئیں۔"

"ٹھیک ہے بی بی۔" خدا بخش نے بڑی احتیاط سے پینٹنگز سنبھالیں۔

"اور ان سے جو پیسے ملیں ان سے میرے سکول کے بچوں کے لیے کچھ کتابیں لے آئیں... میں نام لکھ دیتی ہوں۔"

"ہانی بی بی... دو ہفتے ہوئے ہیں آپ کو وہ سکول کھولے اور آدھے گاؤں کے بچے آپ سے پڑھنے لگ گئے۔ بڑا ہی اچھا کیا آپ نے یہ سکول کھول کے۔" سلمٰی کی بات پہ وہ مسکرائی۔

"ہاں... میں نے سوچا زیور بیچ بھی دوں تو کتنے دن چلے گا۔ اچھا ہوا یہ زیور بیچ کر میں نے اسکول کھول لیا... اچھا خدا بخش بھائی... میرا ایک اور کام کریں گے آپ؟"

"حکم کریں بی بی؟"

"اگر ہو سکے تو واپسی پہ حویلی ہوتے آئیں... سب کی خیریت بھی معلوم کر لیں اور... اور ایک بات اور بھی ہے جو میں جاننا چاہ رہی ہوں... لیکن یہ دھیان رکھیے گا کہ کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ میں کہاں ہوں۔"

"آپ فکر نہ کریں... بس مجھے بتا دیں کیا پتا کروانا ہے اور کس سے کروانا ہے۔"

☼ ☼ ☼

مہ پارہ فون پہ نائلہ سے بات کر رہی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بھابھی... بس آپ سب بہت یاد آتے ہیں۔" دوسری جانب سے خدا جانے نائلہ نے کیا پوچھا تھا کہ مہ پارہ لجاسی گئی۔

"جی... وہ تو بہت خیال رکھتے ہیں میرا... بہت اچھے ہیں وہ... بس جگہ نئی ہے نا... تو دل لگتے لگتے ہی لگے گا۔ آپ سب اور حویلی بہت یاد آتی ہے۔"

نائلہ نے شاید نئی تصویروں کی فرمائش کی تھی اب...

"ہاں جی بھابھی بھیجتی ہوں نئی تصویریں... ان سے کہوں گی تانیہ کو اسی پہ بھیج دیں... وہ کیا ہے۔ ہاں

فیس بک۔۔۔ ارے ہاں! ایسے ہیں ثانیہ اور سعد دونوں۔"
کافی کے دو مگ اٹھائے اندر آتے اسلم صاحب نے مہ پارہ کو یہ سوال کرتے بھی دیکھا اور جو جواب بھی اس نے سنا تھا۔۔۔ اس کے ردعمل پہ مہ پارہ کے چہرے پہ ملال اترتے بھی دیکھا۔
"اللہ ام ہانی کو جلد ہم سب سے ملوا دے۔ بھائی صاحب کو سلام کہیے گا میرا۔ اللہ حافظ۔"
اس نے پژمردگی سے فون بند کر کے رکھا تو اسلم صاحب نے مسکراتے ہوئے کافی کا مگ آگے بڑھایا۔
"مجھے پتا تھا میری نئی نویلی دلہن میکے والوں سے بات کرنے کے بعد کافی اداس ہوگی اس لیے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے میں اپنے ہاتھوں سے کافی بنا کے لایا ہوں۔"
"بھابھی بتا رہی تھیں۔۔۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا ان لوگوں نے ہانی کو۔۔۔ اخباروں تک میں اشتہار دیے مگر۔۔۔"
"صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے مہ پارہ۔"
"کبھی سوچا بھی نہیں تھا میری زندگی میں آپ کی صورت اتنا خوش گوار موڑ آئے گا اور آج میں اپنے گھر خوش باش ہوں تو میکے کی کسک چین نہیں لینے دیتی۔۔۔ کاش وہاں سب ٹھیک ہو جائے پہلے جیسا۔" انگلی کی پور سے مہ پارہ نے پلکوں تک آجانے والے آنسو صاف کیے۔
"زندگی اسی کا نام ہے مہ پارہ۔۔۔ سب کچھ بالکل پرفیکٹ تو کبھی بھی نہیں ہوتا۔۔۔ ثانیہ ہمیشہ یہ چاہتی تھی کہ میں اپنی زندگی کو مکمل کروں۔ بلکہ اسے ایک مکمل فیملی دوں اور آج میری زندگی میں تم ہو۔ اس کی زندگی میں ماں ہے۔۔۔ مگر وہ ماں کی محبت لینے کے لیے ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"
اسلم صاحب بھی اداس ہو گئے تو مہ پارہ کو افسوس ہوا۔ جو شخص سارا دن اس کے ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ لانے کے جتن کرتا رہتا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اکثر اسے اداس کر بیٹھتی تھی۔
"وہ آئے گی۔ ان شاء اللہ ضرور آئے گی۔" مہ پارہ نے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے دلاسا دیا۔
"مگر اپنا وعدہ پورا کرنے کے بعد۔۔۔ سعد اور ام ہانی کو ایک کر دینے کے بعد۔"

☼ ☼ ☼

پتوں کی سرسراہٹ پر مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی ان سوکھے پتوں کے فرش پہ چلتا میری جانب آ رہا ہے۔ بنا مڑ کے دیکھے بھی میں جان سکتا تھا کہ یہ ثانیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔
"یہاں کیا کر رہے ہو؟" عجیب بے تکا سوال کیا اس نے "غالباً" محض مجھے مخاطب کرنے کے لیے یونہی بات برائے بات' ورنہ وہ جانتی تھی میں اس کھنڈر میں کیوں آتا ہوں۔
دیوار پہ ہاتھ پھیر کے کچھ تلاش کرتے ہوئے میں نے جواب دیا۔
"خالی جگہ تلاش کر رہا ہوں ثانیہ۔"
"خالی جگہ۔"
"تم جانتی تو ہو کہ میں نے ہمیشہ تب تب یہاں ان دیواروں پہ اپنا اور ہنی کا نام لکھا ہے' جب جب ہی ہر جھگڑے کے بعد ہماری صلح ہوتی تھی۔ ہم جب دوبارہ ملیں گے تو یہاں میں ایک بار اور اس کا اور اپنا نام لکھوں گا۔"
"ہاں۔۔۔ ایک بار اور۔۔۔ آخری بار۔" وہ میرے سامنے آ کے اس دیوار سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔
"آخری بار؟" میں چونکا۔
"ہاں کیونکہ اس کے بعد تم کبھی اسے روٹھنے نہیں دو گے۔" وہ پورے اعتماد سے مسکرائی اور پھر مڑ کے خود بھی دیوار پہ خالی جگہ تلاش کرنے لگی۔
"لاؤ۔۔۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔ ایک ہی بار تو لکھنا ہے نا بھلا زیادہ سے زیادہ کتنی جگہ چاہیے ہوگی۔"
اس کی مسکراہٹ ہمیشہ میرے دل کو دلاسا دیتی تھی۔ میں بھی نئے حوصلے کے ساتھ کوئی خالی کونا ڈھونڈنے لگا۔
"لو یہ رہا اب یاد رکھنا اس پہ لکھنا ہے تم نے' نام ۔"

☼ ☼ ☼

"ہاجرہ۔" نائلہ نے بہت دیر سے ہاجرہ کو کسی کام کا کہہ رکھا تھا مگر وہ تھی کہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

"ہاجرہ کہاں رہ گئی تھی تم؟" اسے باہر سے آتے دیکھا تو جھنجلا کے پوچھنے لگیں۔

"تم سے کہا تھا کہ دھوبی سے آئے سب کپڑے میرے سامنے ہر ایک الماری میں لگاؤ... میں کب سے سعد کے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"جی میں آ رہی تھی مگر باہر سے کسی مسافر نے گزرتے گزرتے صدا لگائی تھی اسے روٹی پانی دے رہی تھی۔"

"اوہ... اچھا... یہ صدقہ۔" ابھی دے دینا تھا۔ جمعرات ہے آج۔"

"نہیں جی... صدقہ لینے والا نہیں تھا وہ... بس گھر کی دال روٹی مانگی تھی اس نے، ویسے مجھے لگ رہا تھا اسی علاقے کا ہی رہنے والا ہوگا، پیچھے سے پوچھ رہا تھا کہ حویلی میں جو شادی ہوئی تھی چھوٹے صاحب کی وہ ہوگئی۔"

"کمال ہے مسافر تھا اور یہ تک جانتا تھا اچھا تم جاؤ۔ وہ سب کپڑے اب صدیقہ کے ساتھ مل کے سنبھالو... میں ذرا سعد کو دیکھوں... صبح کا نکلا اب نظر آیا ہے۔"

☼ ☼ ☼
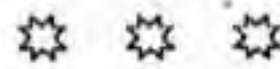
امی نے تو بہت سی باتوں کے دوران یونہی بر سبیل تذکرہ وہ بات بھی بتا دی۔ ان کی عادت تھی شاید میرا دھیان بٹانے کو سارے دن کی روداد مجھے سناتی رہتی تھیں۔ مگر میں بری طرح چونک گیا۔

"اور آپ اسے یہ سلی نہیں لے رہیں پتا تو کرنا تھا کہ کون ہے... کہاں سے آیا؟"

"ارے... کوئی مسافر تھا... گزر رہا تھا تو کھانا مانگ لیا۔ سب جانتے ہیں... اس حویلی سے مسافروں کو کسی بھی وقت کھانا مل جاتا ہے۔"

"لیکن امی... " میں الجھ گیا تھا۔

"یہ بات چونکانے والی ہے کہ وہ کون تھا جو اس طرح کی معلومات لیتا پھر رہا تھا... کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اسے... اور کیا تعلق ہے اسے اس بات سے کہ اب تک میری شادی ہوئی ہے یا نہیں۔" مگر امی نے اسے خاص توجہ نہ دی... اسی بے فکری سے مجھے کہنے لگیں۔

"غریب لوگ ہیں سعد... آس ہوتی ہے انہیں کہ ہم شادی بیاہ کی خوشی میں کچھ دے دلا دیں۔"

"پھر بھی امی... یہ بات کچھ..."

"کہا نا سعد... ایسی کوئی سر پہ سوار کرنے والی بات نہیں ہے... ہوگا کوئی..."

☼ ☼ ☼

"ارے... ایسے نہیں... لائن کے بالکل اوپر... اور پھریوں کر کے گھما دو تھوڑا سا۔" ام ہانی سلمیٰ کے بیٹے کو ہاتھ پکڑ کے لکھنا سکھا رہی تھی۔ یہ ہی مشغلہ تھا اس کا دن رات... دن کو اپنے چھوٹے سے ایک کمرے کے اسکول میں پڑھاتے رہنا بچوں کو اور رات کو سلمیٰ کے بچوں کو اگلے دن کی بھی پیشگی تیاری کرانا۔ سلمیٰ کو ساگ سر پہ اٹھا کے اندر لاتے دیکھا تو بڑی خوشی سے اطلاع دی۔

"سلمیٰ... تمہارا بیٹا ماشاء اللہ بہت ذہین ہے۔ بہت جلدی سیکھ جاتا ہے۔ دیکھنا... یہ میرا سب سے ہونہار اور لائق فائق شاگرد نکلے گا۔"

"اللہ آپ کو اجر دے گابی بی..." اس نے ساگ کی گٹھڑی اتار کے کونے میں رکھی اور پھر ساتھ ہی درانتی سنبھال کے پیر کے انگوٹھے میں پھنسالی۔

"خدا بخش آتا ہوگا... اسے ساگ بڑا پسند ہے۔ آپ کھالیں گی بی بی یا کچھ اور بنا دوں؟"

"کھالوں گی سلمیٰ... بس ذرا مرچ تیز کرنے سے پہلے اور مکھن ڈالتے ہوئے میرے لیے ایک کٹوری نکال کے الگ کر دینا۔"

"ہاں بی بی... مجھے دھیان ہی نہیں رہتا کہ آپ

ہلکے مسالے کھاتی ہیں... اچھا ہوا آپ نے یاد دلا دیا۔ وہ خدا بخش کی زبان بڑی چٹوری ہے' اس کو مرچیں بھی لپ بھر کے چاہییے اور مکھن بھی چوتا ہوا۔"

"تمہیں پتا ہے سلمیٰ... یہ میرا اس اسکول کا سب سے پہلا اسٹوڈنٹ ہے۔" ام ہانی کی توجہ پھر سے حرف حرف توجہ سے لکھتے بچے پہ گئی۔

"ابھی تو منے کو بھی پڑھانا ہے' بس تین سال کا ہو جائے... کب ہو گا؟"

"چار مہینے بعد..." ساگ کاٹتی سلمیٰ نے حساب لگا کے بتایا۔

"اور سعد... اسے تو میں اسی وقت پڑھانا شروع کر دوں گی' جب وہ بولنا سیکھے گا۔" ام ہانی نے چند مہینے کے سعد کو محبت سے دیکھا' جو بڑے سے نواڑی پلنگ سے جھولتی چادر میں سو رہا تھا۔

"ہائے اللہ بی بی... آپ نے کوئی ساری عمر یہاں تھوڑا ہی بیٹھنا ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہے نا آپ سے... کہ ان تینوں کو ضرور پڑھاؤں گی... اپنے اور خدا بخش کی طرح جاہل نہیں رکھوں گی... لیکن اللہ کرے آپ جلدی واپس حویلی میں چلی جائیں' اپنوں کے پاس... اور ساتھ خیریت کے..." سلمیٰ کی خلوص سے دی گئی دعا بھی اسے اداس کر گئی۔

"چلی جاؤں گی سلمیٰ... چلی جاؤں گی ایک دن... مگر..." پھر چونکی... "فوراً" خدا بخش کا دھیان آیا۔ اسے خبر لانے کا کام سونپا تھا۔

"خدا بخش بھائی کب تک واپس لوٹیں گے۔"

"آنے والا ہو گا۔"

"اللہ کرے... میرا کام کر دیا ہو انہوں نے... اور وہی خبر لے کر لوٹیں... جو میں چاہتی ہوں اور جس کے ہونے کی اتنے دن سے دعائیں کر رہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"شعیب..." میں اتنے سالوں بعد اسے سامنے پا کے خوشی سے آگے بڑھا۔

پرانے دوست بھی کیا چیز ہوتے ہیں۔ دل پہ پڑے بوجھ کو صرف اپنے ہونے کے احساس سے پل بھر میں سرکا دیتے ہیں' میں نے تب ہی دکھ کی اس کیفیت سے خود کو ذرا کی ذرا نکلتے محسوس کیا تھا جب کل شعیب کی کال آئی تھی اور اس نے بتایا تھا کہ وہ پاکستان آیا ہوا ہے اور مجھ سے ملنے آ رہا ہے۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے تمہیں اتنے سال بعد اپنے سامنے دیکھ کے۔" اس کے گلے لگتے ہوئے میں نے دل سے کہا تھا' مگر وہ عجیب کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"اچھا۔" اس نے تعجب کا برملا اظہار کیا۔

"لگتا تو نہیں کہ تو خوش ہے۔" اور کہہ بھی دیا۔

"اور خوش کیسے ہو سکتے ہیں۔" میں نے مقدور بھر مسکرانے کی کوشش کی' مگر وہ دوست تھا اندر تک اترا ہوا۔ کیسے دھوکا کھا جاتا۔

"سعد۔ کیا ہوا؟" اس نے وہ سوال کیا جس کے لیے میں ذہنی طور پر تیار تو تھا اور منتظر بھی... مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی چھوٹتے ہی پوچھ لے گا۔ میرے پاس اس کے سوال کے جواب میں اپنی کھوکھلی مسکراہٹ کو طول دینے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

"تمہاری وہ مسکراہٹ کیا ہوئی سعد۔ اتنا جبر کر کے کیوں مسکرا رہے ہو۔"

"اب جی بھی جبر کے ساتھ رہا ہوں تو مسکراؤں گا بھی تو جبر کے ساتھ۔" ہار مان کے میں نے اس کے سامنے دل کھول رہا۔

"سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں خدا کرے خیریت ہی ہو۔ تم بیٹھو میں بتاؤں گا تمہیں سب تفصیل سے۔"

"ہاں ہاں بیٹھوں گا بھی۔ تمہارے گزرے سالوں کی ساری کتھا بھی سنوں گا۔ آنٹی کے ہاتھ کا کھانا بھی کھاؤں گا اور رات کو تمہاری حویلی کی چھت پہ کھلے آسمان کے نیچے پلنگ پر سوؤں گا بھی' مگر پہلے تو یہ تو لے۔" اس نے ایک ملفوف تحفہ میری جانب بڑھایا کوئی پینٹنگ لگ رہی تھی۔

"تحفہ لایا ہوں' میں تمہارے لیے؟"

"واہ یار... تم کب سے ان تکلفات میں پڑ گئے۔" مجھے ہنسی سی آ گئی۔ وہ کبھی بھی ایسا نہیں تھا ایسے تکلفات اور مروت لحاظ کا خیال رکھنے والا۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔ مجھے خیال تک نہ آیا تھا کہ وطن واپس جا رہا ہوں تو سب کے لیے کچھ نہ کچھ لیتا جاؤں۔ بس من چاہا تو ٹکٹ کٹائی۔ دو جوڑے رکھے اور خالی ہاتھ لہراتا آ گیا۔ یہ تو لاہور میں ایک جگہ اتفاق سے اس پینٹنگ پر نظر پڑی پتا نہیں کیوں مجھے لگا یہ تمہارے لیے لینی چاہیے تو لے لی۔"

"وہی تو... کہاں سے لگ گئی یہ لت تمہیں کسی کے لیے کچھ لینے کی۔"

"اچھا بھئی۔ میں واپس لے جاؤں گا۔" وہ پیکنگ کھولنے لگا۔

"مگر تو دیکھ تو سہی۔ یہ منظر بالکل ایسا ہے جیسے تمہاری حویلی کی چھت سے نظر آتا نہر کا منظر، دیکھ ذرا۔" اور تصویر دیکھتے ہی میں دنگ رہ گیا۔ واقعی کسی نے بالکل ہو بہو وہی منظر کینوس پہ اتارا تھا۔ میں کیسے دھوکا کھا سکتا تھا۔

یہ منظر سالوں سے دیکھتا آ رہا تھا۔

وہی منڈیر... وہی نہر... وہی درخت... وہی راستے... اور... اور وہی نام۔ پینٹنگ کے کونے میں ام ہانی کے دستخط دیکھ کے میں پتھر کا ہو کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"آپ نے ٹھیک طرح سے پوچھا تھا نا؟" ام ہانی کو دھڑکا سا تو تھا، مگر پھر بھی یہ جواب سن کے وہ مایوس اور دل گرفتہ سی ہو گئی۔ یقین نہیں آ رہا تھا بھلا سعد اس سے کیا وعدہ کیسے توڑ سکتا ہے۔

"ایک ہی بیٹا ہے حویلی کا... سعد... نام لے کر پوچھنا تھا۔" اس نے پھر سے تسلی چاہی۔ مبادا خدا بخش کو ہی مغالطہ ہوا ہو۔

"بی بی وہیں جما پلا ہوں ساری حویلی کو جانتا ہوں اور میں نے حویلی کی ملازمہ سے پوچھا تھا اس نے بتایا کہ شادی تو ان کے دادا کی وفات پہ پانچ مہینے پہلے رک گئی تھی۔ پھر ہوئی ہی نہیں اب تک۔" یہ سن کر وہ مایوس سی سے ڈھے سی گئی۔

"ٹھیک ہے۔" مرے مرے لہجے میں وہ بمشکل کہہ پائی۔

"شکریہ خدا بخش بھائی۔" خدا بخش کے جانے کے بعد سلمیٰ اس کے پاس آئی۔

"کیا ہوا بی بی؟" ام ہانی ایک زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کے کہنے لگی۔

"سلمیٰ۔ لگتا ہے تمہارے بچوں کی قسمت میں مجھ سے ہی پڑھنا لکھا ہے، میں ساری عمر یہیں رہنے والی ہوں تمہارے پاس... سعد کے پاس۔"

"ایسا نہ کہیں بی بی میرے دل سے پوچھیں آپ کے قدم کتنے مبارک ہیں میرے اس کچے کوٹھڑے میں، لیکن دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ آپ واپس اپنوں میں جا کے بس جائیں۔" وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ کچی زمین پہ انگلی سے لکیریں کھینچتی رہی۔

"بی بی ابھی ابھی خدا بخش آیا ہے اور اب سویرے پھر جانے کا کہہ رہا ہے۔ کہہ رہا ہے عرس ہے کل۔"

"تو کیا صرف مجھے یہ اطلاع دینے کے لیے انہوں نے اتنی زحمت کی... اوہ۔" اسے تاسف سا ہوا۔

"نہیں نہیں بی بی۔ اسے پہلے پتا نہیں تھا کہ عرس کل ہے اب پتا چلا تو اس لیے واپس آیا کہ کل مجھے اور بچوں کو بھی ساتھ لے جائے۔ ہمارا بڑا والا منت کا ہے نا۔ عرس کے عرس لے جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ بے دلی سے سرہلا کے رہ گئی۔

"بی بی۔ آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ۔ ایک ہی دن کی تو بات ہے۔"

"نہیں سلمیٰ۔ تم جاؤ مجھے اسکول کا کام ہے کچھ بچوں کا حرج ہو گا۔"

"مگر بی بی۔ آپ اکیلے..." وہ متذبذب تھی، مگر ام ہانی نے تسلی دی۔

"کوئی بات نہیں کچھ نہیں ہوتا اتنے اچھے پڑوسی ہیں۔"

"اچھا پھر ایسا کرتے ہیں سویرے تڑکے ہی نکل

جائیں گے ہم اور شام تک واپسی کی کریں گے۔ آپ
کو رات اکیلا چھوڑنے پہ دل راضی نہیں ہے۔"
"سلمیٰ تم میری فکر نہ کرو یوں ایک ہی دن میں
آنے جانے کے سفر سے بچے بھی تھک جائیں گے۔"
"نہیں تھکتے ویسے بھی وہاں رات رکنا نرا خرچا
بڑھانے والی بات۔ آپ بس بتا دیں کچھ منگوانا ہے
عرس سے بی بی؟"
"نہیں۔ بس ایک دیا جلا آنا داتا کی نگری میں
میرے نام کا۔ دن رات دعائیں مانگتی ہوں، لگتا ہے
میرا کوئی گناہ، کوئی کوتاہی میری دعاؤں کی قبولیت کے
راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے شاید کسی نیک ہستی
کے وسیلے سے دعا قبول ہو جائے۔۔۔ اور سلمیٰ۔۔۔ کہنا۔۔۔
ام ہانی نے عرضی بھجوائی ہے اوپر پہنچا دیں۔" اس کی
آواز آنسوؤں سے رندھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں یقین ہے سعد؟" تانیہ حیران تھی۔
"سنو تانیہ! یہ پینٹنگ ام ہانی نے ہی بنائی ہے۔"
میں پر اعتماد تھا۔
"لیکن میرا مطلب ہے کیسے کہہ سکتے ہو تم یہ۔۔۔
صرف ام ہانی لکھا ہے اس پہ کوئی اور نام بھی ہو سکتا ہے
یا اس نام کی کوئی اور لڑکی۔"
"کیسی باتیں کر رہی ہو تانیہ۔" مجھے کوفت سی
ہوئی۔ کہاں تو وہ ہر وقت مجھے دلاسے دیتی، ہمت
بندھاتی رہتی تھی اور اب اگر امید کی ہلکی سی کرن نظر
آ رہی ہے تو وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تاریک پہلو نکال کے
میرے سامنے رکھ رہی تھی۔
"کیا میں اس کے دستخط نہیں پہچانوں گا؟ اور
بالفرض اس نے اپنا نام بھی نہ لکھا ہوتا اس تصویر کے
نیچے تب بھی میں پہچان لیتا یہ۔۔۔ یہ منظر دیکھو یہ اس
کے سوا اور کون رنگوں میں ابھار سکتا ہے۔" وہ الجھن
بھری نظروں سے پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔
"تانیہ تم کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو تم کیوں مجھے یہ
یقین دلانا چاہتی ہو کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" میرے
دل میں اس کے خلاف وسوسہ سا آ گیا۔
"یقین نہیں دلانا چاہتی سعد۔ میں دل سے دعا مانگ
رہی ہو کہ تمہارا یقین سچ میں بدل جائے، مگر ہونے کو
کبھی بھی کچھ بھی ہو جایا کرتا ہے، میں صرف تمہیں
ذہنی طور پہ اس کچھ بھی ہونے کے لیے تیار کر رہی تھی
سعد۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم پھر سے مایوس ہو جاؤ، میں
تمہیں ٹوٹا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔" اس کی نم آنکھوں اور
گیلے گیلے لہجے میں وہ خلوص تھا کہ میں پل بھر پہلے
والے اپنے وسوسے پہ خود ہی شرمسار سا ہو گیا۔
"تم نے شعیب سے ڈیٹیل (تفصیل) لی؟"
"ہاں اس نے لاہور میں جس جگہ سے یہ پینٹنگ
خریدی ہے اس کا ایڈریس لے لیا ہے میں نے۔"
"اوہ تو ہانی لاہور میں ہے۔"
"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔" میں مسکرایا۔
بقول شعیب کے۔ جبری مسکراہٹ۔
"تم نے ہی تو کہا ہے ہونے کو کچھ بھی کبھی بھی
ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی میں لاہور جا کے اسے
ڈھونڈوں گا ضرور۔۔۔ ان پانچ مہینوں میں پہلی بار اس
کے بارے میں قدرت نے کوئی اشارہ دیا ہے مجھے۔
میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو تمہیں ضرور جانا چاہیے اور
مجھے بھی۔"
"تم؟" میں نے بغور اسے دیکھا۔
"ہاں میرے بغیر کیسے جا سکتے ہو تم؟"
"سوچ لو تانیہ ہو سکتا ہے وہاں کافی دن لگ جائیں
تم کہاں میرے ساتھ ساتھ بھٹکو گی۔" میں ہچکچا رہا تھا۔
"اتنے دنوں سے یہاں بھی تو ہوں تمہارے
ساتھ۔ اس سے زیادہ دن تو نہیں لگیں گے ویسے بھی
سعد ہانی منزل تو صرف تمہاری ہے، مگر تلاش ہم
دونوں کی ہے۔" میں نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

صبح تڑکے کا سمے تھا۔ ام ہانی ننھے سعد کو کپڑے پہنا
رہی تھی پھر اس کے ہلکے ہلکے سے بالوں پہ بڑے ہی

دھیان سے کنگھا کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے ہی ٹوپی پہنادی۔

"لو۔ میں نے سعد کو پیارا سا گڈا بنا دیا۔ اب سعد اپنی اماں کے ساتھ لاہور جائے گا۔" اس کے گول گول پھولے ہوئے گالوں کو چومتے ہوئے وہ اداس سی ہو گئی۔

"دیکھو سعد۔ صرف آج کا دن مجھ سے دور رہنے کی اجازت ہے۔ سمجھے؟ زیادہ پھیل نہ جانا وہاں جا کے۔ شام ہوتے ہی تم نے واپس آنا ہے ورنہ میں اداس ہو جاؤں گی۔" اسے گود میں لے کر سینے سے لگاتے ہوئے وہ ابھی سے اداس ہو گئی تھی۔

"مجھے تمہارے بغیر اب نیند نہیں آتی سعد۔" اس نے ننھے سے کان میں سرگوشی کی۔

"تم صرف میرے سعد ہو' صرف میرے.... بس ایک تم ہو جسے میں صرف اپنا سعد کہہ سکتی ہوں جسے پیار کرتے ہوئے مجھے ندامت نہیں ہوتی۔ یہ احساس کچوکے نہیں لگاتا کہ میں کسی کا حق مار رہی ہوں۔ تم اپنی ہنی سے دور نہ جانا سعد۔ جلدی واپس آنا۔"

☼ ☼ ☼

صبح کی پہلی ٹرین سے میں تانیہ کے ہمراہ لاہور پہنچ گیا سب سے پہلے میں شعیب کے دیے پتے پہ سیدھا اس دکان تک گیا جہاں سے اس نے وہ تصویر خریدی تھی۔۔ بہت پوچھنے پر وہ فقط اتنا بتا پایا کہ اسے یہ تصویر بیچنے والی کوئی لڑکی نہیں کوئی مرد تھا جو اپنی وضع قطع سے دیہاتی لگ رہا تھا۔

"دیہاتی؟"

"ہاں جی۔ میرا خیال ہے وہ ان مصورہ صاحبہ کا ملازم تھا۔ میرے سامنے اس نے فون کر کے بات کی تھی اس تصویر کی قیمت کے بارے میں۔ بی بی جی.... بی بی جی کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔" میں چپ سادھ گیا البتہ تانیہ مزید تفتیش کرنے لگی۔

"پلیز ذرا ذہن پر زور دے کر بتایئے فون پہ بات کرتے ہوئے اس شخص نے نام بھی لیا تھا کوئی؟"

"کہا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں' میں مصروف تھا اتنا دھیان نہیں دیا البتہ بی بی جی کی تکرار کئی بار کی تو ذہن میں رہ گئی یہ بات۔"

"کچھ اندازہ ہے کہ وہ لاہور ہی کا رہنے والا تھا یا کسی اور جگہ سے آیا تھا۔" اب ان سوالات کی بوچھاڑ پہ دکان دار خاصا جھلایا ہوا لگا۔ ظاہر ہے اس کی دکان داری خراب ہو رہی تھی۔

"یہ میرا کام نہیں ہے۔ ہم تصویریں اور ہینڈی کرافٹ خریدتے ہیں کوئی اسلحہ یا منشیات تو نہیں جو گاہک سے سودا کرتے ہوئے اتنی تفصیل پوچھیں۔"

"کمال ہے۔ اس میں برا ماننے والی کیا.... " تانیہ کو بھی تاؤ آگیا' مگر میں نے اسے خاموش کراتے ہوئے نکلنے کا اشارہ کیا۔

"بس تانیہ.... ہو گیا۔" اور نکلتے نکلتے بڑی لجاجت سے دکان دار کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے درخواست کی۔

"دیکھیں اگر کبھی وہ شخص دوبارہ کچھ بیچنے آئے تو.... ہو سکے تو اس سے رابطے کے لیے کوئی نمبر یا اتا پتا لے لیں اور مجھے اس نمبر پر کال کر دیں۔ بہت ضروری نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کو زحمت نہ دیتا۔"

☼ ☼ ☼

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سب سن کے بھی وہ یقین نہ کر پا رہی تھی۔

"بھلا ایسا کیسے ممکن ہے کہ میں سعد سے کوئی وعدہ لوں اور وہ اسے نہ نبھائے میری خواہش جان کے بھی اس پہ عمل نہ کرے۔" لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ خدا بخش اس سے غلط بیانی نہیں کر سکتا۔

"سعد.... اگر تمہیں مجھ سے محبت کا دعوا ہے تو تم یہ گوارا بھی کیسے کر رہے ہو کہ میں یوں بھٹکتی رہوں؟ کیا تم نہیں چاہتے میں واپس لوٹ آؤں؟"

عرصے بعد وہ سعد سے ناراض ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح یہ ناراضی بھی اوپری ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہاں سے نکلنے کے بعد میں نے ارد گرد کی دوسری

سب دکانیں بھی چھان لیں جہاں اسی قسم کی سستے داموں بکنے والی وہ تصاویر رکھی ہوئی تھیں جن کو گمنام مصور اونے پونے بیچ جاتے تھے۔ ایک ایک تصویر کو بغور دیکھا کسی اور یہ وہ نام نظر نہیں آیا۔ اس خیال کے تحت کہ شاید ام ہانی کی تصاویر اب تک بک گئی ہوں۔ میں نے اسی حلیے والے شخص کے بارے میں بھی سب سے دریافت کیا جس کا اس دکان دار نے بتایا تھا' مگر کہیں سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔

ثانیہ کا کہنا تھا کہ ہمیں یہاں کے گرلز ہاسٹل حتیٰ کہ دارالامان وغیرہ بھی چیک کرلینے چاہئیں۔ میں متفق تھا' مگر پتا نہیں کیوں ہمت ایک دم جواب دے گئی تھی۔

"ہاں چلتے ہیں کچھ دیر سستالیں۔" میں نزدیکی پارک میں اسے لیے آگیا اور ایک بنچ پہ ڈھے گیا۔

"دیکھو سعد۔ تصویر کل بکی ہے یعنی اگر وہ لاہور کہیں اور سے بھی آئی تھی تو ہوسکتا ہے اب تک یہیں ہو۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ نہ آئی ہو وہی شخص آیا ہو اس کی بنی پینٹنگ لے کر۔"

"لیکن وہ دیہاتی شخص کون ہوسکتا ہے؟ اور ہانی سے اس کا کیا تعلق ہے سعد؟" ثانیہ وہی سوالات پے در پے پوچھے جارہی تھی جو پہلے سے میرے ذہن میں ڈنک مار رہے تھے۔

"وہ سب سے چھپ رہی ہے۔ نہیں چاہتی کہ سامنے آئے اس لیے کسی کے ذریعے بکنے کے لیے بھجوائی ہوگی۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آدمی نے بھی کہیں سے خریدی ہو۔ ہانی سے ڈائریکٹ نہ لی ہو۔" میں بالکل چپ رہنا چاہتا تھا نہ کچھ بولنا۔ نہ کچھ سننا چاہتا تھا۔ اسی لیے ثانیہ کی مسلسل جرح پہ اکتا گیا۔

"پلیز ثانیہ۔۔۔ مت کرو ایسی باتیں بلکہ کچھ بھی نہ کہو۔ مجھے اس یقین کے ساتھ اسے تلاش کرنے دو کہ وہ یہیں کہیں ہے۔ میرے بہت نزدیک۔"

"تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو کچھ دیر ہوٹل چل کے آرام کرلو شام کو دوبارہ نکلیں گے۔" وہ مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں تھکا نہ کبھی تھکوں گا۔" میں نے صاف جواب دے دیا۔

"تم چلی جاؤ۔"

"سعد۔۔۔ اسپتال' ہاسٹل' ہوٹل' آرٹ گیلریز ہر جگہ تلاش کریں گے ہم اسے۔۔۔ مگر۔۔۔"

"مگر کیا؟"

"مجھے لگتا ہے سعد۔ وہ خود ہی نہیں چاہتی کہ ہم کبھی اس تک پہنچ سکیں۔ جو کھو جاتے ہیں نا ان کو ڈھونڈنا آسان ہوتا ہے' مگر جو چھپ رہا ہو اس کو تلاش کرنا مشکل۔"

"ابھی بہت سی دنیا باقی ہے ثانیہ! جہاں میں نے اسے تلاش نہیں کیا۔ تم اگر تھک گئی ہو یا تنگ آگئی ہو تو واپس جاسکتی ہو میرا دل مجھے ہار نہیں ماننے دے گا۔" میں نے رکھائی سے کہہ دیا۔

"سعد۔ جیسے تم اسے تلاش کرنا نہیں چھوڑ سکتے ایسے ہی میں تمہارا ساتھ دینا نہیں چھوڑ سکتی۔ تمہاری مجبوری تمہارا دل ہے تو ایک کمینہ سا دل میرے پاس بھی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"یہ دل ہوتا ہی کیوں ہے ثانیہ۔ جھوٹ بولتے ہیں لوگ کہ جینے کے لیے دل کا ہونا ضروری ہے۔۔۔ بکواس۔" میں تلخ ہوگیا۔

"دل نہ ہوتا تو زیادہ کھل کے جیتے لوگ یہ دل ہی تو مرواتا ہے۔ قسم سے یہ دل نہ ہوتا تو جوان موتیں نہ ہوتیں۔"

☼ ☼ ☼

سلمیٰ نے دربار کے سامنے منت کا دیا جلاتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود بھیجتے ہوئے درخواست کی۔

"پیر جی۔۔۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری ہانی بی بی کی عرضی اوپر رب سوہنے تک جلدی سے پہنچادو۔۔۔ آپ کی بزرگی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہی رب ان کی سن لے۔" اور پھر

چادر کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼
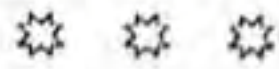
"یہاں کیوں آئے ہیں؟" تانیہ میرے لاکھ منع کرنے پہ بھی میرے ساتھ ساتھ تھی۔ یہاں.... داتا دربار میں بھی۔

"دعا مانگنے؟"

"پتا ہیں کچھ عرصہ پہلے میں یہاں دعائیں مانگنے ہی آتا تھا پھر میں نے اللہ سے ڈائریکٹ ڈیلنگ شروع کردی۔ مجھے لگا جتنی شدت اور طلب میری دعا میں ہوگی وہ کسی اور کی دعا میں نہیں۔" میں رک کر اسی چوڑیاں بیچنے والی عورت کو دیکھنے لگا جس سے ایک بار ہانی کی فرمائش پہ منت کے کالے کڑے لیے تھے۔

"تو پھر کیوں آئے ہو؟" وہ تھکن اور بھوک سے نڈھال لگ رہی تھی۔

"کہا نا پتا نہیں۔" مجھے اب اس کے ساتھ سے کوفت اور جھنجلاہٹ ہو رہی تھی میں اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ اور وہ ایسی ڈھیٹ کہ اس جھنجلاہٹ اور کوفت کے میرے لہجے اور ہر انداز سے چھلک جانے کے باوجود بھی میرا ساتھ چھوڑنے پہ تیار نہیں تھی۔ اور اوپر سے سوال پہ سوال۔

"نہیں دعا مانگ کے دیکھوں؟" میں نے اس بار اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ ایک جلتے ہوئے دیے کے سامنے رک گیا۔ جس کی لو تیز ہوا سے پھڑپھڑا رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی اوٹ بنا کے میں نے اس کی لو کو بجھنے سے بچانا چاہا۔

"اب یہ کیا کررہے ہو؟"

"پتا نہیں کس نے رکھا ہوگا یہاں منت کا دیا ہوتا ہے کسی نے مراد مانگی ہوگی ہوا سے بجھ گیا تو...."

"تو کیا؟ دعا قبول نہیں ہوگی؟"

"نہیں تانیہ دعا قبول کرنا یا نہ کرنا تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے مگر کوئی نہیں جانتا اس کی دعا کب قبول ہوگی کب اس کی مراد پوری ہوگی میں صرف اس لیے اس دیے کو بجھنے سے بچانا چاہ رہا ہوں کہ بجھا ہوا دیا دیکھ کے منت ماننے والا مایوس نہ ہوجائے اسے یہ نہ لگے کہ اس کا دعا رد ہوگئی ہے مایوسی کیا ہوتی ہے یہ مجھ سے زیادہ کون جا سکتا ہے۔" تانیہ دکھ بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اذان کی آواز پہ اپنا سر ڈھانپتے ہوئے اس نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

"یا اللہ.... میں تم سے اپنے لیے کچھ نہیں مانگتی.... مگر سعد کے لیے ہانی کو مانگ رہی ہوں.... دے کیوں نہیں دیتے اسے؟"

☼ ☼ ☼

"یا اللہ...." عصر کی نماز کے بعد ام ہانی جائے نماز پہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے اللہ.... کہ میں کچھ غلط کررہی ہوں یا انجانے میں کسی کو دکھ دے رہی ہوں تو.... تو جانتا ہے میری نیت کو میں تو بہت سوں کو دکھ سے بچانے کے لیے ایسا کررہی ہوں پھر دل پہ یہ بوجھ کیسا؟ دل پہ بوجھ تو کسی گناہ یا کسی جرم کے بعد ہوتا ہے کیا انجانے میں مجھ سے واقعی کوئی جرم یا کوتاہی ہو رہی ہے میری رہنمائی فرما مولا۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو میری غلطی سدھار میں نے اب سب کچھ تجھے سونپا جو ہوگا جیسا بھی ہوگا میں اسے تیری رضا سمجھ کے قبول کرلوں گی۔" یہ دعا مانگنے کے بعد عرصے بعد اسے اپنا آپ ہلکا ہلکا محسوس ہوا۔

☼ ☼ ☼

"میرے پیچھے نہ آؤ تانیہ۔" اب میں سچ مچ چڑ گیا تھا۔ بلکہ باقاعدہ تپ رہا تھا اس پہ۔

"لیکن سعد.... میں تو...." میری تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی کوشش میں چلتے چلتے اس کی سانس پھول رہی تھی۔ میں یک دم سے پیچھے مڑا اور دھاڑ کے کہا۔

"کہا نا جاؤ آج میں کچھ ٹھان کے نکلا ہوں.... آر.... یا پھر پار...."

"کیا مطلب؟" وہ بدحواس سی ہوگئی۔

"آج یا تو وہ مجھے ملے گی یا میں خود بھی کسی کو نہیں ملوں گا۔ میں بھی کھو جاؤں گا اس کی طرح۔"

"سعد۔" اس نے مجھے سمجھانا چاہا۔
"پھر سے وہی فضول باتیں۔ تم باز آؤ گے یا نہیں؟"
"اور تم میرا سایہ بننے سے باز آؤ گی یا نہیں؟ پلیز تانیہ۔" میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔
"یہ میری تلاش ہے میرا جنون ہے۔" اس کی آنکھوں کے آنسو دیکھ کے بھی میں بے رحم الفاظ میں کہتا گیا۔ بلکہ باقاعدہ دھمکانے لگا اسے۔
"تم واپس چلی جاؤ ورنہ ماری جاؤ گی۔۔۔ بے موت۔"
"مرتو میں کب کی گئی تھی سعد۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔
"تم پہ۔" اس نے میرے شانے پہ اپنا بیگ شرارتاً" مارا۔ بالکل میری جبری مسکراہٹ کے جیسی اس کی یہ جبری شرارت مجھے اور بوجھل کر گئی۔
"جاؤ۔ نہیں آتی میں بس تمہارا انتظار کروں گی۔ صرف تمہارا نہیں تمہارا اور ہانی کا۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔" اس نے جلدی سے پلکوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے آنسوؤں کو روکا اپنی ہتھیلی سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے۔
"اور خبردار جو اکیلے لوٹے۔" میں اس سے وعدہ تک نہ کر سکا۔ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ اور آگے بڑھ گیا۔
لیکن کچھ ہی دیر بعد میرے قدموں کی رفتار ست پڑ گئی میں نے مڑ کے دیکھا وہ واپس جا رہی تھی۔ بالکل ایسے ہی ست قدموں کے ساتھ۔ میں نے ایک لمبی سانس بھر کے رخ بدلا اور سامنے دیکھا۔ مصروف ترین شہر کی مصروف ترین شاہراہ لوگوں کا جم غفیر۔
"کہاں تلاش کروں میں تمہیں ہنی۔" ہانیہ کے سامنے بڑے جوش سے اسے تلاش کرنے کا دعوا تو کر چکا تھا مگر اب پاؤں تھے کہ جیسے شل ہو رہے تھے بالکل دل و دماغ کی طرح۔ میں بے بسی سے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہاں سے شروعات کروں۔ پھر بلا مقصد ہی اس پارک میں گھس گیا جہاں پہلے بھی ستانے کے لیے تانیہ کے ہمراہ آیا تھا۔ غائب دماغی کی

کیفیت میں وہاں بیٹھا میں سامنے تکے جا رہا تھا جہاں کچھ بچے گیند سے کھیل رہے تھے تب ہی ایک گیند لڑھکتا ہوا میرے پیروں تک آیا۔ اس پہ بھی میں اپنی گم صم کیفیت سے باہر نہ نکل سکا اور تب بھی نہیں جب ایک بچہ بھاگتے ہوئے میرے پاس رکی اس گیند کو اٹھانے آیا۔ ہاں مگر جب مجھ سے ایک فٹ کے فاصلے پر وہ بچہ بھاگتے بھاگتے گر گیا تو میں بری طرح چونکا اور اٹھ کے اس بچے کو سنبھالا دیا۔ اس کے کپڑے جھاڑ رہا تھا جب ایک عورت چادر میں لپٹی چار پانچ ماہ کے بچے کو گود میں اٹھائے وہاں آئی۔

"ہاں صدقے میرا کاکا۔" وہ اپنے بچے کا سر منہ چوم رہی تھی۔ اور میں حیرت سے اسے دیکھتا پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر میں پہچان گیا۔ وہ سلمیٰ تھی۔۔۔ بلاشبہ۔۔۔

"سلمیٰ؟" میرے پکارنے پر اس نے اپنا دھیان بچے سے ہٹا کے مجھ پر دیا حیرت اور آشنائی کی جھلک اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔

"تم سلمیٰ ہی ہو نا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"ہائے اللہ۔۔۔ سعد صاحب آپ؟" اس کے لہجے میں بے ساختہ سی خوشی ہوئی۔

"تو یہ تینوں بچے تمہارے ہیں۔۔۔؟" میں نے ذرا ذرا سے وقفے والے۔ ان تینوں بچوں کو دیکھا۔۔۔ ایک وہ جو گیند اٹھانے آیا۔۔۔ اور گر گیا تھا۔۔۔ اور منہ بسورتا اپنے مٹی سے بھرے ہاتھوں سے آنسو صاف کر رہا تھا۔ دوسرا سلمیٰ کی انگلی تھامے لالی پاپ چوستا اور تیسرا گود میں۔۔۔

"ان چار ہی سالوں میں صرف تین بچے۔۔۔" میں نے اسی جبری مسکراہٹ کا سہارا لیا۔ وہ شرما سی گئی۔

"آپ کی دعائیں ہیں صاحب۔۔۔"

"کیوں مجھ پہ بددعا ڈال رہی ہو۔۔۔ میں نے ایسی کوئی بے ڈھنگی دعائیں نہیں مانگیں اور وہ تمہارے بانسری والے کا کیا حال ہے۔"

"ٹھیک ہے جی۔۔۔ اور آپ کی ہی دعائیں ہیں سعد صاحب۔۔۔ آپ اس دن میری مدد نہ کرتے تو پتا نہیں میری زندگی کیسی ہوتی' کہاں ہوتی میں۔۔۔ اور کہاں ہوتا خدا بخش۔۔۔ یہ سب جو آج میرے پاس ہے آپ کی وجہ سے ہے۔۔۔ نہ کسی کی غلامی۔۔۔ نہ چاکری۔۔۔ نہ زبردستی کا کوئی رشتہ۔۔۔ اللہ کے کرم سے گھر ہے چھوٹا سا۔۔۔ کمانے والا۔۔۔ محبت اور عزت کرنے والا شوہر ہے۔۔۔ یہ بچے ہیں۔" میں نے شفقت سے لالی پاپ چوستے بچے سے نام پوچھنا چاہا۔ محض سلمیٰ کی بے تکان چلتی زبان کو روکنے کے لیے۔۔۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" مگر جواب گر کے اٹھنے والے بچے نے دیا۔

"یہ ناصر ہے۔۔۔ میرا نام احمد ہے۔۔۔ اور یہ ہمارا سب سے چھوٹا بھائی۔۔۔ سعد۔۔۔" میں چونکا۔۔۔ اور پھر مسکرا دیا۔

"ارے واہ۔۔۔ یہ بھی سعد۔۔۔"

"ہاں جی۔۔۔ ہانی باجی نے رکھا تھا اس کا نام۔" بچہ بے تکلف تھا۔۔۔ اور ماں کی طرح باتیں کرنے کا شوقین۔۔۔ اس کی بات نے میرے ذہن میں جھکڑ چلا دیے۔

"ہانی نے۔۔۔؟" میں نے تعجب سے سلمیٰ کو دیکھا جو بوکھلائی ہوئی سی اب بچوں کو ہانکتے ہوئے آگے لے جا رہی تھی۔

"چلو چلو۔۔۔ شام ہو گئی ہے۔۔۔ تمہارے ابا آ گئے ہوں گے گیٹ پر۔۔۔ نکلو۔"

"رکو سلمیٰ۔۔۔" مگر میرے پکارنے پہ بھی وہ نہ رکی۔ یوں ہی تیز تیز چلتے۔۔۔ بنا مڑے کہنے لگی۔

"اچھا سعد صاحب۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ دیر ہو رہی ہے ہمیں۔۔۔" مگر میں ایسے کیسے جانے دیتا۔ آگے بڑھ کے میں نے اس کا راستہ روکا۔۔۔ اور اس کے گود کے بچے کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ مزید گھبرا گئی۔

"یہ بچہ۔۔۔! سلمیٰ۔۔۔ یہ بچہ۔۔۔ کتنی عمر ہو گی اس کی؟ تین' چار یا پانچ مہینے۔۔۔؟"

"صاحب۔۔۔ وہ۔۔۔؟" سلمیٰ سہم کے گھگیانے لگی۔

"لاری نکل جائے گی صاحب۔۔۔" مگر میں اس کی

بات پہ توجہ دیے بنا سوال کرتا رہا۔

"اور ہاں پچھلے پانچ مہینے سے ہی لاپتا ہے... اگر اس نے بچے کا نام رکھا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ..." وہ سپٹاکے کتراتے ہوئے ایک جانب سے نکلنے لگی، تو میں نے اس کے بڑے بچے کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بے بس سی ہو کے رک گئی۔

"سلمیٰ..." اب میرا لہجہ سخت ہوا۔

"تم جانتی ہو کہ ہنی کہاں ہے اور تم ٹھیک کہہ رہی تھی... کہ تمہارے پاس جو بھی ہے... وہ میرے دعاؤں کی بدولت ملا ہے تمہیں... ہنی کے لیے ہی تو دعائیں کی تھی میں نے... کہ وہ مل جائے اور وہ تمہیں مل گئی۔"

"پتا نہیں... آپ... کیا باتیں کر رہے ہیں سعد صاحب... چھوڑیں میرے بچے کو... ہم نے لاری اڈے وقت پہ پہنچنا ہے... یہ لاری نکل گئی تو دوسری آدھی رات کو ملے گی۔"

"ہاں... اور ہانی باجی رات کو اکیلے کیسے رہے گی۔ انہیں ڈر لگے گا۔" بچہ بھی مجھ سے انگلی چھڑوانے کے زور لگانے لگا اور وہ بات کہہ گیا جس کے بعد سلمیٰ کے پاس سوائے ہار ماننے کے اور کچھ نہ تھا۔ میں نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا... تو وہ پسپا لہجے میں بتانے لگی۔

"کیا کروں سعد صاحب... بی بی نے منع کیا تھا... قسم دی تھی۔"

"تم نے اپنی قسم نہیں توڑی سلمیٰ... اس بچے نے بتائی ہے حقیقت... بس تم اب مجھے اس کے پاس لے چلو... کہاں ہے وہ...؟" میں نے اس کی منت کی۔

"مگر سعد صاحب..." وہ اب بھی ہچکچا رہی تھی۔

سلمیٰ... تمہیں اس کی ناراضی کی زیادہ پروا ہے یا اس بات کی... کہ وہ خوش رہے؟ کیا چاہتی ہو تم... کہ وہ یوں ہی دربدر رہے... کبھی گھر واپس نہ جائے۔"

"کیوں نہیں چاہتی صاحب..." وہ رو پڑی۔

"میں تو انہیں اتنا سمجھاتی ہوں کہ ضد چھوڑ دیں... مگر وہ کہتی ہیں کہ وہ آپ کی خوشیوں کی راہ میں نہیں آنا چاہتیں۔"

"بدھو..." میں بے ارادہ کہہ گیا۔
"ہمیشہ مجھے بدھو کہنے والی خود کتنی بدھو نکلی... یہ تک نہیں جانتی... کہ میری خوشیوں کی ہر راہ اس تک پہنچ کے ختم ہوجاتی ہے... مجھے اس کے پاس لے چلو سلمیٰ..."

☆ ☆ ☆

تانیہ ہوٹل کے روم میں اکیلی گلاس ونڈو سے چپکی باہر رواں دواں ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر فون اٹھایا... سعد کو کال کرنے کے لیے... مگر پھر ارادہ ترک کرتے ہوئے واپس رکھ دیا۔ ویسے بھی سعد نے اس کی پچھلی تین کالیں بھی ریسیو نہیں کی تھیں۔ مگر عجیب بات تھی۔ تانیہ کو نہ تشویش ہو رہی تھی نہ فکر... کوئی دھڑکا نہ تھا۔ ایک کمال کا سکون سا اترا ہوا تھا رگ رگ میں... جیسے کچھ اچھا ہونے جا رہا تھا۔ جیسے وہ جو دعا کر کے گیا ہے' اسے پورا کر کے لوٹے گا۔

☆ ☆ ☆

رات ہو گئی تھی... مگر سلمیٰ نہ لوٹی تھی۔ پڑوس والوں نے ہانی کی تنہائی کے خیال سے اپنے بچے اس کے پاس بھجوا دیے تھے۔ وہی بچے تھے جو اس کے اسکول بھی آتے تھے۔ اس لیے وہ ان کو ہوم ورک کرانے اور اگلے دن کا سبق پڑھانے میں ہی وقت کاٹ رہی تھی۔
"دل سے کچھ مانگا جائے... تو اللہ کبھی مایوس نہیں کرتا۔" اس نے ایک سطر پہ انگلی پھیر کے پڑھتے ہوئے اپنے شاگرد کو سنایا۔ تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی۔
"ارے اس وقت کون آگیا؟" وہ چونکی۔
"مس جی... خالہ سلمیٰ ہوں گی۔"
"نہیں... وہ یوں دستک نہیں دیتی۔"
"میں دیکھتا ہوں۔" ایک اور بچہ تھا... مگر ہانی نے روک دیا۔
"نہیں... تم بیٹھو... میں دیکھتی ہوں... شاید تم لوگوں میں سے کسی کے گھر والے بلانے آئے ہوں۔"
وہ دوپٹا اوڑھتی دروازے تک جانے لگی اور جاتے جاتے تاکید کرنا نہ بھولی۔
"سبق یاد کرو تم سب اپنا اپنا..." اور جیسے ہی دروازہ کھولا سامنے سعد کو دیکھ کے وہ بت بن کے رہ گئی۔ کتنی ہی دیر دونوں کچھ بھی نہ بول پائے۔

☆ ☆ ☆

"رضوان... رضوان..." نائلہ خوشی سے بے حال انہیں جھنجوڑ کے جگا رہی تھی۔
"اٹھیں رضوان..."
"کیا ہوا... ؟خیریت... ؟" وہ نیند سے جاگنے کی وجہ سے بوکھلائے ہوئے تھے۔
"ہاں... سب خیریت... اللہ کا کرم... سعد کا فون آیا تھا..."
"ہانی مل گئی؟" انہوں نے خوشی سے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔
"ہاں..." وہ بھی شکرانے کے آنسوؤں پہ قابو نہ پاسکیں۔
"لا رہا ہے وہ اسے... کچھ ہی دیر میں..."

☆ ☆ ☆

"تمہیں کیا لگتا ہے ہنی... دور چلی جاؤ گی تو میں بھول جاؤں گا تمہیں... ؟" میں نے اس سے شکوہ کیا۔
"کیا تم نہیں جانتیں ہنی... کہ فاصلے بڑھ جائیں تو جنون اور بھی بڑھ جاتا ہے۔" اس نے نظر جھکالی اور ان جھکی پلکوں سے آنسو پر بند توڑ کے بہہ نکلے۔
"اور تمہیں یہ بھی لگا... کہ میں تمہیں ڈھونڈ نہیں سکوں گا... دنیا اتنی بڑی نہیں ہے ہنی... کہ تمہیں مجھ سے چھپا سکے۔"
"سعد..." بمشکل وہ کہنے کی ہمت کرپائی۔
"وہ... تانیہ..."
"ڈھونڈتی رہی ہے وہ بھی تمہیں... میرے ساتھ... ہر لحہ... ہر قدم... اور تمہارا انتظار کر رہی ہے... اس نے تاکید کی تھی کہ میں اکیلا نہ لوٹوں... چلو ہنی..." میں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس نے بنا

کسی ہچکچاہٹ کے تھام لیا۔

☆ ☆ ☆

اور ٹھیک ایک ہی ہفتے بعد وہ دلہن بنی میرے پہلو میں کھڑی تھی۔ میں اسے لیے کھنڈر گیا تھا۔ نکاح کے بعد فورا"۔۔۔ کیونکہ تانیہ جیسی سرپھری لڑکی کو ہماری شادی کا تحفہ دینے کے لیے وہی ایک جگہ مناسب لگی تھی اور اس وقت وہ کھنڈر کی دیوار پہ اس کونے میں میرا اور ہنی کا نام لکھ رہی تھی۔۔۔ جو خالی کونا ڈھونڈا بھی اسی نے تھا۔

"ہمیشہ تم دونوں لکھتے ہو آج میں نے لکھ دیا۔۔۔ وہ بھی آخری بار۔۔۔ اور خبردار جو اس کے بعد دونوں دور ہوئے ایک دوسرے سے۔۔۔ یوں بھی اب یہاں کسی دیوار پہ کوئی اور جگہ باقی نہیں بچی۔۔۔"

"تو یہ دکھانے کے لیے تم ہمیں شادی کی تقریب سے سیدھا یہاں لے آئی۔"

میں نے اسے گھورا۔

"اور وہ تحفے کا بہانہ تھا سب۔۔۔"

"ارے۔۔۔ یہ ہی تو ہے وہ تحفہ۔۔۔" وہ کھلکھلائی۔

"کنجوس۔۔۔" ہنی بھی ہنس دیا۔

"نہیں سعد۔۔۔ جو تانیہ نے دیا ہے وہ تو کوئی بھی کسی کو نہیں دے سکتا۔" ہنی کی بات پہ میں نے اس کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے اسے خود سے نزدیک کر لیا۔

"پرفیکٹ پوز۔۔۔" تانیہ اپنا فون نکالنے لگی۔

"اب ہلنا مت دونوں۔۔۔ تصویر لینے دو مجھے۔۔۔" اور تصویر کھینچنے کے بعد جلدی جلدی فون بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے اور شاید تم دونوں کی بھی برداشت کی حد اب ختم ہو رہی ہے۔ اس لیے اس ہڈی کا اب کباب سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔" وہ آگے بڑھی۔ ہانی کو محبت سے گلے لگایا۔ دونوں کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں اور نہ جانے تانیہ مجھے دیکھنے سے کترا کیوں رہی تھی' ہانی سے ملی۔۔۔ مگر مجھے خدا حافظ تک نہ کہا اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

کھنڈر سے باہر قدم نکالتے نکالتے تانیہ نے رک کر اپنے آنسو صاف کیے۔ مڑ کے پیچھے دیکھا۔ ہانی سعد کے کاندھے پہ سر رکھے دیوار پہ لکھے اپنے اور اس کے نام پہ محبت سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔۔۔ اور سعد۔۔۔ اس کے چہرے پہ اس محبت کا نور پھیلا تھا جو ازل سے صرف اور صرف ام ہانی کے لیے تھا۔

"خدا حافظ سعد۔۔۔" تانیہ نے زیر لب کہا اور پھر آگے بڑھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے آسمان کی جانب دیکھا۔

ستاروں سے بھرا۔۔۔ جگمگاتا آسمان۔۔۔

اور تب ہی اس نے وہ منظر دیکھا۔۔۔ جس کے بارے میں صرف سن رکھا تھا۔ ایک ٹوٹتا ہوا تارا۔۔۔ وہ گنگ سی یہ منظر دیکھتی رہی۔ پھر ہنس پڑی۔ ایک بے بس۔۔۔ ہاری ہوئی ہنسی۔

"واہ۔۔۔ کیا ٹائمنگ ہے قدرت کی۔۔۔ زندگی میں پہلی بار ٹوٹا ہوا ستارا مجھے نظر بھی آیا۔۔۔ تو تب۔۔۔ جب مانگنے کے لیے میرے پاس کچھ رہا ہی نہیں۔"

☆ ☆ ☆